فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

(القرآن)

جدید تصحیح شدہ ایڈیشن

مُطالعہ غیر مُقلّدیّت

حصہ دوم

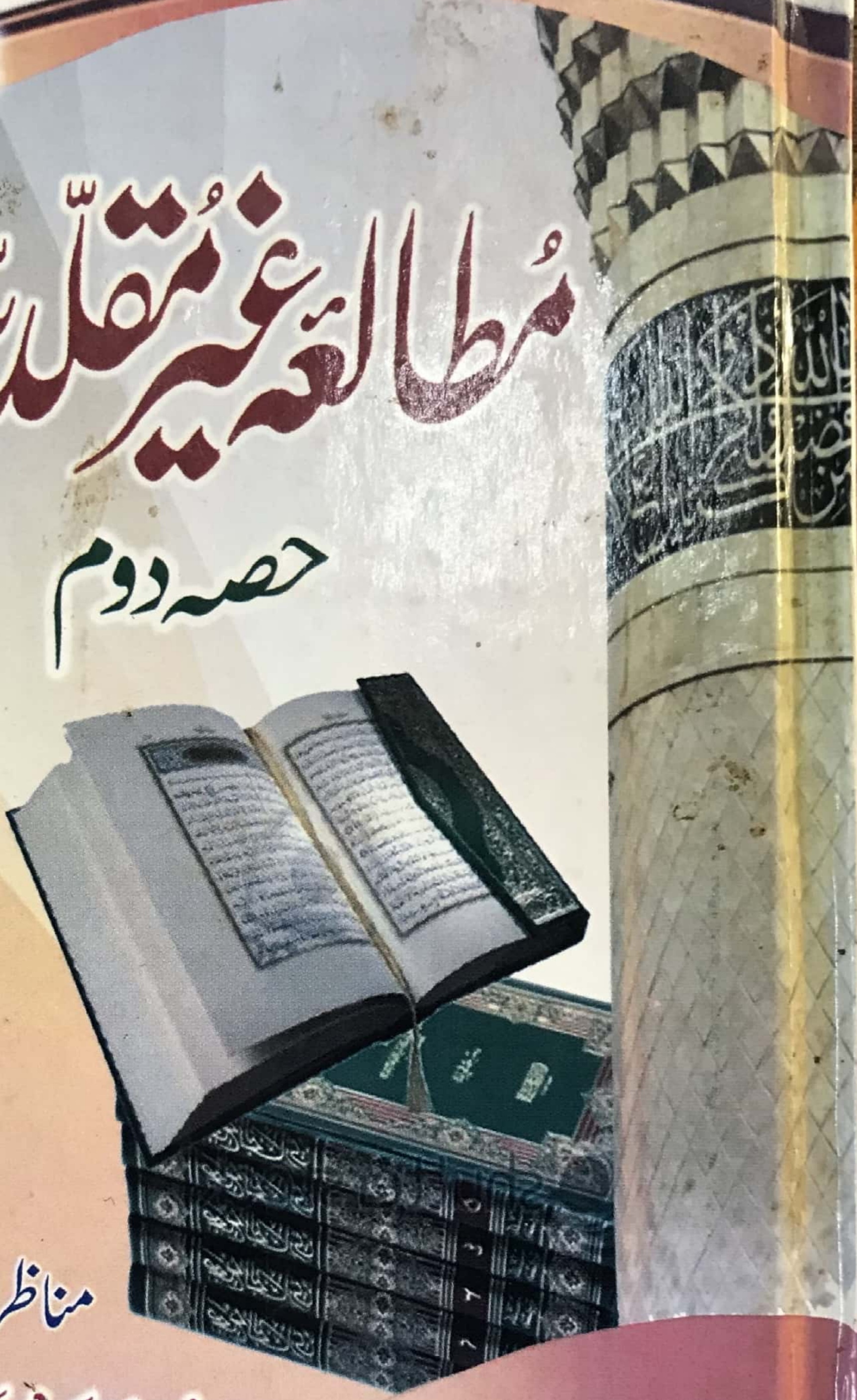

مناظر اسلام حضرت مولانا

مُحمّد امین صفدر اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ

مکتبۃ الحق
ماڈرن ڈیری جوگیشوری ممبئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد دوم

مطالعہ غیر مقلدیت

وکیل احناف حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی کے منتخب رسائل کا مجموعہ

ترتیب جدید | حافظ نعمان شمس

مکتبہ الحق

ماڈرن ڈیری جوگیشوری ممبئی ۱۰۲

تفصیلات

نام کتاب : مطالعہ غیر مقلدیت (جلد دوم)
افادات : مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی مدظلہ
ترتیب جدید : حافظ نعمان شمش
صفحات : ۳۷۰
قیمت : MAXIMUM RETAIL PRICE INCLUSIVE OF ALL TAXES Rs 200
باہتمام : محمد ارشد قاسمی
ناشر : مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری جوگیشوری ممبئی ۱۰۲

ملنے کے پتے

دار الکتاب دیوبند
کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
دکن ٹریڈرس مغل پورہ حیدر آباد
عبد السلام خان قاسمی ۱۷۹ کتاب مارکٹ بھنڈی بازار ممبئی

انتساب ......

ان عظیم فقہاء کے نام!

جن کی فقاہت سے لاتعداد تشنگانِ علوم سیراب ہو رہے ہیں

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مرتب

الفہرس

حرف چند ۷
ایک یادگار ملاقات ۱۱
تحقیق مسئلہ قرأت خلف الامام ۳۷
تاریخ طلاق ثلاثہ ۱۱۵
تحقیق مسئلہ رفع یدین ۱۹۳
مناظرہ کوہاٹ کی چند جھلکیاں ۲۳۱
فقہ کی اہمیت قرآن وحدیث کی روشنی میں ۲۶۹
نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ۲۸۹
مصافحہ کا بیان ۳۰۵
نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی شرعی حیثیت ۳۱۹
تین رکعت وتر کا ثبوت ۳۵۱

رائے گرامی حضرت مولانا مفتی محمد ولی صاحب مدظلہ

مدرس ومفتی جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

فروعی مسائل میں اختلاف قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے جوکہ صرف علمی استدلال تک محدود رہا اور اس کی آڑ میں کسی کی تکفیر و تضلیل نہیں کی گئی۔ یہاں تک کہ انگریز کے دور میں ایک نئے فرقے نے جنم لیا۔ یہ پہلے پہل وہابی کے نام سے مشہور ہوا اور پھر انگریز نے ان کی خدمات کے سلسلے میں غیر مقلد مولوی محمد حسین بٹالوی کی کوششوں سے ان کو اہل حدیث کا لقب الاٹ کیا۔ یعنی......

برعکس نہادند نام زنگی کافور

اس نومولود فرقے نے اختلافی مسائل کو اسلام اور کفر کا اختلاف قرار دیا اور آئے دن اہل السنۃ والجماعۃ کو چیلنج کرنے لگے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے علماء نے ان مسائل پر قلم اٹھایا اور اپنے مسلک کو کتاب وسنت کے مطابق ثابت کیا اور ان کے دام تزویر کو طشت ازبام کردیا۔ اس موضوع پر مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی مدظلہ نے بھی عمدہ رسائل تحریر فرمائے جنہیں اہل علم کے اصرار پر عمدہ کتابت کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف اور ناشرین کو جزائے خیر دے اور امت مسلمہ کے لیے اس کو نفع بخش بنائے۔ آمین

ابو یوسف محمد ولی درویش غفرلہ

۱۴۱۳/۱۱/۵ھ

چند حروف

اٹھتا ہوا قد...... گندمی رنگت کا کھلتا ہوا صبیح و ملیح چہرہ...... مسکراتے لب اور روشن آنکھیں...... مسجع ڈاڑھی...... سادہ لباس وطعام اور بے تکلف نشست و برخاست...... یہ تھے امین ملت مولانا امین صفدر اوکاڑویؒ......

لیکن کس قیامت کے یہ آدمی تھے، جس بات کو اپنے نزدیک حق سمجھتے، اُس کو بغیر کسی تامل کے، بے ساختہ زبان میں، جرأت رندانہ اور فراست مومنانہ کے ساتھ کہہ دینا اُن کے لیے معمولی بات تھی...... غیر مقلدیت، مرزائیت اور پرویزیت کے علاوہ دیگر فراقِ باطلہ اُن کے اس بے باک انداز سے لرزہ براندام تھے...... ملکی وبین الاقوامی سطح پر مسلک اہل سنت کی جس طور اُنہوں نے ترجمانی کی...... اُس کی مثال ماضی قریب میں کم کم ہی دیکھنے میں آتی ہے، اُن کی ادائیں عجیب تر تھی، مناظرہ ومجادلہ میں وہ کبھی اخلاقی حدود سے آگے نہ بڑھتے تھے، مخالفین کے ہزار اشتعال دلانے کے باوجود اُن کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ سجی رہتی تھی، یہ ان کا ایسا وصف تھا جو آخر وقت تک نمایاں رہا......

مولانا مرحوم نے درس نظامی کی باقاعدہ تعلیم کہیں سے حاصل نہ کی تھی، مگر اُن کا اچھوتا، علمی اور عام فہم طرز استدلال اُن کے مخالفین میں ہل چل مچادیتا تھا، وہ غیر مقلدیت کے ''سپیشلسٹ'' تھے اور مناظرہ ومجادلہ میں ایسا دوٹوک اور بے لاگ انداز اختیار کرتے کہ در وبام گونج اٹھتے،

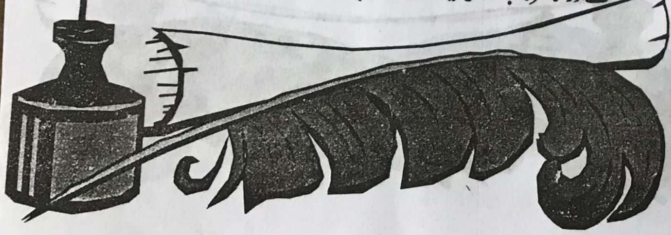

اُن کا اندازِ بیان سادہ ہونے کے باوجود دلکش ہوتا، وہ گھنٹوں اپنے موضوع پر بے تکان بولتے مگر سامعین کے چہروں پر کبھی اُکتاہٹ آتی تھی۔ حضرت مرحوم والد محترم سے خصوصی محبت رکھتے تھے، بایں وجہ حضرت نے اپنی تحریرات کی اشاعت وطباعت کے لیے والد محترم کو خصوصی اجازت دی تھی، گمنامی کے عرصہ میں وہ سالہا سال ہمارے یہاں آ کر درس دیتے رہے، احقاق حق اور ابطال باطل ان کا مطمح نظر تھا جس کے لیے انہوں نے ہزاروں صعوبتیں جھیلیں مگر اپنے راستے سے نہ ہٹے، یہ اُن کی بے غرضی، حق گوئی اور جفا طلبی کا ہی نتیجہ ہے کہ آج اُن کا مشن ہر سُو پھلتا چلا جا رہا ہے۔

شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

○

"مطالعہ غیر مقلدیت" دراصل "مجموعہ رسائل" کی ہی نئی شکل ہے...... یہ رسائل مولانا کی منتشر اور متفرق تحریروں سے مرتب کیے گئے تھے، جس کا سہرا...... سید مشتاق علی شاہ صاحب کے سر ہے، جن کی چار سالہ مسلسل محنت اور پیہم ریاضت کے بعد مولانا مرحوم کی تحریریں ایک اچھوتے انداز میں مرتب ہوئیں...... اہل نظر بخوبی آگاہ ہیں کہ کسی صاحب علم کے منتشر افادات کو کتابی شکل دینے کے لیے بڑے...... گیان دھیان اور تحمل اور تعقل کی ضرورت ہوتی ہے مگر شاہ صاحب اس مرحلے سے

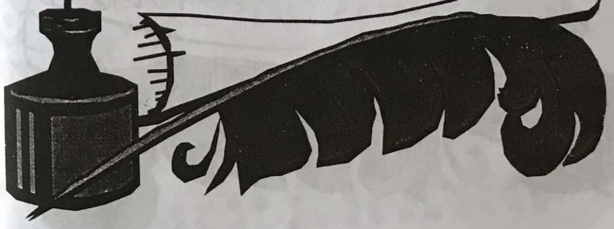

جس خوش دلی اور خوش سلیقگی سے گزرے ہیں، یہ انہیں کا حصہ ہے، وہ کسی بھی جامعہ سے "فارغ التحصیل" نہیں...... مگر مجھے یہ کہنے میں کچھ تامل نہیں کہ اس وادی میں وہ بہت سے "فارغ" لوگوں سے سبقت لے گئے ہیں۔

○

"مطالعہ غیر مقلدیت" میں مولانا کے منتخب رسائل ومقالات کو جدید انداز میں پیش کیا گیا ہے، کمپیوٹر کتابت اور حوالہ جات کی تصحیح کے ساتھ ساتھ ترتیب ادا اور اسلوب بیان کی تسہیل کا بھی اہتمام کیا گیا ہے، وہ رسائل جو غیر مقلدین کی کتب کے جواب میں تھے اور ان کتب کا مطالعہ کیے بغیر جن کا سمجھنا دشوار تھا...... حذف کر دیئے گئے ہیں، البتہ جو اہل علم مولانا کی تمام تحریرات کا مطالعہ کرنے کے متمنی ہوں وہ مولانا نعیم احمد صاحب (ناظم مکتبہ امدادیہ) سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں، جنہوں نے مولانا مرحوم کی تمام تحریرات کو بڑی ارادت اور سلیقے سے تجلیات صفدر میں سمو دیا ہے...... بایں ہمہ یہ کتاب اہل قدر کے لیے یقیناً خوشگوار تحفہ ثابت ہوگی اور بصورت موجودہ زیادہ مفید اور پسندیدہ قرار پائے گی۔

○

آغاز کتابت سے لے کر اشاعت تک کے مختلف مراحل میں بعض......

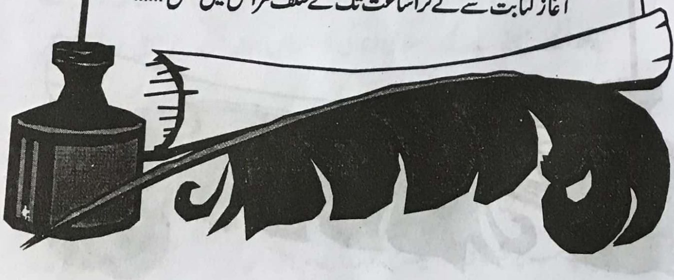

بزرگوں، عزیزوں اور دوستوں سے بڑی مدد ملی......

خصوصاً والد محترم قاری شمس الدین مدظلہ سے......جن کی مشفقانہ دلچسپی اور توجہ سے یہ کتاب منظر عام پر آ رہی ہے، اُن کے لطف خاص کا شکریہ کیونکر ادا ہو سکتا ہے!

دامانِ نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار!

حقیر پر تقصیر......

ایک یادگار ملاقات

کراچی کے سفر میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو اپنا نام مرزا وحید بیگ بتا رہے تھے۔ وہ اصل میں پنجابی تھے مگر عرصہ دراز سے امریکہ میں مقیم تھے۔ انہوں نے اپنی سرگزشت یوں بیان فرمائی کہ میں یہاں سے ایف۔ اے کر کے امریکہ گیا تھا۔ میرا ایک سال اس حال میں گزرا کہ سال بھر میں دو عیدیں اور چند نمازیں پڑھیں۔ آخری عید نماز میں دو تین ساتھیوں سے ملاقات ہوئی جو تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے میرا ایڈریس نوٹ کیا اور مجھ سے رابطہ رکھا۔

زندگی میں تبدیلی:

ان حضرات کی صورت و سیرت شریعت محمدیہ ﷺ کی ترجمان تھی۔ ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے مجھے اسلامی زندگی کا احساس ہوا۔ میں نے تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگانا شروع کر دیا۔ مجھے ایک عجیب ذہنی سکون اور قلبی راحت محسوس ہوئی اور الحمدللہ میں نماز روزے کا پابند بن گیا۔ حرام حلال کا امتیاز کرنے لگا۔ اپنے وقت اور مال سے کچھ حصہ دین سیکھنے اور اس کی تبلیغ کرنے کے لیے وقف کر دیا۔ بیوی بچوں، دوست احباب سب پر محنت کی اور ایک پرسکون دینی ماحول بن گیا اور میری زندگی کے پور۔

چار سال اسی طرح گزر گئے۔ میں نے اور میری بیوی نے گزشتہ زندگی کی نمازوں کو قضا کیا۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں جو کوتاہیاں ہوئی تھیں، شرعی مسائل پوچھ کر ان کی ادائیگی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ندامت اور توبہ کا شغل اختیار کیا۔ فضائل اعمال، تعلیم الاسلام اور بہشتی زیور مستقل خریدے اور ان کی تعلیم اور عمل میں کوشش کرنے لگے۔

نیا موڑ:

چار سال کے بعد ایک عید کے موقعہ پر ہی تین نوجوانوں نے مجھے آ گھیرا۔ بڑی گرمجوشی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے میرے دینی جذبات اور کوششوں کی تعریف کی۔ اگرچہ ان نوجوانوں کے چہرہ پر شرعی ڈاڑھی تھی نہ ان کا لباس شرعی انداز کا تھا، لیکن وہ دین سے لگاؤ اور محبت کا ذکر اس جوش سے کرتے تھے کہ میں ان کا گرویدہ ہو گیا۔ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع ہو گیا۔ اس نیت سے کہ ان کے جذبہ کی قدر کر کے ان کو شرعی صورت وسیرت اور شرعی لباس اور احکام پر آسانی سے آمادہ کیا جا سکے۔ میں ان کے ہاں گیا، ان کے پاس اسلامی کتابوں کی ایک لائبریری تھی۔ انہوں نے مجھے کہا کہ آپ لوگوں کا دین انڈیا سے آیا ہے اور ہمارا مکہ مدینہ سے، اور یہ کہتے ہوئے ایک کتاب صلوۃ الرسول مصنفہ مولانا صادق سیالکوٹی مجھے دی، کہ اگر مکے مدینے کا دین ماننا ہے تو یہ کتاب پڑھو، میں نے یہ کہتے ہوئے کتاب لے لی کہ یہ کتاب تو سیالکوٹ کی ہے نہ کہ مکہ مدینہ کی۔ انہوں نے کہا کہ یہ اگرچہ سیالکوٹ میں لکھی گئی مگر باتیں مکہ مدینہ کی ہیں۔

پہلا فرق:

میں نے کہا کہ حضرت شیخ الحدیث نے بھی فضائل اعمال میں آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ ﷺ اور نیک لوگوں کے واقعات ہی ذکر فرمائے ہیں۔ بہت عجیب کتاب ہے۔ میری زندگی میں یہ تبدیلی اسی کتاب کی وجہ سے ہے، میں بے نمازی تھا نمازی بن گیا۔ جھوٹ بولتا تھا اس سے توبہ کی۔ حلال حرام کا خیال نہیں کرتا تھا، اب پوری کوشش کر کے حرام سے بچتا ہوں۔ میری صورت اور سیرت میں جو اسلامی رنگ ہے یہ اسی کتاب کی برکت ہے۔ انہوں نے فوراً میری بات کاٹتے ہوئے کہا کہ آپ پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ شیخ الحدیث صاحب نے بہت سے باتیں بلا حوالہ نقل کر دی ہیں۔ انہوں نے مجھے کئی مقامات دکھائے جہاں کوئی حوالہ نہ تھا اور پھر صلوۃ الرسول دکھا دکھا کر کہہ رہے تھے کہ دیکھو ہر ہر بات با حوالہ ہے۔ دین ہمیشہ با حوالہ اور مستند ہونا چاہیے نہ کہ بے حوالہ اور غیر مستند، اس بات پر میں ان کے سامنے بالکل لاجواب ہو گیا اور واقعی مجھے بڑا دھچکا لگا کہ شیخ الحدیث صاحب نے بہت جگہ حوالے کیوں نہیں دیے؟ اس نے یہ بتاتے ہوئے مجھے (راقم) کہا کہ آپ مجھے اس کا جواب دیں؟ میں نے کہا اس کا جواب حضرت شیخ الحدیث خود دے چکے ہیں۔ فرماتے ہیں......

''اس جگہ ایک ضروری امر پر متنبہ کرنا بھی لابدی ہے۔ وہ یہ کہ میں نے احادیث کا حوالہ دینے میں مشکوۃ، تنقیح الرواۃ، مرقاۃ، احیاء العلوم کی شرح اور منذری کی ترغیب وترہیب پر اعتماد کیا ہے اور کثرت سے ان سے لیا ہے اس لیے ان کے حوالہ کی ضرورت نہیں سمجھی۔ البتہ ان کے علاوہ کہیں سے لیا ہے تو اس کا حوالہ نقل کر دیا ہے۔''

(فضائل قرآن ص ۷)

اس نے اس عبارت کو تین دفعہ پڑھا اور کہنے لگا کہ حضرت نے واقعی بات واضح فرما دی لیکن میں نے ابھی پورا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ پھر میں نے کہا کہ ''صلوۃ

الرسول" میں بھی کئی باتیں بلاحوالہ درج ہیں۔ ص ۴۴۹ تا ص ۴۵۴ جواذکار اور اعمال درج کیے ہیں وہ سب بلاحوالہ ہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالرؤف غیر مقلد صلوۃ الرسول کلاں کے حاشیہ پر آیت کریمہ کے عمل کا یوں مذاق اڑاتا ہے......

"کیا ایسا کرنا بہتر نہیں کہ یہ وظیفہ آیت کریمہ کرنے والے کو ایک مچھلی نما صندوق میں بند کر کے کسی دریا یا سمندر میں پھینک دیا جائے، تاکہ حضرت یونس علیہ السلام کی مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے کا نہ صرف نقشہ ہی کھنچ جائے بلکہ یونس علیہ السلام والی صحیح کیفیت پیدا ہو جائے۔ اس طریقہ پر عمل کرنے سے اکتالیس دن انتظار کی ضرورت نہیں بلکہ چند گھنٹوں میں بفضلہ تعالیٰ ہر قسم کے ہموم و غموم کے بادل چھٹ جائیں گے۔ کسی طرح کی بھی مشکل و مصیبت باقی نہ رہے گی بلکہ سب پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات ابدی حاصل ہوگی...... انالله وانا ليه راجعون ...... مجھے تعجب بھی ہے اور افسوس بھی کہ اس قسم کی لایعنی چیزیں اور خرافات ہم سلفیین میں کدھر سے گھس آئیں؟ بالله عليكم کیا اس قسم کی باتیں اللہ عزوجل کی ذات اقدس سے استہزا کے مترادف نہیں؟ یہ طریقے کس آیت قرآنی اور کس حدیث نبوی سے ماخوذ ہیں؟"

(صلوۃ الرسول محشی ص ۵۰۴)

غلط حوالے:

وہ شخص تو بے حوالہ باتیں اور ان پر تبصرہ پڑھ کر ہی حیران ہو رہا تھا کہ میں نے بتایا کہ صلوۃ الرسول میں تو بہت سے حوالے بھی غلط ہیں۔ دیکھئے صلوۃ الرسول ص ۱۳۶ پر زیر عنوان "نماز کے لامثال محاسن" فضائل کی ۱۲۴ احادیث نقل کی ہیں اور حوالہ صحاح ستہ کا دیا ہے مگر ان میں سے ۱۴ احادیث ۱، ۵، ۶، ۷، ۸، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۲۰ کا نشان تک صحاح ستہ میں نہیں ہے۔ اسی طرح مولوی عبدالرؤف صاحب ہی لکھتے ہیں......

"بعض ایسی احادیث بھی ہیں کہ موصوف نے انہیں جن کتب کی طرف منسوب کیا ہے ان کتب میں وہ نہیں پائی جاتیں۔ ۲۷۸، ۲۸۳، ۳۱۱، ۳۴۳، ۳۵۸، ۵۷۱، ۶۳۹، ۶۶۵، ۶۶۷، ۶۷۷، ۵۰۹، ۶۲۰

(صلوۃ الرسول محشی ص ۱۴)

یہ بارہ احادیث ایسی ہیں کہ جن کے حوالے غلط ہیں۔ میں نے مثال کے طور پر یہ ۲۶ غلط حوالے دیے ہیں ورنہ...... ایں خانہ ہمہ آفتاب است...... میں نے کہا اس چھوٹی سی کتاب میں غلط حوالوں کی اتنی بھرمار! اب تو مرزا وحید بیگ بھی دریائے حیرت میں غرق تھا اور بار بار کہہ رہا تھا کہ اللہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں؟

ضعیف احادیث:

جناب وحید صاحب نے کہا کہ پھر انہوں نے مجھے بتایا کہ اکثر باتیں تو شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے بلاحوالہ لکھیں اور جن کا حوالہ دیا ان میں سے بھی اکثر ضعیف جھوٹی اور من گھڑت احادیث لکھ دیں۔ لیکن صلوۃ الرسول میں ایک بھی ضعیف حدیث نہیں ہے۔ وحید صاحب نے بتایا کہ ان کا یہ اعتراض تو واقعی بہت وزنی تھا جس کی وجہ سے میں فضائل اعمال سے دل برداشتہ ہو گیا۔ میں نے کہا ان کا یہ اعتراض محدثین کے مسلمہ اصول کے خلاف ہے، کیونکہ محدثین کا اصول ہے کہ فضائل و ترغیب و ترہیب میں ضعیف احادیث مقبول ہیں۔ خود حضرت شیخ الحدیث نے اس اصول کو بیان فرمایا۔ چنانچہ فضائل نماز کے آخر میں آخری گزارش کے تحت فرماتے ہیں......

"اخیر میں اس امر پر تنبیہ ضروری ہے کہ حضرات محدثینؒ کے نزدیک فضائل

کی روایات میں توسع ہے اور معمولی ضعیف قابل تسامح۔ باقی صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے واقعات تو تاریخی حیثیت رکھتے ہی ہیں اور ظاہر ہے کہ تاریخ کا درجہ حدیث کے درجہ سے کہیں کم ہے۔'' (فضائل نماز ص ۹۶) ایک جگہ فرماتے ہیں ''اگر چہ محد ثانہ حیثیت سے ان پر کلام ہے لیکن یہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں جس میں دلیل اور حجت کی ضرورت ہو۔ مبشرات اور مناجات ہیں۔'' (فضائل درود ص ۵۶)

میں نے کہا کہ میں اس کی تھوڑی سی تفصیل عرض کر دیتا ہوں۔ جس طرح سارے حساب کا خلاصہ دو ہی قاعدے ہیں...... جمع اور تفریق...... حدیث کی سند کے راوی میں بھی بنیادی طور پر دو ہی باتیں دیکھی جاتی ہیں...... حفظ اور عدالت...... کہ اس کا حافظہ اچھا ہو اور وہ نیکو کار ہو فاسق و فاجر نہ ہو۔ اگر راوی میں ضعف حفظ کی وجہ سے ہو تو اس کو محدثین ضعیف قریب کہتے ہیں کیونکہ متابعت یا شواہد سے ختم ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے برابر قرار دیا ہے۔ وجہ یہ بتائی کہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے گی۔ اسی سے محدثین نے یہ اصول بنا لیا کہ اگر ایک حدیث کی دو سندیں ہوں اور دونوں میں ایک راوی ایسا ہو کہ جس کا حافظہ کمزور ہو تو دونوں سندیں ملا کر وہ حدیث صحیح مانی جائے گی۔ اسی لیے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ بہت جگہ یہ تحریر فرما دیتے ہیں کہ یہ مضمون بہت سی روایات میں آیا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ شواہد اور تابعات کی وجہ سے مقبول ہے۔ اب ان روایات کو رد کرنا گویا قرآنی اصول کا انکار کرنا ہے۔ تو اعتراض حضرت رحمہ اللہ کی بجائے قرآن پاک پر کرنا چاہیے۔ اور اگر راوی عادل نہ ہو تو اس کو ضعف شدید کہتے ہیں۔ اس لیے احکام میں اس کی روایت حجت نہیں ہوتی مگر فضائل اور تاریخ میں سرے سے عدالت ہی شرط

نہیں۔ رسول اقدس ﷺ فرماتے ہیں......

حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج (بخاری ج ۱ ص ۴۹۱، ترمذی ج ۲ ص ۱۰۷)

بنی اسرائیل سے روایت کرو کوئی حرج نہیں۔ جب ترغیب و ترہیب کے واقعات کا فروں تک سے روایت کرنے کی اجازت ہے تو یہ غیر عادل راوی کیا ان یہود سے بھی بدتر ہیں؟ ہرگز نہیں، پھر یہاں بھی جب کئی طریقوں سے روایت ہو اس کے بیان میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں احکام میں ایسے راویوں کی روایت حجت نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے جو روایات لی ہیں وہ قرآن پاک، احادیث نبویہ اور محدثین کے اصولوں کے عین مطابق لی ہیں اور سب محدثین نے فضائل میں یہ طریقہ اختیار فرمایا ہے۔ امام نووی ؒ (مقدمہ شرح مسلم ج ۱ ص ۲۱) اور شیخ ابن تیمیہؒ (فتاویٰ ج ۱۸ ص ۶۸، ۶۵ پر) تصریح فرماتے ہیں کہ فضائل میں ضعاف مقبول ہیں۔

دوسرا رخ:

میں نے کہا آپ حیران ہوں گے کہ صلوۃ الرسول میں نہ صرف فضائل میں بلکہ احکام میں بھی ضعیف احادیث کی بھرتی کی گئی ہے۔ مولوی عبدالرؤف صاحب نے نمبر وار ۸۴، احادیث کی نشاندہی کی ہے جو نہایت ضعیف احادیث ہیں، ۶، ۱۳، ۱۴، ۱۶، ۲۲، ۳۴، ۵۳، ۵۶، ۶۶، ۷۳، ۸۵، ۸۸، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۵۳، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۲، ۱۷۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۹، ۲۱۴، ۲۲۴، ۲۲۶، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۶، ۲۳۹، ۲۴۱، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۷۸، ۲۶۳، ۳۸۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۹، ۴۴۴، ۴۴۸، ۴۵۹، ۴۶۱، ۴۸۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۸۵، ۵۴۱، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۵۱، ۵۵۷، ۵۶۵، ۵۷۸، ۵۸۴، ۵۸۶، ۶۲۶، ۶۳۰، ۶۵۶،

۶۶۰، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۷۳، ۶۷۹، ۶۸۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۹، ۷۰۳…… یہ تمام احادیث ضعیف ہیں۔ اسی کو کہتے ہیں: ''دیگراں نصیحت خود میاں فضیحت'' یہ دیکھ کر تو جناب وحید صاحب بہت پریشان ہوئے کہ الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ ''ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور''

شرک ہی شرک:

پھر انہوں نے مجھے بتلایا کہ یہ تبلیغی نصاب تو سارا شرک سے بھر ہوا ہے۔ فضائل صدقات، فضائل درود اور فضائل حج میں ایسے واقعات ہیں جو واقعتاً شرک کی تعلیم دیتے ہیں۔ کچھ دن تو میں پریشان رہا کہ یہ کتاب ساری دنیا میں پھیل چکی ہے، سینکڑوں ہزاروں نہیں لاکھوں انسانوں کی زندگیوں میں اس نے انقلاب پیدا کردیا ہے، علماء نے بھی اسے دیکھا ہے۔ مگر کسی مفتی، محدث اور فقیہ کی نظر یہاں تک نہیں گئی جہاں تک ان کلرکوں کی پہنچ گئی ہے۔ مگر ان واقعات کی کوئی تاویل مجھے بھی سمجھ نہ آتی تھی۔ آخر نہ صرف یہ کہ میں نے تبلیغی جماعت کو چھوڑ دیا بلکہ ان کے سخت مخالف ہوگیا کیونکہ میرے علم کے مطابق یہ لوگ شرک کے مبلغ تھے اور ان کی نمازیں بھی غلط در غلط تھیں۔ اب میرے نزدیک نماز، روزے، حج اور جہاد میں سب سے بڑی نیکی تبلیغی جماعت کی مخالفت تھی۔ گھر میں، بازار میں، دفتر میں، مجالس میں، مساجد میں، یہی جہاد تھا کہ یہ جماعت توحید نہیں شرک کی داعی ہے اور اسلام نہیں حنفیت کی پرچارک ہے۔ اگرچہ اب مجھ میں جماعت اور تکبیر اولیٰ کی پابندی کا کوئی ذوق نہ رہا۔ حلال حرام کی بھی زیادہ تفتیش باقی نہیں رہی مگر توحید و سنت کا نشہ ہے جس کے بعد ہر گناہ معاف ہوجاتا ہے۔ اپنی نماز کا وہ اہتمام باقی نہیں رہا مگر دوسروں کو مشرک اور بے نماز کہنے کا ذوق بہت بڑھ گیا

ہے۔ اصلاح کی بھی خاص فکر نہ رہی کیونکہ ان سب سے مقدم اس ساری دنیا کو شرک سے بچانا تھا، جن کو فضائل اعمال کے مطالعہ نے مشرک بنادیا ہے۔ اگرچہ دنیا میں مجھے اس میں خاص کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ دو سال کی محنت شاقہ سے میں بمشکل دو کلرکوں کو تبلیغی جماعت سے کاٹ سکا جبکہ ہزاروں نئے آدمی اس جماعت سے جڑ گئے لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ سے پورے پورے اجر کا امیدوار ہوں۔

کرامات:

میں نے کہا جن واقعات کی طرف آپ اشارہ فرمارہے ہیں وہ کرامات ہیں۔ ان کو خرق عادات بھی کہتے ہیں یعنی عادت یہ ہے کہ مرد عورت دونوں کے ملاپ سے اولاد پیدا ہو مگر خرق عادت یہ ہے کہ بی بی مریم کو بغیر مس بشر کے بیٹا مل جائے۔ عادت یہی ہے کہ اونٹنی اونٹنی سے پیدا ہو اور خرق عادت یہ ہے کہ اونٹنی پہاڑ سے پیدا ہو۔ عادت یہی ہے کہ سانپ سپنی کے انڈے سے نکلے اور خرق عادت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بن جائے۔ عادت یہی ہے کہ آپریشن یا دوا سے جھلی دور ہو جائے اور نابینا دیکھنے لگے اور خرق عادت یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کی قمیص اور عیسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ لگنے سے بینائی آجائے۔ عادت یہی ہے کہ بیل بیلوں کی طرح آواز نکالے اور بھیڑیا بھیڑیوں کی طرح مگر خرق عادت یہ ہے کہ بیل اور بھیڑیا انسانوں کی طرح کلام کریں۔ ان میں جو باتیں عادت ہیں ان میں کچھ انسان کا بھی اختیار ہوتا ہے لیکن خرق عادت میں اختیار اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے اور ظہور مخلوق کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ دیکھئے قرآن پاک میں مسیح علیہ السلام کے معجزات مذکور ہیں۔ مسلمان بھی ان معجزات کو برحق مانتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ معجزات عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر

ہوئے مگر یہ سب قدرت خداوندی کا ظہور ہے۔ جب مسلمان ان کو قدرت الٰہی کا ظہور مانتے ہیں تو ان کو ہر ہر معجزہ دلیل توحید نظر آتا ہے۔ لیکن عیسائی ان معجزات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عادت اور ان کے اختیار سے مانتے ہیں تو انہوں نے ایک ایک معجزہ کو دلیل شرک بنالیا۔ اب ان معجزات سے شرک کشید کر لینا اس میں نہ تو اللہ تعالیٰ کا قصور تھا نہ عیسیٰ علیہ السلام کا۔ قصور تو عیسائی ذہنیت کا تھا جس نے توحید کو شرک بنا ڈالا۔ بالکل اسی طرح اہم اہل سنت والجماعت جب کرامات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کو خدا تعالیٰ کے علم وقدرت کا کرشمہ یقین کرتے ہیں اس لیے ہمیں ان کرامات میں توحید ہی توحید نظر آتی ہے اور آپ لوگ جب تبلیغی نصاب کا مطالعہ عیسائی ذہن سے کرتے ہیں تو آپ کو وہ کرامات شرک ہی شرک نظر آتی ہیں۔ تو قصور نہ اللہ تعالیٰ کا ہے کہ اس نے ان بزرگوں کی عزت افزائی کے لیے اپنی قدرت نمائی کیوں کی اور نہ ہی ان بزرگوں کا، قصور تو سارا اس عیسائی ذہنیت کا ہے۔ اگر آپ بھی اس عیسائی ذہنیت سے توبہ کر کے اسلامی ذہن سے مطالعہ کریں تو آپ کو توحید ہی توحید نظر آئے گی۔

یہ ہو ہی نہیں سکتا:

اب وحید صاحب بڑے غصے میں تھے کہ ان واقعات میں تو ایسی ایسی باتی ہیں جو ہو ہی نہیں سکتیں۔ بالکل ناممکن ہیں، میں نے پوچھا کس سے نہیں ہو سکتا خالق سے یا مخلوق سے؟ اگر مخلوق سے نہیں ہو سکتا تو بالکل درست مگر اس کو مخلوق کا فعل قرار دینا ہی تو عیسائی ذہنیت ہے اور اگر کہو کہ خالق سے بھی نہیں ہو سکتا تو یہ اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کا انکار ہے۔ اگر آپ اس کے منکر ہیں اور خالق کی قوت اتنی ہی مانتے ہیں جتنی آپ کی ہے کہ جو آپ سے نہ ہو سکے وہ خدا سے بھی نہیں ہو سکتا تو اپنی توحید کی خیر

منائیے اور توبہ کیجئے۔ اللہ والوں کی کرامات کا انکار نہیں تو یہ اللہ کی قدرت کا انکار ہے۔

جھوٹ ہی جھوٹ:

اس پر وحید صاحب نے کہا لوگ اپنے بزرگوں کے لیے غلط اور جھوٹے واقعات گھڑ لیتے ہیں تو ان کا کیا اعتبار؟ میں نے کہا جھوٹ کہاں نہیں گھڑا گیا۔ لوگوں نے جھوٹے خدا بنائے، جھوٹے نبی بنائے، جھوٹی حدیثیں بنائیں، جعلی کرنسی بنائی تو کیا صرف جھوٹے خداؤں کا ہی انکار کرو گے یا ساتھ ہی سچے کا بھی انکار کرو گے۔ صرف جھوٹے نبیوں کا ہی انکار کرو گے یا سچوں کا بھی انکار کرو گے۔ صرف جھوٹی حدیثوں کا انکار کرو گے یا سچی احادیث کو بھی چھوڑ دو گے۔ صرف جعلی کرنسی سے بچو گے یا اصلی کرنسی بھی گلی میں پھینک دو گے۔ یہاں بھی جھوٹے واقعات کو ماننے کی آپ کو کس نے دعوت دی ہے؟ اور سچے واقعات سے انکار کیوں ہے؟

عقل نہیں مانتی:

وحید صاحب نے کہا ایسے واقعات کو کیسے مان لیا جائے؟ ان میں ایسی باتوں کا ذکر ہے جو انبیاء اور صحابہ کے لیے بھی ظاہر نہیں ہوئیں۔ نبی اور صحابی کا مقام تو ولی سے بہت بلند ہے۔ یہ بالکل ناممکن ہے کہ ایک خرق عادت نبی اور صحابی کے ہاتھ پر تو ظاہر نہ ہو اور کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو جائے۔ میں نے کہا عجیب بات ہے کہ جہاں قیاس جائز ہو وہاں تو آپ اس کو شرک کہتے ہیں اور خرق عادات میں قیاس شروع کر دیا ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کو خواب نظر آتے ہیں یا نہیں؟ اس نے کہا آتے

ہیں۔ میں نے کہا بالکل وہی جو انبیاے کرام اور صحابہ کرام کو آتے یا اور بھی۔ اس نے کہا یہاں انبیاء اور صحابہ کا کیا ذکر؟ اللہ تعالیٰ جس کو جو خواب چاہیں دکھا دیں۔ میں نے کہا بعض اوقات ایک چھوٹے بچے کو خواب نظر آتا ہے اور صبح بتاتا ہے کہ آج خواب میں، میں نے دیکھا کہ نانا ابو آئے ہیں اور وہ واقعتاً آ بھی جاتے ہیں اور خواب سچا ہو جاتا ہے۔ مگر اس خواب کا کوئی یہ کہہ کر انکار نہیں کرتا کہ گھر کے بڑوں کو یہ خواب نہیں آیا تو ہم کیسے مان لیں کہ بچے کو خواب آ گیا؟ دیکھو حضرت بی بی مریم ولیہ ہیں۔ ان کو بے موسم پھل مل رہے ہیں مگر حضرت زکریا علیہ السلام جو نبی ہیں ان کو نہیں مل رہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خاوند کے ہوتے ہوئے لڑکی بھی نہیں دی اور بی بی مریم کو بغیر خاوند کے لڑکا عطا فرما دیا، حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہاتھ مبارک روزانہ منہ پر پھرتے ہیں مگر بینائی واپس نہیں آئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی صرف قمیص لگنے سے بینائی واپس آ گئی۔ جو ہوا سلیمان علیہ السلام کا تخت اٹھائے پھرتی تھی اس ہوا کو حکم نہیں ملا کہ سفر ہجرت میں آپ ﷺ کو ایک لمحہ میں مدینہ پہنچا دے۔ حضرت سلیمان نبی ہیں لیکن تخت بلقیس کا آنا ان کے صحابی کی کرامت ہے۔ تو بھائی یہ اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔ وہ چاہیں تو ہزاروں میل دور بیت المقدس کا کشف ہو جائے۔ جنت دوزخ کا کشف ہو جائے اور نہ چاہیں تو چند میل سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی غلط خبر آئے اور آپ بیعت لینا شروع فرما دیں۔ وہ نہ چاہے تو کنعان کے کنوئیں میں یوسف علیہ السلام کا یعقوب علیہ السلام کو پتہ نہ چلے اور جب چاہیں تو مصر سے یوسف علیہ السلام کے کرتے کی خوشبو کنعان میں سونگھا دیں۔ میں نے کہا آپ جو ساری دنیا کو مشرک کہہ رہے ہیں اس پر نظر ثانی کریں اور توبہ کریں۔

نماز:

اب اس نے کہا جو آپ نماز پڑھتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ محض اندھی تقلید ہے۔ کیا یہ نماز قبول ہوگی؟ میں نے کہا آپ ایمان داری سے بتائیں کہ آپ کو تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام تک نماز کے ہر ہر قول اور ہر ہر فعل کی دلیل تفصیلی یاد ہے؟ اگر ہے تو ذرا سنا دیں۔ اس نے کہا دو تین مسائل کے علاوہ مجھے کسی مسئلے کی دلیل یاد نہیں۔ میں نے کہا تو آپ کے اقرار سے آپ کی نماز ستانوے فیصد تقلید ہے وہ کیسے قبول ہوگی؟ اب وہ پریشان سا ہوا۔ کہنے لگا وہ کہتے ہیں کہ ہم صرف قرآن وحدیث کو مانتے ہیں اور حنفیوں سے حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور لاکھوں روپے انعام رکھتے ہیں مگر کوئی حنفی جواب نہیں دیتا۔ میں نے کہا میں بھی دو حدیثیں آپ سے پوچھتا ہوں۔ آپ ہی میرا مطالبہ پورا فرما دیں اور کروڑ روپیہ فی حدیث انعام لے لیں۔

(الف)……ایک حدیث ایسی لائین کہ امام کے پیچھے مقتدی کو ۱۱۳ سورتیں پڑھنی حرام ہیں، صرف ایک سورۃ فاتحہ پڑھنی فرض ہے۔ اس کے پڑھے بغیر مقتدی کی نماز نہیں ہوتی اور اس حدیث کو اللہ یا رسول اللہ ﷺ نے صحیح فرمایا ہو۔ کیونکہ اللہ و رسول کے سوا کسی کی بات حجت نہیں۔

(ب)……چار رکعات نماز میں آٹھ سجدے ہوتے ہیں۔ آپ نہ سجدوں میں جاتے وقت رفع یدین کرتے ہیں اور نہ اٹھتے وقت۔ گویا سولہ جگہ رفع یدین نہیں کرتے اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین نہیں کرتے تو کل اٹھارہ جگہ رفع یدین نہیں کرتے اور چار رکعات میں چار رکوع ہوتے ہیں۔ آپ رکوع جاتے اور اور اٹھتے وقت رفع یدین کرتے ہیں۔ یہ آٹھ رفع یدین ہوئی۔ اور پہلی اور تیسری رکعت

کے شروع میں رفع یدین کرتے ہیں تو کل دس جگہ رفع یدین ہوئی۔ آپ ایک اور صرف ایک ایسی حدیث پیش فرمائیں کہ آنحضرت ﷺ اٹھارہ جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اور دس جگہ کرتے تھے اور یہ آپ کا ہمیشہ کا عمل تھا، جو اس طرح نماز نہ پڑھے، اس کی نماز نہیں ہوتی اور اس حدیث کو اللہ یا رسول اللہ ﷺ نے صحیح فرمایا ہو۔ ہم آپ کو انعام بھی دیں گے اور اہل حدیث بھی ہو جائیں گے۔ صرف ایک غیر جانبدار عربی پروفیسر یہ تصدیق کردے کہ واقعی دونوں حدیثوں میں مطلوبہ پانچ پانچ باتیں پائی گئی ہیں۔ وحید صاحب نے کہا کہ مجھے تو ایسی حدیثیں معلوم نہیں۔ میں اپنے علماء سے ان کا مطالبہ کروں گا۔ اگر میں لے آیا تو آپ کو اہل حدیث ہونا پڑے گا اور اگر نہ لا سکا تو میں اہل سنت والجماعت حنفی بن جاؤں گا۔ میں نے کہا بالکل درست، وہ چلا گیا۔

دوسری مجلس:

تین دن بعد وحید صاحب آئے اور کہا کہ میں نے تین دن آرام نہیں کیا۔ ایک ایک مولوی صاحب کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ صرف دو مطلوبہ حدیثیں لکھ دو۔ لیکن کسی نے حامی نہیں بھری بلکہ ناراض ہوئے کہ ایسے سوالات ہمارے پاس آئندہ نہ لانا۔ یہ سوالات محض شرارت کے لیے ہیں۔ وحید صاحب کہتے ہیں میں نے ان سے کہا کہ اگر ایسے سوالات آپ کریں تو اس کو آپ عمل بالحدیث کہتے ہیں اور وہ لوگ آپ سے حدیث پوچھ لیں تو اس کو آپ شرارت کہتے ہیں! وحید صاحب نے کہا کہ وعدہ کے مطابق تو مجھے اب اہل سنت والجماعت بن جانا چاہیے مگر میرے ابھی اور بھی اشکالات ہیں۔

سور فاتحہ فرض ہے:

وحید صاحب نے کہا کہ سورۃ فاتحہ فرض ہے اور مقتدی اگر سورۃ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز بالکل نہیں ہوتی۔ میں نے کہا دو آیتیں یا حدیثیں مجھے لکھوا دیں میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں گا۔ ایک تو یہ کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ فرض ہے اور دوسری حدیث یہ لکھوائیں کہ نماز میں کل فرائض کتنے ہیں؟ آپ کے تمام علماء مل کر یہ دو حدیثیں نہیں دکھا سکتے۔ وحید صاحب! اہل سنت والجماعت کا دین کامل ہے، ان کی فقہ میں فرائض کی پوری تفصیل ہے۔ غیر مقلدین کا دین ناقص ہے۔ یہ بے چارے کسی حدیث سے مکمل فرائض نہیں دکھا سکتے۔ اس نے کہا یہ کیا بات ہوئی؟ اگر وہ نہ دکھا سکیں تو میں وہ ناقص دین چھوڑ دوں گا۔ میں نے کہا اب تک آپ جو نماز پڑھتے رہے ہیں آپ کو فرائض تک معلوم نہیں چہ جائیکہ دلائل، تو آپ یہ نماز کن کی اندھی تقلید میں پڑھ رہے ہیں؟ تقلید تو آپ کے ہاں شرک ہے تو نماز پڑھ کر آپ نمازی بنتے ہیں یا مشرک؟

رفع یدین سنت ہے:

اس نے کہا اٹھارہ جگہ رفع یدین نہ کرنا سنت ہے اور دس جگہ ہمیشہ رفع یدین کرنا سنت ہے اور حنفیوں کی نماز بالکل خلاف سنت ہے۔ میں نے کہا میں چاہتا ہوں کہ میں کامل اہل حدیث بنوں نہ کہ آپ کی طرح ناقص۔ اس لیے یہاں بھی آپ دو احادیث مجھے دکھائیں۔ ایک وہ حدیث جس میں صراحت ہو کہ اٹھارہ جگہ ترک رفع یدین سنت ہے اور دس جگہ رفع یدین کرنا سنت ہے اور دوسری وہ حدیث دکھائیں کہ چار رکعت نماز میں کل کتنے اقوال اور افعال سنت ہیں تا کہ پتہ چلے کہ آپ کا دین کامل ہے یا ناقص؟ اس نے کہا کہ مجھے تو ایسی حدیث یاد نہیں۔ میں نے کہا بڑی حیرت ہے کہ

ساری دنیا کے مسلمانوں کو آپ مشرک اور بے نماز کہتے نہیں تھکتے اور اپنی نماز سے اتنے غافل ہیں کہ نماز کے فرائض کی حدیث یاد ہے نہ نماز کی سنتوں کی حدیث یاد ہے۔ قیامت کو حساب پوری نماز کا ہوگا یا صرف ایک فرض اور ایک سنت کا؟ آپ اپنے پر رحم کریں اور دوسروں کو بے نماز کہنے کی بجائے اپنی مکمل نماز حدیث سے ثابت کریں۔

نماز نہیں ہوتی:

وحید صاحب نے کہا کہ پوری امت کا اتفاق ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ میں نے کہا آپ پوری امت شاید کسی غیر ذمہ دار غیر مقلد کو سمجھتے ہیں۔ وحید صاحب! آپ کو شاید معلوم نہیں کہ آپ کے علماء نے اس مسئلہ میں ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ سنیے! امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی سے نہیں سنا جو یہ کہتا ہو کہ جب امام جہر سے قرأت کرتا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے قرأت نہ کرے تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔ فرمایا کہ یہ آنحضرت ﷺ ہیں اور یہ آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ ہیں اور یہ امام مالک ہیں اہل حجاز میں، یہ امام ثوریؒ ہیں اہل عراق میں اور یہ امام اوزاعیؒ ہیں اہل شام میں اور یہ امام لیثؒ ہیں اہل مصر میں، ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ جب کوئی شخص نماز پڑھے اور اس کا امام قرأت کرے اور مقتدی قرأت نہ کرے تو اس کی نماز باطل ہے۔

(مغنی ابن قدامہ ج ۱ ص ۶۰۲)

وحید صاحب! معلوم ہو گیا کہ پورے خیر القرون میں ایک مسلمان بھی بے نماز کہنے میں آپ کا ہمنوا نہیں ہے۔

مزید پڑھیے ''امام بخاریؒ سے لے کر دور قریب کے محققین علمائے اہل حدیث تک کسی کی تصنیف میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے، وہ بے نماز ہے وغیرہ۔ اس لیے اگر آج بعض حضرات نے جو قدم اٹھایا ہے اسے پیش قدمی نہیں کہا جا سکتا پھر جماعت کے نامور اور ذمہ دار حضرات میں بھی ان کا شمار نہیں ہوتا'' (توضیح الکلام ج ۱ ص ۴۳)

مزید سنیے ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں: ''فاتحہ نہ پڑھنے والے پر تکفیر کا فتویٰ یا اس کے بے نماز ہونے کا فتویٰ امام شافعی رحمہ اللہ سے لے کر مؤلف خیر الکلام تک کسی ذمہ دار محقق نے نہیں دیا۔'' (توضیح الکلام ج ۱ ص ۹۹) نیز لکھتے ہیں ''امام بخاری رحمہ اللہ سے لے کر تمام محققین علمائے اہل حدیث میں سے کسی نے یہ نہیں کہا جو فاتحہ نہ پڑھے وہ بے نماز ہے، کافر ہے۔'' (توضیح الکلام ج ۱ ص ۷۱۵) نیز تحریر کرتے ہیں ''ہمارا تو مسلک ہے کہ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ فروعی اختلافی ہونے کی بنا پر اجتہادی ہے پس جو شخص حتی الامکان تحقیق کرے اور یہ سمجھے کہ فاتحہ فرض نہیں خواہ نماز جہری ہو یا سری اپنی تحقیق پر عمل کر لے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی۔''

(خیر الکلام از حافظ محمد گوندلوی ص ۳۳، توضیح الکلام از ارشاد الحق اثری ج ۱، ص ۴۵)

اب وحید صاحب بار بار ان اردو عبارت کو پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اہل حدیث مذہب بھی عجیب ہے۔ تقریروں میں رات دن ہمیں کہتے ہیں کہ یہ سب حنفی بے نماز ہیں مگر تحریروں میں ایسے سب لوگوں کو غیر محقق اور غیر ذمہ دار قرار دے رہے ہیں۔ اس سے تو یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ ان لوگوں کا کوئی ٹھوس مسلک نہیں محض اہل سنت والجماعت سے ضد ہے۔ اپنے گھر بیٹھ کر خوب ضد کو ظاہر کیا۔ ان کو بے نماز اور مشرک تک کہا۔ جہاں اہل سنت سے آمنا سامنا ہوا تو ہتھیار ڈال دیے اور اپنے سارے

فرقے کو غیر محقق اور غیر ذمہ دار قرار دے دیا۔ گویا یہ فرقہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا رہتا ہے۔

خدا جھوٹ سے بچائے:

وحید صاحب نے کہا لیکن ضد اور جھوٹ تو حنفیوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ دیکھو پہلے حنفی ضد نہیں کرتے تھے لیکن آج کل کے حنفی تو نہ قرآن حدیث کو مانتے ہیں اور نہ فقہ حنفی کو دیکھئے ہدایہ میں لکھا ہے کہ پگڑی پر مسح جائز ہے (ج ا،ص ۱۰) اذان میں ترجیع ثابت ہے (ج ا،ص ۲۹۲) حضرت مرزا مظہر جان جاناں ہمیشہ سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے (ج ا،ص ۳۹۱) ایک وتر پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے (ہدایہ ج ا،ص ۵۲۹) ابن ہمام نے کہا کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کی حدیث صحیح ہے (ج ا،ص ۵۳۰) لیکن آج کل کے حنفی محض اہل حدیث کی ضد میں ان ہدایہ کے مسائل پر عمل نہیں کرتے۔ میں نے کہا کہ آپ نے جو ہدایہ کے حوالوں میں باقاعدہ جلد اور صفحہ بھی بتایا ہے مگر یہ سب حوالے بالکل جھوٹے ہیں۔ ہدایہ میں تو ان کے خلاف لکھا ہے۔

(۱)...... **لا يجوز المسح على العمامة** (ج ا،ص ۴۰) پگڑی پر مسح جائز نہیں۔

(۲)...... **يستحب الا سفار بالفجر لقوله عليه السلام اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر** ...... مستحب ہے کہ نماز روشنی میں پڑھی جائے اس لیے کہ رسول اقدس ﷺ نے فرمایا خوب روشن کر کے نماز پڑھو اس میں زیادہ اجر ہے۔

(۳)...... **لا ترجيع في المشاهير** ...... احادیث مشہورہ میں ترجیع نہیں ہے۔ (ج ا،ص ۲۱۰)

(۴) صاحب ہدایہ کا وصال ۵۹۰ھ میں ہوا جبکہ مرزا مظہر جان جاناں ۱۱۱۱ھ میں فوت ہوئے تو چھ سو سال پہلے کی کتاب میں ان کا سینے پر ہاتھ باندھنا کیسے لکھا گیا؟ آپ تو کرامات کو بھی شرک مانتے ہیں۔

(۵) ہدایہ میں تو ہے...... **حكى الحسن اجماع المسلمين على الثلاث** ...... امام بصریؒ نے سب مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ وتر تین ہیں۔

(۶) شیخ ابن ہمام نے ۸۶۱ھ میں وصال فرمایا جبکہ صاحب ہدایہ ۵۹۰ھ میں وصال فرما چکے تھے تو اپنی پیدائش سے تین سو سال قبل ہی ہدایہ میں رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کا مسئلہ کیسے لکھ گئے؟ آخر آپ لوگ عقل کے پیچھے کیوں لٹھ لیے پھرتے ہیں؟

وحید صاحب نے کہا کہ یہ حوالے ہمارے مولوی محمد یوسف جے پوری نے حقیقت الفقہ میں لکھے ہیں۔ اگر یہ میں اصل عربی ہدایہ سے نہ دکھا سکا تو اہل حدیث کے مذہب کے جھوٹے ہونے میں مجھے ذرہ بھر بھی شک نہیں رہے گا۔ میں نے کہا جیسے پہلے آپ کی خواہش کے مطابق ہم نے دو احادیث مانگیں وہ آپ نہ لا سکے۔ نماز کے مکمل فرائض اور مکمل سنتیں حدیث سے نہ دکھا سکے۔ اب فقہ پر ایک ہی سانس میں چھ جھوٹ بول دیے۔ یہ بھی آپ ہرگز نہ دکھا سکیں گے۔ دیکھئے ضد اور جھوٹ حنفیوں کی عادت ہے یا آپ کا اوڑھنا بچھونا ہے۔

ضد ہی ضد:

میں نے کہا اس ملک میں اہل سنت والجماعت حنفی ہی اسلام لائے۔ قرآن لائے، سنت لائے، فقہ لائے اور لاکھوں کافروں کو مسلمان کیا۔ لیکن جب یہ فرقہ پیدا ہوا تو اس نے ضد کو ہی اپنا روزمرہ کا مشغلہ بنا لیا۔ چند مسائل بطور نمونہ دیکھیں:

(۱)...... حنفی کہتے تھے کہ منی ناپاک ہے، انہوں نے ضد میں کہہ دیا منی بالکل پاک ہے.

(عرف الجادی ص۱۰، کنز الحقائق ص۱۲، نزل الابرار ج۱ ص۴۹، بدور الاہلہ ص۱۵)

(۲)...... حنفی کہتے تھے کہ تھوڑے پانی مثلاً ایک لوٹے میں تھوڑی سی نجاست بھی گر جائے اگر چہ اس پانی کا رنگ یا بو یا مزانہ بدلے تو بھی ناپاک ہے۔ مگر حکیم صادق سیالکوٹی نے صاف کہا کہ جب تک نجاست کی وجہ سے تینوں وصف رنگ، بو، مزہ نہ بدلیں، اس وقت تک پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ (صلوۃ الرسول ص۵۳)

(۳)...... حنفی کہتے تھے کہ خمر (شراب) نجس العین ہے مثل پیشاب کے۔ مگر ضد کا خدا برا کرے وحید الزمان نے صاف لکھ دیا کہ پاک ہے۔ (نزل الابرار ج۱ ص۴۹)

(۴،۵،۶)...... حنفی مردار، خنزیر اور خون کو ناپاک کہتے تھے۔ انہوں نے محض ضد میں ان کو پاک کہہ دیا۔ (بدور الاہلہ، عرف الجادی ص۱۰)

معلوم ہوا ان کے ہاں منی، خنزیر، مردار، خون سے پورا جسم اور کپڑے لت پت ہوں تو بھی ان کا جسم اور کپڑے پاک ہیں۔ وحید صاحب! کیا ہی خوب ہو کہ ایک دن یہ پورا نقشہ بنا کر آپ نماز پڑھیں، چلو زندگی کی ایک ہی نماز عمل بالحدیث پر ادا ہو جائے، کیا خیال ہے؟

(۷)...... حنفی کہتے تھے کہ استنجا کرتے وقت نہ قبلہ کی طرف منہ کرے نہ پشت، لیکن انہوں نے ضد میں کہہ دیا...... **ولا یکرہ الاستقبال والا ستدبار للا ستنجاء**...... (نزل الابرار ج۱ ص۵۳)

یعنی استنجاء کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا یا پشت کرنا مکروہ نہیں۔

(۸)...... احناف کہتے ہیں کہ بے وضو آدمی کو قرآن کو ہاتھ نہ لگانا چاہیے مگر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ محدث را مس مصحف جائز باشد (عرف الجادی ص۱۵) یعنی بے وضو شخص

کو قرآن چھونا جائز ہے، ضد کا تو یہ حال ہے، حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی لکھتے ہیں......

''ایک اور عجوبہ سماعت فرمائیں۔ آبادی کے اندر بول و براز کی حالت میں قبلہ کی طرف رخ کرنے کا جواز مختلف فیہ ہے۔ اس لیے احتیاط بہر حال اس میں ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے، مگر اہل حدیث کے ہاں تو دوسرے مذاہب کی مخالفت ہی سب سے بڑا اجہاد ہے۔ چنانچہ کراچی میں انہوں نے اپنی مسجد میں استنجا خانے گرا کر از سرنو قبلہ رخ تعمیر کرائے ہیں۔ وجہ پوچھنے پر ارشاد ہوا کہ یہ سنت چودہ سو سال سے مردہ تھی، ہم نے اس کو زندہ کیا ہے'' (احسن الفتاوی ج۳، ص۱۰۹)

حدیث کے خلاف:

وحید صاحب کہنے لگے کہ اہل حدیثوں نے حنفیوں سے ضد کی ہے تو حنفی حدیث رسول سے ضد کرتے ہیں۔ دیکھو رسول اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس برتن کو سات دفعہ دھو دو لیکن ''بہشتی زیور'' میں ہے کہ سات دفعہ نہیں تین دفعہ دھو دو۔ دیکھو مکے والا دین کوفہ میں آ کر کس طرح بدلا گیا، اس ضد کا کوئی ٹھکانہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کچھ کہیں، امام کچھ؟ میں نے کہا وحید صاحب حضرت عطاء مکہ کے مفتی تھے جنہوں نے دوسو صحابہ کی زیارت کی۔ وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اسے چاہیے کہ پانی بہا دے اور برتن کو تین مرتبہ دھو لے'' (الکامل لابن عدی)

حضرت عطاء رحمہ اللہ خود ابو ہریرہؓ سے بھی یہی فتویٰ نقل فرماتے ہیں کہ میں نے اس بارے میں غلط بیانی فرمائی ہے کہ اس میں سات دفعہ دھونے سے منع کیا گیا

ہے۔ حضرت نے بہت احتیاط فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں ”کتے کا جھوٹا نجس ہے۔ اگر کسی برتن میں منہ ڈال دے تو تین مرتبہ دھونے سے سب پاک ہو جاتا ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ سات مرتبہ دھوئے اور ایک مرتبہ مٹی لگا کر مانجھ بھی ڈالے کہ خوب صاف ہو جاوے“ (بہشتی زیور حصہ اول، جانوروں کے جھوٹے کا بیان، مسئلہ ۲)

وحید صاحب! فرمایئے کہ یہ کس حدیث کے خلاف ہے؟ اب ذرا نواب صدیق حسن خان کی بھی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں ”کتے کے منہ ڈالنے والی حدیث پورے کتے، اس کے خون، بال اور پسینے کے ناپاک ہونے پر دلالت نہیں کرتی“ (بدور الاہلہ ص ۱۶)

اور نواب وحید الزمان فرماتے ہیں ”لوگوں نے کتے، خنزیر اور ان کے جھوٹے کے متعلق اختلاف کیا ہے، زیادہ راجح یہ ہے کہ ان کا جھوٹا پاک ہے۔ ایسے ہی لوگوں نے کتے کے پیشاب، پاخانہ کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ حق بات یہ ہے کہ ان کے ناپاک ہونے پر کوئی دلیل نہیں (نزل الابرار ج ۱، ص ۵۰)

وحید صاحب! آپ نے دیکھا کہ کتے سے کتنا پیار ہے؟ اس کا خون بھی پاک، پیشاب، پاخانہ بھی پاک، لعاب اور جھوٹا بھی پاک۔

ایک تضاد :

وحید صاحب نے کہا کہ حکایات صحابہ میں شیخ الحدیث صاحب نے یہ متضاد بات لکھ دی ہے، ص ۳۷ پر لکھتے ہیں کہ حضرت حنظلہؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم بیوی بچوں میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ حالت باقی نہیں رہتی جو حضور اقدس ﷺ کی پاک صحبت میں ہوتی ہے، اس لیے مجھے نفاق کا ڈر ہے اور ص ۷۹ پر لکھتے ہیں کہ حضرت حنظلہؓ کی نئی شادی ہوئی تھی، وہ بلا غسل میدان جہاد تشریف لے گئے اور شہید ہو گئے تو ملائکہ نے انہیں غسل دیا، تو ان کے بچے تھے کہاں جن میں مشغولیت سے انہیں نفاق کا خوف ہوتا؟ ایسی متضاد باتوں کی وجہ

سے ہی پڑھے لکھے لوگ اس کتاب سے متنفر ہوتے جا رہے ہیں، میں نے کہا الحمدللہ پڑھی لکھی دنیا اس کتاب کی برکات سے دین کی دل دادہ بن رہی ہے، ہاں ان پڑھ اور ضد کا علاج کسی کے پاس نہیں۔ جس واقعہ میں حضرت حنظلہؓ نے نفاق کا ڈر ظاہر کیا، وہ حضرت حنظلہؓ بن الربیع کاتب رسول ہیں اور جن حضرت حنظلہؓ کو فرشتوں نے غسل دیا، وہ حضرت حنظلہؓ بن مالکؓ ہیں۔ یہ تفصیل بحوالہ مرقاۃ حاشیہ مشکوۃ ص ۱۹۷، ج ۶ پر ہے۔ جب وحید صاحب کو یہ دکھایا گیا تو وہ بہت پریشان ہوئے اور توبہ توبہ کرنے لگے، کہ ہم تو اس اعتراض کو بہت اچھالتے تھے اور کتنے لوگوں کو ہم نے پریشان کیا۔ یہ تو اب پتہ چلا کہ یہ ہماری اپنی کم علمی تھی، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔

خون پینا:

وحید صاحب نے کہا کہ خون کا حرام ہونا قرآن پاک کی قطعی نص سے ثابت ہے، لیکن حضرت شیخ الحدیث صاحب نے دو صحابہ کرامؓ کے خون پینے کا واقعہ ذکر کیا، اور حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی علم ہوا اور آپ ﷺ نے ان پر کوئی ناراضگی نہ فرمائی بلکہ فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون ملا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔ کیا اللہ کے نبی قرآن کی مخالفت کر سکتے ہیں؟ میں نے کہا کہ ان دو میں ایک واقعہ تو حضرت ابو سعید خدریؓ کے والد محترم حضرت مالک بن سنانؓ کا ہے۔ اس کا ذکر حافظ ابن حجرؒ نے (الاصابہ ج ۳، ص ۳۴۶) اور ابن عبد البر نے (الاستیعاب ج ۳ ص ۳۷۰) پر کیا ہے تو کیا آپ ان دونوں حفاظ کو بھی حضرت شیخ الحدیث کے ساتھ اعتراض میں شامل کریں گے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ حضرت مالک بن سنانؓ احد میں ہی شہید ہو گئے۔ (الاستیعاب ۳۔ ۳۷۰) دیکھئے! احد میں شہید ہونے والوں میں بعض وہ بھی تھے جنہوں نے شراب پی تھی کیونکہ ابھی شراب کی حرمت کا اعلان نہیں ہوا تھا تو کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ احد سے پہلے خون یعنی دم مسفوح کی حرمت نازل ہو چکی تھی؟ امام قرطبی اپنی

تفسیر (ج ۲، ص ۲۱۶) پر فرماتے ہیں کہ دم مسفوح والی آیت حجۃ الوداع کے دن عرفہ میں نازل ہوئی، تو جب تک آپ کسی دلیل قطعی سے یہ ثابت نہ کریں کہ احد سے پہلے یہ حرمت نازل ہو چکی تھی، آپ کا اعتراض ہی باطل ہے، ہاں نبی اقدس ﷺ اور صحابہ کرام کے ساتھ حسن ظن رکھنا واجبات میں سے ہے اس لیے کسی صحابی کا شراب پینے اور اس پر حضور اقدس ﷺ کے نہ ڈانٹنے سے یقیناً یہی سمجھا جائے گا کہ یہ حرمت سے قبل کا واقعہ ہے، اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضور ﷺ کے وصال کے وقت نو سال کے تھے۔ ان کا واقعہ بھی حافظ ابن حجرؒ نے (الاصابہ ج۲ ص۳۱۰ پر) نقل کیا ہے تو کیا اس اعتراض میں حافظ ابن حجرؒ کو بھی شریک کیا جائے گا یا نہیں؟ انہوں نے بچپن میں یہ حرکت کی تو اگر حرمت سے پہلے کی بات ہے تو اعتراض ہی نہیں اور بعد میں کی تو اس جملہ میں ڈانٹ موجود ہے ''جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو آگ نہیں چھو سکتی، مگر تیرے لیے بھی لوگوں سے ہلاکت ہے اور لوگوں کو تجھ سے۔'' وحید صاحب! اس قسم کے اعتراض کسی علمی بنیاد پر نہیں محض ضد پر مبنی ہیں۔ دیکھوں حنفی کہتے ہیں کہ امام ناپاک ہو، غسل کیے بغیر نماز پڑھادے یا بغیر وضو کے نماز پڑھادے تو مقتدیوں کی نماز نہیں ہوتی، لیکن علامہ وحید الزمان ضد میں آکر یہ لکھ گئے کہ امام جنابت یا بے وضو ہونے کی حالت میں نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ اہل سنت کہتے ہیں کافر کے پیچھے مسلمان کی نماز نہیں ہوتی مگر وحید الزمان صاحب کہتے ہیں، ہو جاتی ہے۔ (نزل الابرار ج۱ ص۱۰۱)

فضلات:

وحید صاحب نے کہا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے تو تحریر کیا ہے کہ حضور ﷺ کے فضلات پیشاب، پاخانہ وغیرہ سب پاک ہیں۔ میں نے کہا فضلہ کا معنی بچا ہوا پھوک ہے۔ معدہ کھانے کو پکاتا ہے، اس میں سے اصل قوت جگر کھینچ لیتا ہے اور پھوک پاخانہ

بن کر نکل جاتا ہے۔ یہ معدے کا فضلہ ہے پھر جگر خون تیار کر کے دل کو دیتا ہے اور جو پھوک رہ جاتا ہے وہ پیشاب بن کر خارج ہو جاتا ہے۔ یہ جگر کا فضلہ ہے پھر وہ خون ایک ایک رگ کو سٹیم مہیا کرتا ہے۔ اس خون سے جو فضلہ بچتا ہے وہ مسامات میں پسینے کی شکل میں خارج ہوتا ہے، پھر جو خون جزو بدن اور گوشت بن گیا اس کا پھوک میل کچیل کی شکل میں مسامات کے ذریعہ نکلتا ہے۔ لیکن یہ تو صراحتاً ثابت ہے کہ عوام کے میل کچیل پر مکھی بیٹھتی ہے مگر آنحضرت ﷺ کے جسد اطہر پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی، اور یہ بھی متفق علیہ حقیقت ہے کہ عوام کا پسینہ بدبودار ہوتا ہے مگر آنحضرت ﷺ کا پسینہ مبارک دنیا کی اعلیٰ ترین خوشبوؤں کو شرماتا تھا۔ آپ ﷺ کی نیند مبارک کو بھی نیند ہی کہا جاتا تھا مگر وہ نیند ہماری ہزار بیداریوں سے اعلیٰ و ارفع تھی۔ آپ ﷺ کا خواب بھی وحی ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کی نیند مبارک سے وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔ تو جیسے آپؐ کا پسینہ مبارک پسینہ ہی کہلاتا ہے مگر یہ کس نے کہا کہ آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو عام انسانوں جیسا سمجھا جائے، وہ آپؐ کے لیے پسینہ ہی تھا مگر عشاق کے لیے بہترین خوشبو، بادام روغن نکالنے کے بعد جو بادام کا فضلہ بچتا ہے وہ بادام کا تو فضلہ ہی ہے مگر بنولہ کہے کہ میرے فضلہ جیسا ہے، تو کوئی عقل منداس کو تسلیم نہیں کرے گا۔ آنحضرت ﷺ بے شک انسان تھے، لیکن آپ ﷺ کو جن خصائص سے اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا ان خصائص کا انکار کیوں کیا جائے؟ یاقوت بھی پتھر ہے، حجر اسود بھی ایک پتھر ہے مگر یاقوت اس کا مقابلہ کہاں کر سکتا ہے؟ حجر اسود جنت سے آیا ہوا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام مطہرہ و مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے جنت کے خواص رکھ دیے ہیں اسی لیے ان اجسام مطہرہ کو مٹی پر حرام کر دیا گیا ہے۔ ان اجسام مطہرہ کا پسینہ مثل جنت کے پسینے کے خوشبودار بنا دیا گیا اسی طرح دوسرے فضلات بھی اگر خصوصی طہارت رکھتے ہوں تو اس میں کیا اشکال ہے؟

وحید صاحب میری یہ ساری باتیں ٹیپ کر کے لے گئے۔ دو دن بعد آئے اور کہنے

لگے کہ جس طرح مطلوبہ احادیث وہ لوگ پیش نہیں کر سکے، اسی طرح حقیقت الفقہ والے نے جو غلط حوالہ جات ہدایہ کے دیے ہیں وہ بھی عربی ہدایہ سے نہیں دکھا سکے۔ صلوۃ الرسول کے غلط حوالے بھی صحاح ستہ سے نہیں دکھا سکے۔ نہ ہی صلوۃ الرسول کے فضائل تو کجا احکام میں ضعیف احادیث پیش کرنے کا کوئی جواب ان کے پاس ہے اور مجھے یقین ہو گیا کہ اس فرقہ کا کوئی اصول نہیں۔ اس کی بنیاد صرف اور صرف اہل سنت والجماعت کی ضد پر ہے۔ آپ نے جو مسائل ان کے بتائے وہ ضد کا واضح ثبوت ہی ہیں۔ میں اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں کو چھوڑ کر جن کی صورت اور سیرت سے پیغمبر پاک کی سنتیں نمایاں تھیں، جو خوف خدا کی دولت سے مالا مال تھے، جو حرام حلال کا امتیاز کرتے تھے، جن کا دن رات اس فکر میں گزرتا تھا کہ نبی پاک ﷺ کے طریقے کس طرح دنیا میں جاری ہو جائیں، میں ان چھوڑ کر ان چھوکروں کے پیچھے لگ گیا جن کے پلے میں بجز اکابر اہل اسلام پر بدزبانی کرنے اور ان کے خلاف بدگمانی پھیلانے اور مسلمانوں کا اکابر اہل اسلام سے متنفر کرنے کے کوئی کام نہیں ہے۔ اب میں تہہ دل سے توبہ کرتا ہوں کہ الحمد للہ مسلک حقہ اہل سنت والجماعت حنفی پر ہی قائم رہوں گا اور اس کے خلاف وسوے پھیلنے والوں سے خود بھی خبردار رہوں گا اور دوسروں کو بھی خبردار کروں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے حق پر استقامت نصیب فرمائے اور دین میں وسوسے ڈالنے والوں کے شر سے محفوظ فرمائیں۔

آمین یا اله العالمین

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ
(القرآن)

مطالعۂ غیر مقلّدیت

موضوع

قرأتِ خلفُ الامام

مکتبہ الحق
ماڈرن ڈیری جوگیشوری ممبئی ۱۰۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

ناظرین باتمکین ! موجودہ دور فتنوں کا دور ہے۔ نئے نئے فتنے ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ ایک فتنہ مٹنے نہیں پاتا کہ دوسرا فتنہ سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا ہے، اس پر فتن دور میں لادینیت کے طوفان اُٹھ رہے ہیں۔ زندقہ کے سیلاب اُمڈ رہے ہیں، اسلامی قوانین کا کھلے بندوں مذاق اڑایا جا رہا ہے، الحاد کا عفریت برہنہ ہو کر ناچ رہا ہے۔ کفر کی طاقتیں اسلام کی بنیادوں پر حملہ آور ہیں۔ اسلام کے اساسی عقائد پر کلہاڑا چلایا جا رہا ہے۔ الحاد کی گھنگور اور مہیب گھٹائیں ملک کے آفاق پر چھا رہی ہیں۔

اس پر مستزاد یہ کہ ملک میں بے حیائی، بے شرمی، عیاشی، فحاشی، بدمعاشی، افتراء پردازی، کذب بیانی، بدعہدی، بدمعاملگی، بددیانتی قتل و غارت، لوٹ مار، جفاکاری اور ستم شعاری جیسے مہلک امراض معاشرہ کی بنیادوں کو منہدم کر رہے ہیں اور معاشرہ کی خوبیوں اور اچھائیوں کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔

اس لیے اس پر آشوب دور میں اتحاد کی جتنی ضرورت و اہمیت ہے وہ اصحاب بصیرت اور ارباب دانش و بینش پر بخوبی عیاں ہے۔ عیاں راچہ بیان ان حالات کا تقاضا

تو یہ تھا کہ مسلمانوں کے سب مکاتب فکر اپنے فروعی اختلافات کو مٹا کر اتحاد و اتفاق کے جذبات کے تحت ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر لادینی اور طاغوتی طاقتوں کا تعاقب کر کے اتحاد کے گرز سے ان کا سر پاش پاش کر دیتے اور اتفاق کی قوت سے الحاد کے طوفان کا رخ موڑ دیتے اور دہریت کے سیلابوں پر بند باندھ دیتے مگر افسوس کہ مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا فرقہ جسے غیر مقلدین کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے حالات کی نزاکت اور زمانہ کے تقاضوں کو سمجھنے سے یکسر قاصر ہے۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ ملک میں الحاد پھیلتا جا رہا ہے۔ انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ پاکستان میں شجر اسلام پر خشت باری ہو رہی ہے۔ منکرین حدیث ملک میں دندنا رہے ہیں۔ برائیاں نشوونما پا رہی ہیں۔ مکرو فریب کا بازار گرم ہے، اخلاقی گراوٹ انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ ان کا کام صرف یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی تقریروں اور تحریروں میں ملحدوں، زندیقوں اور منکرین حدیث کی تردید کی بجائے احناف پر خوب برستے ہیں ان کا خاکہ اڑاتے ہیں اور انہیں اپنے سب و ستم کا نشانہ بناتے ہیں۔ فروعی مسائل کو ہوا دینا اور پرامن فضا میں زہر گھولنا ان کا رات دن کا محبوب مشغلہ ہے۔ ان کے مقررین کی شعلہ فشانیاں اور ان کے اہل قلم کی جولانیاں احناف کی مخالفت اور ان کی تحقیر و توہین اور تذلیل و تضحیک کے لیے وقف ہیں۔

کئی مقامات پر اس فرقہ نے بڑا اودھم مچا رکھا بلکہ شور محشر برپا کر رکھا ہے۔ اس مکتب فکر کے سالانہ اجتماعات میں نہایت اشتعال انگیز اور سوقیانہ انداز سے فروعی مسائل کے بیان کیے جاتے ہیں اور کھلم کھلا، علی الاعلان اور برملا کہا جاتا ہے کہ جو لوگ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے ان کی نمازیں بے کار و باطل اور کالعدم ہیں اور یہ

ساری عمر بے نماز ہی رہتے ہیں۔ بیس بیس ہزار روپے کے کھلے اور انعامی چیلنج دیے جاتے ہیں، خوب تعلیاں دی جاتی ہیں اور شیخیاں بگھاری جاتی ہیں اور عوام کو باور کرایا جاتا ہے کہ ان کے پاس کوئی حدیث بھی نہیں۔ ہمارے اسلاف و اکابر نے انہیں کبھی منہ نہیں لگایا ان کو کبھی قابل اعتناء اور لائق التفات نہیں سمجھا کیونکہ ان کے پیش نظر ہمیشہ تعمیری پروگرام رہے ہیں۔

ہم حضور ﷺ کے اسوہ حسنہ اور اپنے اکابر و اسلاف کے طریق کار کے پیش نظر ان کی اشتعال انگیزیوں اور سوقیانہ پروپیگنڈے کو بڑے صبر و سکون اور پروپیگنڈے صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہے۔ لیکن جب ہم نے دیکھا کہ ہماری شرافت کو کمزروی پر محمول کیا جا رہا ہے۔ علاوہ بریں غیر مقلدین کے علماء کی تقاریر اور خطبات سننے والے عوام نے ہم سے بار بار استفسار کیا کہ کیا واقعی احناف احادیث سے تہی دامن ہیں، کیا ان کے پاس امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے بارے میں ایک حدیث بھی نہیں تو بادل نخواستہ اس موضوع پر قلم اُٹھانا اور ان کے بلند بانگ دعاوی اور مکروہ پروپیگنڈہ کی حقیقت کو طشت از بام اور الم نشرح کرنے کے لیے یہ رسالہ ترتیب دیا گیا چونکہ احقر کی یہ پہلی تالیفی کاوش ہے اس لیے اہل حضرات سے درخواست ہے کہ اس کے طرز و استدلال میں کوئی سقم اور خامی محسوس فرمائیں تو اس پر متنبہ فرما کر مشکور ہوں۔

خاکپائے اکابر……

بشیر احمد قادری

مدرس مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیر والی ۱۵ نومبر ۱۹۷۶ء

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قرآن کریم حق تعالیٰ کی آخری کتاب ہے وہ قرآن کریم جس سے گلستان ایمان میں رنگ و بو، بوستان اسلام میں تروتازگی اور رونق ہے۔ جس سے باغ عالم کی بہاروں میں نکھار ہے۔ جس سے چمنستان کائنات میں نور اور روشنی ضیاء اور سنا ہے، جس کے حسن کی تابانیوں، جس کے جمال کی درخشانیوں اور جس کے کمال کی فراوانیوں کے سامنے گزشتہ آسمانی کتب ماند پڑ گئیں، جس نیر تاباں، جس آفتاب درخشاں اور جس سراج منیر کے ضوء فگن ہوتے ہی بزم ہدایت کی روشن شمعیں اور محفل رشد کی فروزاں قندیلیں بجھ گئیں جس نے سابقہ کتب سماویہ اور صحف ربانیہ پر خط تنسیخ کھینچ دیا۔

جو حقائق و دقائق کا خزینہ، علوم و معارف کا دفینہ اور حکم و اسرار کا گنجینہ ہے، جو خاتم الکتب ہے جو خاتم الانبیاء سید الاولین و آخرین امام المرسلین رحمتہ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر نازل کی گئی۔ جس کی تنزیل کے بعد وحی و رسالت کا سلسلہ منقطع ہو گیا، جو کامل ضابطہ حیات ہے، جو مکمل دستور اور مدلل منشور ہے، جو ہمہ گیر مطالب انقلاب انگیز مضامین اور حیرت خیز تعلیمات و ہدایات پر حاوی اور مشتمل ہے۔

اگر اربوں رائٹر کھربوں سال تک رات اور دن بلا انقطاع پے در پے اور مسلسل اس کی صفت و ثنا اور مدح و توصیف سطح قرطاس پر ثبت کرتے رہیں تو پھر بھی

اس کے حسن و جمال کے کھربویں حصہ کی ادنیٰ سے ادنیٰ جھلک بھی پیش کرنے سے یکسر قاصر اور یک قلم عاجز رہیں گے۔

جب اس کے کمال و جلال اور حسن و جمال کا یہ عالم ہے تو بتایئے پھر مجھ جیسا حقیر، فقیر، ناچیز ہیچ مدان، کنج مج زبان، قصیر البنان اور ضعیف البیان انسان کیا کرے اس کی شان بیان......

چونکہ قرآن کریم کلام ربانی اور صحیفہ آسمانی ہے۔ ادلہ اربعہ میں اس کا مقام سب سے اُنچا اور بلند و برتر ہے۔ اصول اربعہ میں قرآن کریم کو اولیت افضلیت اور ارجحیت حاصل ہے اور یہ ہمارے باہمی اختلافات، اندرونی افتراقات اور مناقشات کا ناطق اور دوٹوک فیصلہ دے سکتا ہے، اس لیے مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمام مسلمانوں کے لیے خواہ وہ کسی بھی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں یہ لازم اور واجب ہے کہ جب ان میں کسی مسئلہ کے بارے میں اختلاف رونما ہو، باہمی آویزش اور کشمکش واقع ہو اور ان کا شیرازہ بکھرتا اور اتحاد پارہ پارہ ہوتا نظر آئے تو اِدھر اُدھر تانکنے، جھانکنے اور بھٹکنے کی بجائے سب سے پہلے وہ اس کلام ازلی و ابدی کی طرف رجوع کریں۔ اس تنازعہ فیہ مسئلہ کو قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کریں۔ اس بارے میں قرآن کریم سے ہدایات کے طالب ہوں۔ اگر قرآن کریم میں اس مسئلہ کا حل مل جائے تو اس کے مطابق اپنے اعتقادات و خیالات کو ڈھالنا، اس پر عمل پیرا ہونا، اس کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے لئے راہ عمل متعین کرنا اور اپنے اعمال و کردار کی اساس قرآنی انوار کی ضیا پاشیوں کی ضو میں استوار کرنا مسلمانوں کے لیے ہر فرض سے بڑا فرض ہے کیونکہ قرآن کریم کا فیصلہ خالق کائنات کا فیصلہ ہے۔ اس کے فیصلہ کے بعد کسی

مسلمان کے لیے اس اسے انحراف اعراض، روگردانی، سرتابی اور انکار کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے......

وَمَنِ ابْتَغَی الْھُدٰی فِیْ غَیْرِہٖ اَضَلَّہُ اللّٰہُ وَھُوَ حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْنُ وَھُوَ الذِّکْرُ الْحَکِیْمُ وَھُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ ......وَمَنْ عَمِلَ بِہٖ اُجِرَ وَمَنْ دَعَا اِلَیْہِ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (ترمذی شریف ج۱، مشکوۃ شریف ج۱، ص۱۸۶)

جو شخص (قرآن کو چھوڑ کر) اس کے غیر میں ہدایت کا متلاشی ہو تو وہ گمراہ ہو جائے گا (گمراہی وضلالت کی تاریک وادیوں میں بھٹکتا پھرے گا) یہ قرآن کریم اللہ کی مضبوط رسی ہے۔ یہ ذکر حکیم اور صراط مستقیم ہے جو شخص (اسکی تعلیمات اور اصولوں پر گامزن اور) عمل پیرا ہو وہ اجر دیا جائے گا۔

جس شخص نے اس کی تعلیمات کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جس نے لوگوں کو اس کی ہدایت وتعلیمات کی طرف دعوت دی وہ سیدھی راہ کی ہدایت دیا گیا۔

بہر حال مسلمان کے لیے سعادت اور خوش بختی یہی ہے کہ وہ اپنے معتقدات ونظریات اور افکار وآراء کو قرآن کریم کی تعلیمات وہدایات کے ماتحت کر دے اور اس کے ہر ہر اشارہ پر ہزار جان نچھاور ہونے کے لیے ہر وقت تیار رہے۔

حضرات آیئے! اب ہم اس متنازعہ فیہ مسئلہ (امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا کیا حکم ہے) کو قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کریں۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم سے استفسار کرتے ہیں تو قرآن کریم اس سلسلہ میں ہمیں نہایت واضح اور ناطق فیصلہ دیتا ہے، صاف اور کھلی ہدایت سے نوازتا ہے، قرآن کریم کا ناطق اور دوٹوک فیصلہ ملاحظہ فرمایئے۔

مسئلہ قرأت خلف الامام قرآن کریم کی روشنی میں

حق تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے......

وَاِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا
لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ......(پ۹، سورۃ اعراف)

اور جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور خاموش رہو تا کہ تم پر (حق تعالیٰ کی) رحمتیں نازل ہوں۔

جمہور سلف وخلف کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس آیت کریم میں جو حق تعالیٰ نے مسئلہ قرأت خلف الامام کو واضح واشگاف اور آشکار فرمایا ہے اور اس کے بارے میں صاف اور ناطق حکم صادر فرمایا ہے۔ یعنی امام اور مقتدی دونوں کا کام اور وظیفہ الگ الگ متعین فرمایا ہے کہ قرآن کریم پڑھا جائے (امام قرأت کرے) تو مقتدیوں کا وظیفہ صرف اور صرف یہ ہے کہ نہایت توجہ کے ساتھ قرآن کریم کی طرف کان لگائیں اور خاموش رہیں۔ امام کا کام قرأت کرنا اور مقتدیوں کا وظیفہ خاموشی کے ساتھ توجہ کرنا ہے۔

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر اور تشریح میں صحابہ

کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ارشادات عالیہ اور اقوال مبارکہ پیش کردیں کہ اس مقدس جماعت نے اس آیت کریمہ کا کیا مطلب سمجھا ہے۔

آیت مبارک کی تفسیر صحابہ کرامؓ سے:

ویسے تو سبھی صحابہ کرامؓ آسمان ہدایت کے روشن ستارے بلکہ چندے آفتاب ماہتاب تھے۔ ہر ایک اپنی جگہ مینارہ نور تھا۔ ہر ایک تقویٰ کا پیکر، تدین کا پہاڑ اور علم و فضل کا پتلا تھا۔ لیکن بعض صحابہ کرامؓ دوسرے صحابہ کرامؓ سے علم و فضل، فقہی بصیرت، دانش و بینش اور فہم فراست میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ منجملہ ان کے عبداللہ بن مسعودؓ ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بعض ایسے جزوی فضائل حاصل تھے کہ صحابہ کرامؓ میں کوئی دوسرا ان کا شریک و سہیم نہ تھا۔

قرآن کریم کے معلمین میں یہ صحابہ کرامؓ سے ممتاز اور فائق و برتر تھے۔ معلمین قرآن میں ان کا نمبر سب سے پہلا نمبر ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا......

قال النبی ﷺ اِسْتَقْرَؤُ الْقُرْاٰنَ مِنْ اَرْبِعَةٍ عَبْدِاللّٰہؓ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَ سَالِمٍؓ مَوْلٰی اَبِیْ حُذَیْفَةَ وَاُبَیؓ بْنِ کَعْبٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ ...... (بخاری شریف ج۱، ص۵۳۱۔ ترمذی شریف ج۲، ص۲۲۲)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم (صحابہ کرامؓ) قرآن کریم ان چار حضرات سے سیکھو۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے، سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہ سے، ابی ابن کعبؓ اور معاذ بن جبلؓ سے۔

حافظ الدنیا حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں......

وان البدایة بالرجل فی الذکر علی غیرہ فی امر

یشترک فیه مع غیرہ یدل علی تقدمه فیه......

یعنی جو خوبی چند آدمیوں میں پائی جائے اس سلسلے میں جس کا نام سب سے پہلے لیا جائے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خوبی اس میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہے۔

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ معلمین قرآن کریم میں چونکہ سب سے پہلا نام حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا آتا ہے اس لیے میں ان سے شدید محبت کرنے لگا ہوں۔ اور یہ میرے خاص محبوبوں میں سے ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں حضور ﷺ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارہ میں یوں ارشاد فرماتے ہیں...... **تمسکوا بعهد ابن ام عبد**

(ترمذی شریف ج۲، ص۲۵۳)

حضور نے ارشاد فرمایا کہ ابن مسعودؓ کی ہدایت اور حکم کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا......

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ وَالَّذِیْ لا اِلٰہَ غَیْرُہٗ مَامِنْ کِتَابِ اللّٰہِ سُوْرَةٌ اِلا اَنَا اَعْلَمُ حَیْثُ نَذَلَتْ وَمَا مِنْ آیَةٍ اِلا اَنَا اَعْلم فیما انزلت وَلَوْاَعْلَمُ احد اھُوَ اَعْلَمُ بِکِتَابِ اللّٰہ مِنّیْ تَبْلُغُہٗ الا بل لرکبت الیه ...... (مسلم شریف ج۲، ص۲۹۳)

کہ اس خدا کی قسم جس کے بغیر کوئی دوسرا الٰہ نہیں قرآن کریم کی کوئی صورت اور کوئی آیت ایسی نہیں جس کی شان نزول مجھے معلوم نہ ہو کہ کس موقعہ پر اور کس حالت میں نازل ہوئی۔ اور

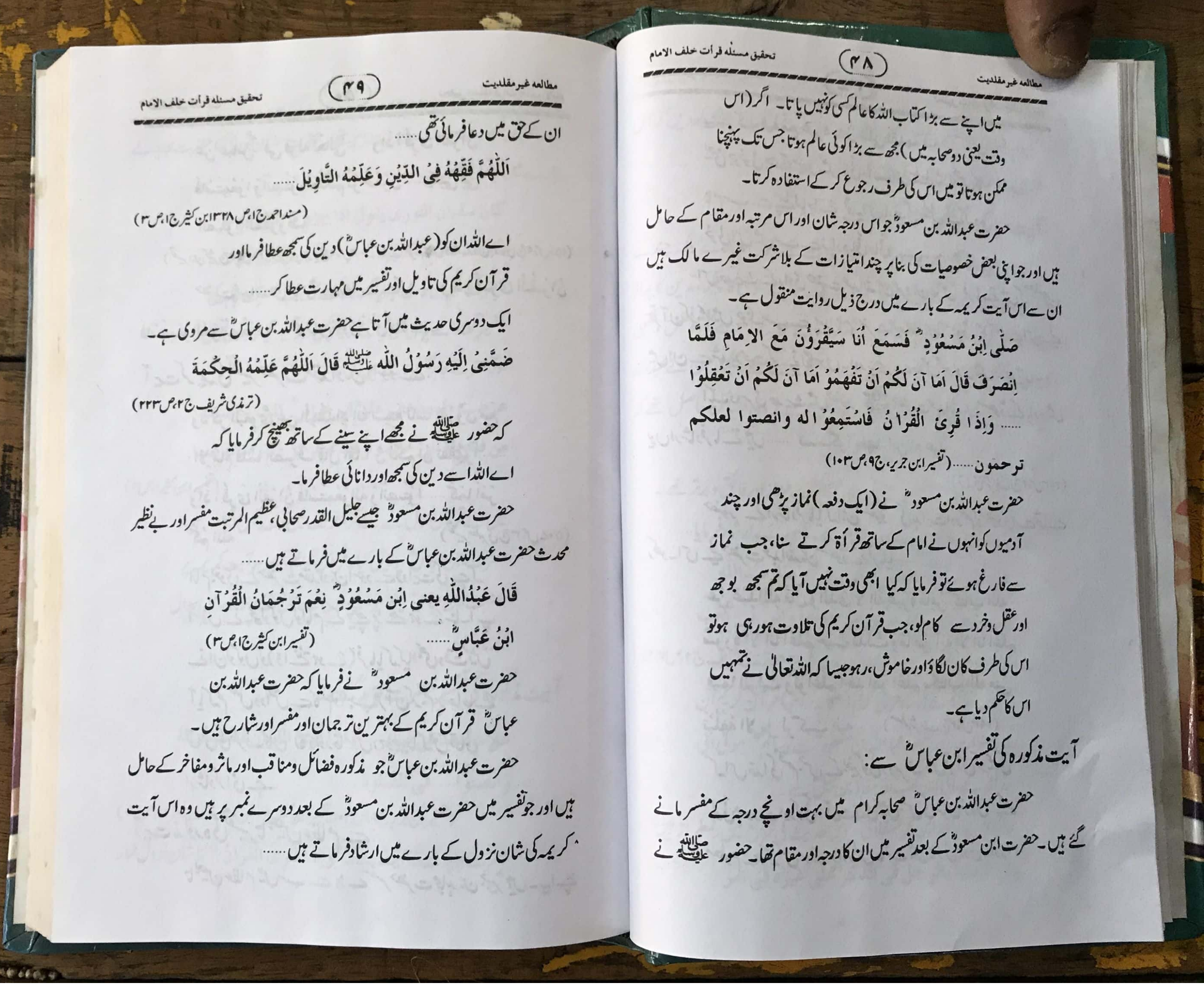

میں اپنے سے بڑا کتاب اللہ کا عالم کسی کو نہیں پاتا۔ اگر (اس وقت یعنی دو صحابہ میں) مجھ سے بڑا کوئی عالم ہوتا جس تک پہنچنا ممکن ہوتا تو میں اس کی طرف رجوع کر کے استفادہ کرتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو اس درجہ شان اور اس مرتبہ اور مقام کے حامل ہیں اور جو اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر چند امتیازات کے بلا شرکت غیرے مالک ہیں ان سے اس آیت کریمہ کے بارے میں درج ذیل روایت منقول ہے۔

صَلّٰی اِبْنُ مَسْعُوْدٍؓ فَسَمِعَ اُنَا سًا یَّقْرَؤُوْنَ مَعَ الاِمَامِ فَلَمَّا اِنْصَرَفَ قَالَ اَمَا آنَ لَکُمْ اَنْ تَفْهَمُوْ اَمَا آنَ لَکُمْ اَنْ تَعْقِلُوْا وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْ الہ وانصتوا لعلکم ترحمون...... (تفسیر ابن جریر، ج۹، ص۱۰۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے (ایک دفعہ) نماز پڑھی اور چند آدمیوں کو انہوں نے امام کے ساتھ قرأۃ کرتے سنا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم سمجھ بوجھ اور عقل وخرد سے کام لو، جب قرآن کریم کی تلاوت ہو رہی ہو تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے۔

آیت مذکورہ کی تفسیر ابن عباسؓ سے:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ صحابہ کرام میں بہت اونچے درجہ کے مفسر مانے گئے ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ کے بعد تفسیر میں ان کا درجہ اور مقام تھا۔ حضور ﷺ نے

ان کے حق میں دعا فرمائی تھی......

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِیْلَ......

(مسند احمد ج۱، ص۳۲۸ ابن کثیر ج۱، ص۳)

اے اللہ ان کو (عبداللہ بن عباسؓ) دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن کریم کی تاویل اور تفسیر میں مہارت عطا کر......

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے۔

ضَمَّنِیْ اِلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِکْمَةَ

(ترمذی شریف ج۲، ص۲۲۳)

کہ حضور ﷺ نے مجھے اپنے سینے کے ساتھ بھینچ کر فرمایا کہ اے اللہ اسے دین کی سمجھ اور دانائی عطا فرما۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی، عظیم المرتبت مفسر اور بے نظیر محدث حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بارے میں فرماتے ہیں......

قَالَ عَبْدُاللّٰهِ یعنی اِبْنُ مَسْعُوْدٍؓ نِعْمَ تَرْجُمَانُ الْقُرْآنِ اِبْنُ عَبَّاسٍؓ...... (تفسیر ابن کثیر ج۱، ص۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ قرآن کریم کے بہترین ترجمان اور مفسر اور شارح ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو مذکورہ فضائل ومناقب اور ماثر ومفاخر کے حامل ہیں اور جو تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بعد دوسرے نمبر پر ہیں وہ اس آیت کریمہ کی شان نزول کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں......

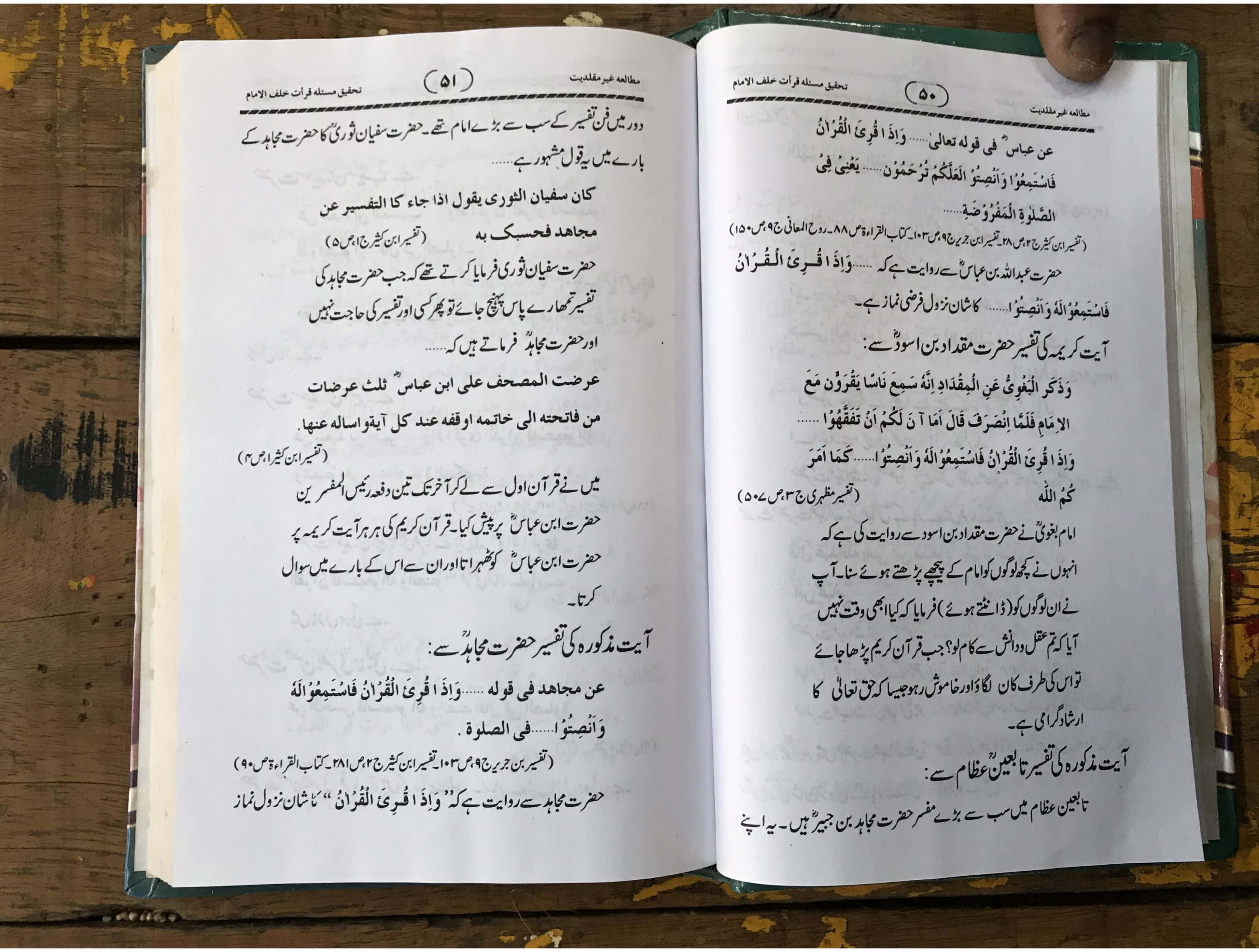

عن عباس ؓ فی قولہ تعالیٰ...... وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا وَاَنْصِتُوْ الَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْن...... یَعْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ الْمَفْرُوْضَۃِ......

(تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۲۸۔ تفسیر ابن جریر ج ۹، ص ۱۰۳۔ کتاب القراءۃ ص ۸۸۔ روح المعانی ج ۹، ص ۱۵۰)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ......وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا...... کا شان نزول فرضی نماز ہے۔

آیت کریمہ کی تفسیر حضرت مقداد بن اسودؓ سے:

وَذَکَرَ الْبُغْوِیُّ عَنِ الْمِقْدَادِ اِنَّهٗ سَمِعَ نَاسًا یَقْرَؤُوْنَ مَعَ الاِمَامِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اَمَا آنَ لَکُمْ اَنْ تَفْقَهُوْا ...... وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا...... کَمَا اَمَرَکُمُ اللّٰہ

(تفسیر مظہری ج ۳، ص ۵۰۷)

امام بغویؒ نے حضرت مقداد بن اسود سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو امام کے پیچھے پڑھتے ہوئے سنا۔ آپ نے ان لوگوں کو (ڈانٹتے ہوئے) فرمایا کہ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم عقل ودانش سے کام لو؟ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

آیت مذکورہ کی تفسیر تابعینؒ عظام سے:

تابعین عظام میں سب سے بڑے مفسر حضرت مجاہد بن جبیرؒ ہیں۔ یہ اپنے

دور میں فن تفسیر کے سب سے بڑے امام تھے۔ حضرت سفیان ثوریؒ کا حضرت مجاہد کے بارے میں یہ قول مشہور ہے......

کان سفیان الثوری یقول اذا جاء کا التفسیر عن مجاهد فحسبک به

(تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۵)

حضرت سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت مجاہد کی تفسیر تمھارے پاس پہنچ جائے تو پھر کسی اور تفسیر کی حاجت نہیں اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ......

عرضت المصحف علی ابن عباس ؓ ثلث عرضات من فاتحته الی خاتمه اوقفه عند کل آیةواساله عنها.

(تفسیر ابن کثیر ۱، ص ۴)

میں نے قرآن اول سے لے کر آخر تک تین دفعہ رئیس المفسرین حضرت ابن عباسؓ پر پیش کیا۔ قرآن کریم کی ہر ہر آیت کریمہ پر حضرت ابن عباسؓ کو ٹھہراتا اور ان سے اس کے بارے میں سوال کرتا۔

آیت مذکورہ کی تفسیر حضرت مجاہدؒ سے:

عن مجاهد فی قوله ......وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا......فی الصلوة .

(تفسیر بن جریر ج ۹، ص ۱۰۳۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۲۸۱۔ کتاب القراءۃ ص ۹۰)

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ ” وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ “ کا شان نزول نماز

سے ہے۔

حضرت سعید بن مسیبؒ سے:

عن سعید بن المسیب...... وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا......قال فی الصلوۃ۔

(تفسیر ابن جریر ج۹، ص۱۰۳۔ کتاب القرأۃ ص۹۱)

حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ ”وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ “ کا شان نزول نماز ہے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ سے :

عن سعید بن جبیر...... وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا فی ......الصلوۃ المکتوبۃ.

(تفسیر ابن جریر ۹، ص۱۰۳۔ تفسیر ابن کثیر ۲، ص۲۸۱)

حضرت سعید بن جبیر تابعی فرماتے ہیں کہ ”وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا“ فرضی نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ تابعی سے:

عن الحسن فاستمعو اله وانصتوا قال فی الصلوۃ

(کتاب القراءۃ ص۹۱)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت عبید بن عمیرؒ اور عطاء بن ابی رباحؒ سے:

قال عبید بن عمیر وعطاء بن ابی رباح انما ذلک فی الصلوۃ ......وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا

(تفسیر ابن جریر ج، ۹، ص۱۰۳)

حضرت عبید بن عمیرؒ تابعی اور عطاء ابن ابی رباحؒ تابعی فرماتے ہیں کہ ”وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا “ کا شان نزول نماز ہے۔

حضرت ضحاکؒ، ابراہیم نخعیؒ، قتادہؒ، شعبیؒ، سدیؒ، اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ سے:

قال الضحاک و ابراھیم النخعی وقتادہ والشعبی والسدی و عبدالرحمن بن زید بن اسلم ان المراد بذلک فی الصلوۃ ...... (تفسیر ابن کثیر ج۲، ص۲۸۱)

حضرت ضحاکؒ، حضرت ابراہیم نخعیؒ، حضرت قتادہؒ، حضرت شعبیؒ، حضرت سدیؒ اور حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، حضرت امام احمدؒ بن حنبل کا قول مذکورہ آیت کریمہ کے شان نزول کے بارے میں نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں......

وذکر ابن حنبل الاجماع علی انها نزلت فی الصلوۃ وذکر الاجماع علی انها لا تجب القراءۃ وذکر الاجماع علی الماموم حال الجهر ...... (فتاویٰ ابن تیمیہ ج۲، ص۱۶۸)

حضرت امام احمدؒ بن حنبل نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس آیت کا شان نزول نماز ہے۔ نیز اس پر بھی علماء کا اتفاق نقل کیا ہے کہ جب امام جہر سے قراءۃ کر رہا ہو تو مقتدی پر قراءۃ واجب نہیں۔

ایک دوسرے مقام پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں......

وقول الجمہور ہو الصحیح فان اللہ سبحانہ وتعالیٰ قال......وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْالَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ......قال احمدؒ اجمع الناس علی انہا نزلت فی الصلوۃ.

(فتاویٰ کبریٰ ج۲، ص۱۶۸)

جمہور کا قول ہی صحیح اور درست ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو تم اس کی طرف توجہ کرو اور خاموش رہو، تا کہ تم پر حق تعالیٰ کی رحمتوں کی بارش نازل ہو۔ امام احمدؒ بن حنبل فرماتے ہیں کہ سب لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت کریمہ کا شان نزول نماز ہے۔

مذکورہ حضرات کے علاوہ دوسرے جلیل القدر مفسرین مثلاً صاحب تفسیر کشاف ج۱، ص۵۲۳ میں، علامہ بیضاوی ص۳۰۸ میں، صاحب معالم التنزیل ج ، ص۲۷۲ میں اور ابوالسعود ج۴، ص۵۰۳، صاحب تفسیر مظہری ج۳، ص۵۰۷ میں۔ اور صاحب روح المعانی ج۹، ص۱۵۱ میں یہی زیب قرطاس فرمارہے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا شان نزول نماز ہے۔

ناظرین کرام! آپ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے لے کر علامہ آلوسی صاحب روح المعانی تک کی تفسیر کی عبارات ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول صرف نماز ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ سے یہ بات نقل کی جا چکی ہے کہ اس بات پر تمام اہل اسلام کا اجماع اور اتفاق ہے کہ اس کا شان نزول فقط نماز ہے۔ اور یہ اجماع نقل کرنے والے کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں، بلکہ امام اہل سنت اور پیشوائے ملت یکے از آئمہ مجتہدین امام احمدؒ بن حنبل ہیں، اور آپ یہ بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا شاذ اور خلاف اجماع ہے۔ ان وزنی دلائل اور معقول براہین کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص اس بات پر اڑا رہے کہ اس کا شان نزول خطبہ ہے، یہ آیت کریمہ کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، تو سمجھئے کہ وہ تعصب کی خارزار وادی میں بھٹک رہا ہے اور غلو کے سنسان بیابان اور بے آب وگیاہ صحراء کی طرف لپک رہا ہے اور حق کے دامن کو ہاتھ سے جھٹک رہا ہے۔

غیر مقلدین کی ایک مضحکہ خیز حرکت:

غیر مقلدین کی ایک مضحکہ خیز حرکت یہ ہے کہ ان کو جہاں اپنے مطلب کی بات ملے گی خواہ وہ کتنی ہی ضعیف اور کمزور، کتنی ہی لغو اور بیکار اور کتنی ہی پادر ہوا اور پھسپھی کیوں نہ ہو، اس کو سینے سے لگائیں گے، گلے کا ہار بنائیں گے اس سے تمسک کریں گے اور اس کو مظبوطی سے تھامیں گے۔

لیکن جو بات ان کے مطلب اور مقصد، ان کے مذہب اور مشرب اور ان کی منشا اور رائے کے خلاف ہو، خواہ وہ بات صحابہ کرامؓ تابعین عظامؒ تبع تابعین فخام اور آئمہ ذی المجد والاحتشام سے ثابت ہو اس کو پس پشت ڈال دیں گے، اس سے صرف

نظر اور اعراض کریں گے۔ اس میں بے جا تاویلات، رکیک توجیہات اور بیہودہ تاویلات کا دروازہ کھولیں گے۔ حقاق سے اغماض کریں گے، واقعات کو جھٹلائیں گے صحیح حدیث سے چشم پوشی کریں گے۔ ضعیف احادیث سے استدلال کریں گے خواہ اس میں محمد ابن اسحاق جیسے کذاب اور دجال راوی کیوں نہ ہوں۔

غیر مقلدین کا یہ طرز عمل اور یہ ناروا رویہ درج ذیل سطور سے پوری طرح واضح اور بے نقاب ہو جائے گا، بس ذرا چشم بصیرت کو وا کریں اور حقیقت بین نگاہوں سے درج ذیل معروضات کا مطالعہ فرمائیں۔ دیکھئے آیت مذکورہ کے بارے میں صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ اس کا شان نزول نماز ہے، تابعین فرماتے ہیں اس کا شان نزول نماز ہے، تبع تابعین فرماتے ہیں اس کا شان نزول نماز ہے، امام احمد بن حنبل اس پر جمہور سلف وخلف کا اجماع نقل کرتے ہیں، ان وزنی دلائل و براہین اور قوی بینات وحجج کا تقاضا تو یہ تھا کہ جمہور صحابہ کرامؓ وتابعین فخام وتبع تابعین ذی شان کی بات مان لی جاتی، لیکن وہ غیر مقلد ہی کیا جو صحیح بات مان لے! چنانچہ غیر مقلدین نے یہ کیا کہ ان سب تفاسیر کو پس پشت ڈال کر سب سے اعراض کر کے، ایک مفسر کی مرجوح تفسیر کو گلے لگایا، گلے کا ہار بنایا، اسے آنکھوں سے لگایا، دل میں بٹھایا، دماغ میں جمایا، اس بارے میں تشدد کر کے دشمنوں کو ہنسایا، دوستوں کو رلایا، مسلمانوں کو ستایا، سادہ لوح مسلمانوں کو بہکایا اور غلایا۔

وہ مرجوح تفسیر یہ ہے کہ آیت کریمہ کفار ومشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم پوری توجہ اور خاموشی سے سنیں اور شور وغل نہ مچائیں۔

باوجودیکہ یہ تفسیر مرجوح بلکہ غلط اور باطل ہے لیکن چونکہ بظاہر ان کے مطلب ومقصد اور مسلک ومشرب کے موافق تھی اس لیے قبول کر لی گئی۔ جمہور سلف وخلف کی صحیح ترین تفسیر چونکہ ان کے مطلب ومشرب کے خلاف تھی اس لیے وہ ردی کی ٹوکری میں پھینک دی گئی بلکہ پائے استحقار سے ٹھکرادی گئی۔ (نعو بالله من ذلک)

اسے کہتے ہیں مطلب پرستی، خود غرضی، بحر تعصب میں غوطہ زنی اور دریائے غلو میں غواصی۔

جب انسان اندھے بہرے تعصب میں مبتلا ہو جاتا ہے، تشدد کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتا ہے اور غلو کو شعار ودثار، تو وہ حقائق بینی کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔ واقعات دیکھنے کی قابلیت سے محروم ہو جاتا ہے جس کے طاغوت آشیاں دماغ کو تعصب کی کدورتوں نے گدلا کر رکھا ہو، وہ حقائق دیکھے کیونکر، واقعات پرکھے تو کیسے؟

غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ مذکورہ آیت کفار ومشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے بالکل غلط اور باطل ہے۔

اولاً اس لیے کہ مذکورہ سطور میں احادیث صحیحہ، اجماع امت اور مفسرین کرام کی تصریحات سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس آیت کا شان نزول نماز ہے۔

بایں ہمہ یہ کہنا کہ یہ آیت کریمہ کفار ومشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ تفسیر بالرائے بدعت سیئہ اور آیت کریمہ کی حقیقت کے انکار کے مترادف ہے، حق تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسی بے جا جسارت اور ناروا و ناپسندیدہ حرکت سے محفوظ فرمادے۔ آمین۔

ثانیاً اس لیے قرآن کریم میں کوئی ایک حکم بھی ایسا نہیں جس کی تعمیل صرف

کفار پر واجب ہو اور مسلمانوں کے لیے اس پر عمل پیرا ہونا ممنوع اور محظور ہو۔

اگر فریق ثانی کی یہ الٹی منطق صحیح تسلیم کر لی جائے تو نہ معلوم ان کا قرآن کریم کے ان عمومی احکام کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا جو بظاہر ایک کافر اور مشرک قوم کے بارے میں نازل ہوئے ہیں۔

مثلاً ایک مقام پر حق تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں......

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَاحَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا
وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّلا تَقْتُلُوْا اَوْلادَكُمْ مِنْ اِمْلاقٍ نَحْنُ
نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ، وَلا تَقْرَبُوْا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا
بَطَنَ وَلا تَقْتُلُوْا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَ
صّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْن (پ۸ رکوع۴)

”اے نبی کریم ﷺ آپؐ فرما دیجئے کہ تم آؤ میں سناؤں جو تمھارے رب نے تم پر حرام کیا ہے کہ شریک نہ کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور نہ قتل کر اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے، ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور ان کو، اور بے حیائی کے قریب نہ پھٹکو جو ظاہر ہو اس میں اور جو پوشیدہ ہو اور نہ قتل کرو اس جان کو جس کو حرام کیا ہے اللہ نے مگر حق پر، تم کو یہ حکم دیا گیا ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ“

کیا فریق ثانی کی منطق کی رو سے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اِن احکام کے مخاطب صرف کافر اور مشرک ہیں، کفار اور مشرکین کے لیے تو شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، قتل اولاد کا ارتکاب کرنا، فواحش اور منکرات کے قریب جانا حرام اور گناہ ہے لیکن

مسلمانوں کے لیے ان اعمال قبیحہ کا ارتکاب بالکل جائز اور مستحسن ہے۔ مومنوں کے لیے شرک کرنا اور قتل کرنا بالکل درست ہے۔

اگر بفرض محال یہ بات تسلیم کر بھی لی جائے کہ مذکورہ آیت کریمہ کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ کفار و مشرکین کو تو قرآن کریم کی تلاوت کے وقت شور وغل مچانے سے منع کیا گیا ہے، لیکن مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت خوب شور وغل کیا کریں۔ کیا فرماتے ہیں علماء غیر مقلدین بیچ اس مسئلہ کے......

ے آنکھیں اگر بند ہیں پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا؟

نیز اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ آیت کریمہ کافروں اور مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، تب بھی اس کو کافروں پر منحصر سمجھنا اور مسلمانوں کو اس سے خارج کر دینا باطل ہے، حالانکہ اس کا شان نزول ہی مومنوں کی نماز ہے، مگر افسوس صد افسوس کہ فریق مخالف بڑی جرأت اور جسارت سے یہ کہتا ہے کہ اس آیت کا جو اولین مصداق ہے اس کو یہ آیت شامل نہیں بلکہ یہ صرف کفار و مشرکین کو شامل ہے۔ یا للعجب.

اگر مان بھی لیا جائے کہ اس آیت کریمہ کا شان نزول کفار و مشرکین کا شور وغل مچانا ہے تو گزارش ہے کہ تمام علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کے کسی حکم اور آیت کو اس کے شان نزول اور خاص سبب پر منحصر کر دینا غلط اور باطل ہے۔ اس کو صرف سبب نزول میں محصور و مسدود سمجھنا ایک ایسی علمی غلطی ہے جس کا ارتکاب کوئی ادنیٰ طالب علم بھی نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم کی سینکڑوں ایسی آیات ہیں جو کسی

خاص سبب پر محصور و مقصود اور بند و مسدود نہیں ہیں۔

دیکھئے! حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو لوگ حضور کا بیٹا کہا کرتے تھے۔ قرآن کریم نے حکم دیا کہ رسول خدا ﷺ تم میں سے کسی نابالغ مرد کے باپ نہیں۔ اس آیت کریمہ کا سبب گو خاص ہے لیکن حکم خاص نہیں بلکہ عام ہے۔ اس آیت مقدسہ کی رو سے جیسا کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کا بیٹا کہنا جائز نہیں، ایسا ہی زید، عمر بکر اور خالد وغیرہ دیگر افراد و اشخاص کو بھی حضور ﷺ کا بیٹا کہنا جائز نہیں۔ جس طرح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حکم ہے کہ ان کو ان کے باپ کی جانب نسبت کر کے بلایا جائے، اس طرح ہر فرد اور ہر شخص کیلئے بھی یہی حکم ہے کہ اس کو اس کے اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے۔

کیا غیر مقلدین حضرات اس آیت کریمہ کا یہ مطلب لیں گے کہ صرف حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ہی حضور ﷺ کا بیٹا کہنا منع ہے اور دوسرے افراد کو آنحضرت ﷺ کا بیٹا کہنا جائز ہے؟

مسئلہ قرأت خلف الامام احادیث نبویہ کی روشنی میں:

عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ خَطَبَنَا فَبَیَّنَ لَنَا سُنَّتَنَا وَعَلَّمَنَا صَلٰوتَنَا فَقَالَ اَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ ثُمَّ لِیَؤُمَّکُمْ اَحَدُکُمْ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا وَاِذَا قَالَ ...... غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ...... فَقُوْلُوْا آمِیْن.

(صحیح مسلم ص ۱۷۴ ج ۱، ابوداؤد شریف ص ۱۴۰ ج ۱، ابن ماجہ ص ۶۱، مسند ابوعوانہ

ص ۱۳۳ ج ۲، بیہقی ص ۱۵۵، ج ۱، مشکوۃ شریف ص ۸۱، دار قطنی ص ۳۲۸ ج ۲)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو) خطاب فرمایا پس آپ نے ہمیں سنت کی تعلیم و تلقین فرمائی اور نماز پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا۔ پس حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (نماز شروع کرنے سے قبل) اپنی صفیں درست کرلو، پھر تم میں سے ایک شخص تمہارا امام بنے جب وہ (امام) تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو۔ اور جب امام ”غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ“ کہے تو تم آمین کہو۔

(۱) ناظرین باتمکین! یہ حدیث صریح صحیح اور مرفوع ہے اور ہمارے دعویٰ پر واضح اور واشگاف دلیل ہے۔ اس حدیث شریف میں حضور ﷺ نے بڑے اہتمام سے نماز پڑھنے کا طریقہ بتلایا اور نماز میں امام اور مقتدیوں کے فرائض، وظائف، ذمہ داریوں اور ڈیوٹیوں کو بڑی وضاحت اور صراحت اور بڑے واضح اور بین طریقے سے بیان فرمایا کہ اس میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ، التباس اور شک وشبہ باقی نہ رہا۔

آپ ﷺ نے اس حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ قرأت کرنا صرف امام کا فریضہ، وظیفہ اور ذمہ داری ہے۔ مقتدیوں کا کام اور وظیفہ صرف اور صرف خاموشی، توجہ اور انصاف ہے۔

چونکہ یہ روایت مطلق ہے اس لیے سری اور جہری دونوں قسم کی نمازوں کو شامل ہے، لہذا اس حدیث کی رو سے مقتدیوں کے لیے کسی نماز میں بھی خواہ وہ جہری ہو یا سری امام کے پیچھے پڑھنے کی مطلق گنجائش نہیں۔

حضور ﷺ کا مقصد اس حدیث سے امام اور مقتدی کے فرائض اور

کے فرائض وظائف پر روشنی ڈالنا ہے۔ یہ تو ناممکن ہے کہ حضور ﷺ نے امام اور مقتدی کے فرائض بیان کرتے وقت امام کے فرائض تو بیان کر دیے ہوں اور مقتدی کے فرائض ترک کر دیئے ہوں۔ کیونکہ اگر آپ ؐ ایسا کریں تو تبلیغ حکام میں کوتاہی کے مرتب ہوں گے اور نبی سے ایسی کوتاہی ناممکن ہے۔ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ حضور ﷺ بیان حکام کے وقت مقتدی کے فریضہ کو تو بیان نہ فرمائیں بلکہ اس فریضہ کی ضد اور الٹ عکس بیان فرما دیں۔ مثلاً اس کے ذمہ امام کے پیچھے قرأت کرنا فرض ہو لیکن آپ مقتدی کو قرأت کا حکم دینے کی بجائے اس کو قرأت نہ کرنے کا امر فرمائیں۔

ایک اور انداز سے :

(۲) امام اور مقتدی کے لیے جو افعال و اعمال فرض تھے وہ حضور ﷺ نے بڑی تشریح اور توضیح سے بیان فرما دیے۔ تکبیر تحریمہ دونوں کے لیے فرض تھی اس کی فرضیت اِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا کے الفاظ میں بیان فرمائی، رکوع دونوں کے لیے فرض تھا اس کی وضاحت اِذَا رَکَعَ فَارْکَعُوْا (جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو) سے فرمائی سجدہ دونوں کے لیے فرض تھا اس کی تشریح کے لیے آپ ؐ کی زبان فیض ترجمان سے اِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا (جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو) کا جملہ صادر ہوا۔

جب حضور ﷺ نے امام اور مقتدی کے مشترکہ فرائض بیان فرما دیے تو کیا وجہ ہے کہ آپ نے قرأت (جو بقول غیر مقلدین مقتدی کے لیے فرض ہے) کی فرضیت کے بیان سے نہ صرف پہلوتہی فرمائی بلکہ اس کی جگہ اس کی ضد انصات کو ذکر فرمایا۔ اگر قرأت مقتدی کے لیے بھی فرض ہوتی تو حدیث شریف کے الفاظ یوں ہوتے اِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَأَ فَاقْرَءُوْا جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب امام پڑھے تو تم

بھی پڑھو۔ لیکن حدیث شریف میں اِذَا قَرَأَ فَاقْرَءُوْا کی بجائے اِذَاقَرَأَ فَاَنْصِتُوْا کے الفاظ ہیں۔ اگر امام کے پیچھے قرأت فرض تھی تو رکوع سجود وغیرہ کی طرح اس کی فرضیت کی تشریح کیوں نہیں کی گئی؟

ایک اور طرز سے:

(۳) اگر بالفرض اس حدیث میں ”وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوا“ کے لفظ نہ بھی مذکور موجود ہوتے تب بھی یہ روایت اس پر دلالت کرتی کہ قرأت کرنا امام کا وظیفہ ہے نہ کہ مقتدیوں کا۔ ان الفاظ کے بغیر حدیث شریف کا مفہوم و مضمون اور مطلب یہ ہوتا۔

جب تم نماز پڑھنا چاہو تو (پہلے) اپنی صفیں درست کرلو اور تم میں سے ایک شخص امامت کے فرائض انجام دے۔ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام ”غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ“ پڑھے تو تم آمین کہو۔ اگر مقتدیوں پر سورہ فاتحہ فرض ہوتی تو وَاِذَا قَالَ...... غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ...... کے بجائے جمع کا صیغہ ”وَاِذَا قُلْتُمْ ...... غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ...... فَقُوْلُوْ“ آمین ہوتا۔ جیسا کہ فَقُوْلُوْا آمین میں قُوْلُوْا جمع کا صیغہ ہے ایسے ہی یہاں بھی ”قُلْتُمْ“ جمع کا صیغہ ہوتا۔

صحیح مسلم (ص ۱۷۶، ج ۱) کی ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ اِذَا قَالَ الْقَارِیُٔ ...... غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ...... فَقَالَ مَنْ خَلْفَهٗ آمین کہ جب پڑھنے والا ”غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ“ کہے تو جو اس کے پیچھے ہیں وہ آمین کہیں۔ اس حدیث میں پڑھنے کی نسبت صرف امام کی طرف ہوئی ہے، یہ اس امر کی واضح اور بین دلیل ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنا صرف امام کا فریضہ

ہے۔ مقتدی کا کام صرف خاموش رہنا اور انصاف کرنا ہے ہاں البتہ آمین کہنے میں مقتدی برابر کے شریک ہیں۔

دوسری حدیث:

عن ابی ھریرةؓ قال قال رسول اللہ ﷺ اِنَّمَا جُعِلَ الاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا اقَرَأَ فَاَنْصِتُوْا وَاِذَا قَالَ...... غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ...... فَقُوْلُوْا آمین وَاِذَا رَکَعَ فَارْکَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَکَ الْحَمْد.

(نسائی شریف ص ۱۰۷، ج ۱، ابن ماجہ شریف ص ۶۱، طحاوی شریف ص ۱۲۸، مشکوۃ شریف ص ۸۱، ج ۱)

”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ امام صرف اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، جب وہ امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو جب وہ پڑھے تو خاموش رہو اور جب امام ”**غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ**“ کہے تو تم آمین کہو۔ جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ ”**سمع اللہ لمن حمدہ**“ کہے تو تم ”**ربنا لک الحمد**“ کہو۔

یہ حدیث بھی واضح طور پر امام اور مقتدی دونوں کے فرائض اور وظائف کا تعیین کرتی ہے کہ تمام نمازوں میں امام کا وظیفہ قرأت کرنا اور مقتدی کا وظیفہ خاموشی اور انصاف ہے۔

تیسری حدیث:

عن جابر بن عبداللہ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ فَقِرَاْءَۃُ الاِمَامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ. (ابن ماجہ شریف ص ۶۱)

”حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لیے امام کی قرأت ہی کافی ہے۔

یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو، اس کو الگ پڑھنے اور علیحدہ قرأت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت، امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے۔ اس حدیث شریف میں بھی جہری اور سری کی کوئی قید نہیں لہذا یہ بھی اپنے عموم پر ہونے کی وجہ سے ہر نماز کو شامل ہے۔

چوتھی حدیث:

عن انسؓ قال صلی بِنَا رَسُوْلُ اللہ ﷺ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْہِہٖ فِقَالَ اَتَقْرَءُوْنَ وَالاِمَامُ یَقْرَأُ فَسَکَتُوْا فَسَاَلَہُمْ ثَلٰثًا فَقَالُوْا اِنَّا نَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا. (طحاوی شریف ص ۱۰۷)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ایک نماز پڑھا کر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا کہ کیا تم امام کے پڑھتے وقت (امام کی اقتداء میں) پڑھتے ہو۔ صحابہ کرام خاموش رہے۔ آپ نے تین دفعہ دریافت فرمایا تب صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں۔ حضرت ہم امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے

فرمایا (آئندہ) ایسا مت کرنا۔

پانچویں حدیث:

عن عبداللہ بن مسعود قَالَ کَانُوْا یَقْرَءُ وْنَ خَلْفَ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ خلطتُم عَلَیَّ الْقُرآن……

(طحاوی شریف ص١٠٦، مصنف ابن شیبہ ص٣٧٦، کتاب القراءۃ ص١٤٤)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ حضور ﷺ کی اقتداء میں قرأت کیا کرتے تھے، حضور ﷺ نے ان کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ تم لوگوں نے (میرے پیچھے پڑھ کر) مجھ پر قران کریم کی قرأت خلط ملط کر دی ہے۔

چھٹی حدیث:

عن الزھریؒ عن انسؓ اَن النَّبِیَّ ﷺ قَالَ وَاِذَا قَرَ أ فَاَنْصِتُوْ ا

(کتاب القراءۃ ص١١٣)

امام زہریؒ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو۔

اس روایت میں بھی امام اور مقتدی دونوں کے وظائف پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ مقتدی کا وظیفہ تمام نمازوں میں خاموشی، سکوت اور انصاف ہے اور امام کا فریضہ یہ ہے کہ وہ قرأت کرے۔ دونوں کے الگ الگ وظائف ہیں ان میں اشتراک نہیں بلکہ تقسیم ہے۔

ساتویں حدیث:

عن جابرؓ بن عبداللہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ ﷺ مَنْ صَلّٰی خَلْفَ اِمَامٍ فَاِنَّ قِرَأۃَ الاِمَامِ لَہٗ قِرَأ ۃٌ.

(طحاوی شریف ص١٠٦)

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو اس کے لیے امام کی قرأت ہی کافی ہے۔

امام کا پڑھنا ہی اس کا پڑھنا ہے۔ اسے الگ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

آٹھویں حدیث:

عَنْ جابر قَالَ اِنَّ رَجُلاً صَلّٰی خَلْفَ النَّبِیِّ ﷺ فِی الظُّھْرِ اَوِ الْعَصْرِ یَعْنِی یَقْرَأُ فَاَوْمٰی اِلَیْہِ رَجُلٌ فَنَھَاہُ فَاَبٰی فَلَمَّا اِنْصَرَفَ قَالَ اَتَنْھَانِیْ اَنْ اَقْرَءَ خَلْفُ النَّبِیِّ ﷺ فَتَذَا کَرَا حَتّٰی سَمِعَ النَّبِیُّ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ ﷺ مِنْ صَلّٰی خَلْفَ اِمَامٍ فَاِنَّ قَرأ ۃَ الاِمَامِ لَہٗ قِرَأ ۃٌ .

(کتاب القراءۃ ص١٢٦)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی اقتداء میں قرأت، کی اثناء نماز میں ایک شخص نے اس کو اشارتاً منع کیا لیکن وہ دوسرا شخص باز نہ آیا، جب نماز پڑھنے سے فارغ ہو چکے تو قرأت کرنے والے شخص نے منع کرنے والے شخص سے کہا، تم

مجھے حضور ﷺ کے پیچھے پڑھنے سے کیوں روکتے ہو؟ وہ دونوں آپس میں تکرار کر رہے تھے کہ حضور ﷺ نے ان کی گفتگو سن کر فرمایا، کہ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہو اس کے لیے امام کی قرأت ہی کافی ہے۔ اس کو الگ پڑھنے کی ضرورت نہیں، امام کا پڑھنا ہی مقتدی کا پڑھنا ہے۔

نویں حدیث:

عن ابی ھریرہ ان رسول اللہ ﷺ اِنْصَرَفَ مِنْ صَلٰوۃٍ جَھَرَ فِیْھَا بِالْقِرَأۃِ فَقَالَ ھَلْ قَرَأَ مَعِیَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ آنِفًا فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ اَنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنِّیْ اَقُوْلُ مَا لِیْ اُنَازِعُ الْقُرْآن فَانْتَھَی النَّا سُ عَنِ الْقِرَأۃِ مَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْمَا جَھَرَ فِیْہِ رَسُوْلُ ﷺ ۔

(موطا امام مالک ص ۲۹۔ نسائی شریف ص ۱۰۶۔ ابوداؤد شریف ج ۱، ص ۱۲۱۔ ترمذی شریف، ص ۴۲۔ ابن ماجہ ص ۶۱۔ کتاب القراءۃ ۱۱۷)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک جہری نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ پڑھا (باوجودیکہ سب صحابہ کرام موجود تھے) ان میں سے صرف ایک شخص بولا کہ جی ہاں یارسول اللہ ﷺ میں نے آپ کے ساتھ قرأت کی، آپ ﷺ نے فرمایا جبھی تو میں (اپنے دل میں) کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرآن کی قرأت میں جھگڑا کیوں کیا جا رہا ہے۔

منازعت اور کشمکش کیوں ہو رہی ہے، مجھ سے قرآن کریم کیوں چھینا جا رہا ہے، حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے بعد صحابہ کرامؓ جہری نمازوں میں قرأت کرنے سے رک گئے۔

یہ صبح کی نماز کا واقعہ ہے (ملاحظہ فرمایئے سنن کبریٰ ج ۲۔ ص ۱۵۷ اور سنن ابی داؤد ج ۱۔ ص ۱۳۰) جس میں تقریباً تمام صحابہ کرام موجود تھے لیکن ان میں حضور ﷺ کے پیچھے پڑھنے والا صرف ایک شخص تھا اس کو بھی امام کے پیچھے قرأت کرنے پر ڈانٹا گیا۔

اگر امام کے پیچھے پڑھنا فرض ہوتا تو اس فریضہ کے ادا کرے والے کو نہ ڈانٹا جاتا بلکہ اس کی تحسین وتصویب کی جاتی۔

جو صحابہ کرام حضور ﷺ کے پیچھے نہیں پڑھ رہے تھے بقول غیر مقلدین چونکہ وہ فرض سے تارک تھے، اس لیے چاہیے تھا کہ ان کو فرض کے ترک پر ڈانٹا جاتا اور ان سے کہا جاتا کہ چونکہ تم ایک فرض کے ترک کے مرتکب ہوئے ہو اس لیے تمھاری نماز نہیں ہوئی لہذا نماز کا اعادہ کرو۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ فرض کے تارکین کو کچھ نہیں کہا گیا اور فاتحہ پڑھنے والے کو ڈانٹ پلائی گئی۔

غیر مقلدین سے ہمارا ایک سوال ہے از راہ کرم اسے حل کر کے شکریہ کا موقع دیں کہ کیا فرض ادا کرنے والوں کو ڈانٹا جاتا ہے یا فرض ترک کرنے والوں کو؟

قابل غور نکتہ:

حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اپنی اقتداء میں قرأت کرنے کا حکم فرمایا ہو گا یا نہیں۔ اگر آپ نے اپنی اقتداء میں پڑھنے کا امر فرمایا تھا تو پھر حضور ﷺ کا اپنے

ارشادگرامی کی تعمیل کرنے والے کو ڈانٹنا چہ معنی دارد ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ سرور کائنات ﷺ پہلے خود ہی ایک چیز کا حکم فرمادیں اور پھر اسکی تعمیل کرنے والے کو ڈانٹنا شروع کردیں۔

نیز اگر آپ نے امام کی اقتداء میں پڑھنے کا امر فرمایا تھا تو کیا یہ بات ہے کہ سب صحابہ کرامؓ میں صرف ایک شخص اس حکم کی تعمیل کرتا ہے اور باقی سب صحابہ کرامؓ آپ کے ارشادگرامی کی خلاف ورزی کے مرتکب ہورہے ہیں۔

صحابہ کرامؓ جو شمع نبوت کے پروانے اور آفتاب رسالت کے دیوانے تھے جو آپ کے ادنیٰ اشارہ پر ہزار جان سے نچھاور ہونے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ آپ ان دیوانگان شمع رسالت کو حکم فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت کیا کرو، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی لیکن صحابہ کرامؓ کی اکثریت آپؐ کے ارشاد کی تعمیل پر آمادہ نہیں ہوتی بلکہ آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرتی ہے، کیا صحابہ کرام سے یہ جسارت ممکن ہے؟...... بینوا توجروا......

نیز یہ امر بھی قابل غور اور لائق التفات اور خاص طور پر پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ فریق ثانی کے مسلک کے مطابق حضور ﷺ نے مقتدیوں کو امام کے پیچھے پڑھنے کی نہ صرف اجازت دی، بلکہ اس کو مقتدیوں کے لیے فرض بھی قرار دیا۔ تو یہ کیسے باور کرلیا جائے کہ جو چیز آپ کی منازعت خلجان اور تکدر کا باعث بنی اور جس فعل پر آپ نے اظہار ناراضگی اور ناپسندیدگی فرمایا اور آپ ﷺ نے جس حرکت کو ناپسند فرماتے ہوئے اس پر سرزنش کی اور ڈانٹا اور پھر اس ناپسندیدہ فعل اور باعث خلجان عمل کو فرض بھی قرار دے دیا۔

فریق ثانی کے مسلک و مشرب کا حاصل اور لب لباب یہ نکلا کہ جناب رسول ﷺ نے اپنے پیچھے پڑھنے کو ناپسند بھی فرمایا ہے اور پسند بھی، اس سے منع بھی فرمایا ہے اور اس کا حکم بھی دیا ہے۔

قرأت سے منازعت، مخالجت، مخاصمت اور کشمکش ہوتی بھی ہے اور نہیں بھی ہوتی اور حضور ﷺ نے امام کے پیچھے پڑھنے کے فعل کو ناپسند اور باعث تکدر ہونے کے باوجود فرض قرار دیا۔ حاشا وکلا رسول اللہ ﷺ کی شان عالی اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ بیک وقت دو متضاد باتوں کا حکم فرمادیں۔ نیز صحابہ کرامؓ اسے قابل اعتناء نہ سمجھیں بلکہ اس کی خلاف ورزی کا ارتکاب کریں۔

دسویں حدیث:

حضرت ابن عباسؓ سے ابن ماجہ میں ایک لمبی حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ لب لباب اور ماحصل یہ ہے کہ حضور ﷺ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ ﷺ نے امامت کے فرائض حضرت صدیق اکبرؓ کو تفویض فرمائے تاکہ وہ لوگوں کو نماز پڑھایا کریں۔

ایک مرتبہ جب مرض میں قدرے تخفیف محسوس ہوئی تو حضور ﷺ دو آدمیوں کے سہارے آہستہ آہستہ چل کر مسجد میں تشریف لائے، آپ کی مسجد میں تشریف آوری سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نماز شروع کراچکے تھے۔

حضور ﷺ صفوں سے گزرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ کے پہلوں میں جا پہنچے اور حضرت صدیق اکبرؓ پچھلی صف میں آگئے۔ ان کی جگہ حضور ﷺ مصلیٰ پر تشریف فرما ہوئے اور بیٹھ کر نماز پڑھانا شروع کی اگلے الفاظ خاص طور پر

قابل غور ہیں......

وَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَن الْقِرَاْۃَ مِنْ حَیْثُ کَا نَ بَلَغ اَبُوْ بَکْرٌ. (ابن ماجہ شریف ص ۸۸)

حضور ﷺ نے قرأت وہیں سے شروع کی، جہاں تک حضرت صدیق اکبرؓ قرأت فرما چکے تھے۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں......

فَاسْتَفْتَحَ النَّبِیُّ ﷺ مِنْ حَیْثُ اِنْتَھٰی اَبُوْبَکْرٍؓ مِنَ الْقُرْآن. (سنن کبریٰ بیہقی ج ۳ ص ۸۱)

پس حضور ﷺ نے قرآن کریم کے اس حصے سے پڑھنا شروع کیا جہاں تک حضرت ابوبکر صدیقؓ قرأت فرما چکے تھے۔

ایک تیسری روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

فَاسْتَتَمَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مِنْ حَیْثُ اِنْتَھٰی اَبُوْبَکْرٍؓ مِنَ الْقِرَأۃِ. (طحاوی شریف ج ۱، ص ۱۹۷)

کہ حضور ﷺ نے وہاں سے قرأت پوری کی جہاں تک حضرت ابوبکر صدیقؓ قرأت کر چکے تھے۔

حدیث بالکل صحیح ہے، اس کے سب راوی ثقہ، ثبت اور حجت ہیں۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی پوری سورۃ فاتحہ رہ گئی تھی یا اس کا اکثر حصہ رہ گیا تھا، اس لیے کہ حضور ﷺ شدید بیمار تھے۔ دو آدمیوں کے سہارے چلتے ہوئے مسجد نبوی میں رونق افروز ہوئے تھے۔ آپ کے دھیرے دھیرے تشریف لانے

میں معمول سے زیادہ وقت صرف ہو گیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل نماز شروع فرما چکے تھے۔

ان حالات کے پیش نظر عقل و بصیرت اور انصاف و دیانت کا تقاضا تو یہی تھا کہ سورۃ فاتحہ اگر مکمل طور پر نہیں پڑھی گئی ہو گی تو اس کا اکثر حصہ تو یقیناً پڑھا جا چکا ہو گا مگر باوجود اس کے حضور ﷺ کی نماز ہو گئی، آپ ﷺ نے اس کا اعادہ نہ فرمایا۔ اسے بے کار اور باطل قرار نہ دیا بلکہ اسے درست اور صحیح سمجھا، اگر امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہوتا تو حضور ﷺ کی یہ نماز نہ ہوتی، آپ سے باطل قرار دے کر اس کا اعادہ فرماتے۔

گیارہوں حدیث:

عن ابی ھریرہؓ اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مِنْ اَدْرَکَ رَکَعَۃً مِنَ الصَّلٰوۃِ فَقَدْ اَدْرَکَھَا قَبْلَ اَنْ یُّقِیْمَ الاِمَام صُلْبَہٗ. (دار قطنی ج ۱، ص ۳۴۸)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے امام کو پشت سیدھی کرنے سے پہلے رکوع میں پالیا اس نے رکعت کو پالیا۔

اس حدیث شریف سے پوری وضاحت اور صراحت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس شخص نے امام کو رکوع میں پالیا، اس نے رکعت کو پالیا یعنی اس کی رکعت ہو گئی ظاہر ہے کہ جو شخص امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو گیا اس کے رکوع میں شریک ہونے سے پہلے امام فاتحہ پڑھ چکا ہو گا، کیونکہ امام فاتحہ پڑھ کر ہی رکوع میں جاتا ہے۔

لیکن باوجودیکہ اس نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی یہ رکعت ہوگئی، معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ورنہ اس شخص کی یہ رکعت نہ ہوتی۔

یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ غیر مقلدین حضرات بھی اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔

بارہویں حدیث:

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ اَنَّہٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالنَّبِیُّ ﷺ رَاکِعٌ فَرَکَعَ قَبْلَ اَنْ یَّصِلَ اِلَی الصَّفِّ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ زَادَکَ اللّٰہُ حِرْصًا وَلَاتَعُدْ. (سنن کبریٰ ج۱، ص۹۰)

حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو حضور ﷺ رکوع میں چلے گئے تھے، چنانچہ صف میں ملنے سے پہلے ہی وہ رکوع میں چلے گئے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ صف میں مل گئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نیکی میں حریص کرے، پھر ایسا نہ کرنا۔

یہ بات بالکل واضح اور ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر رکوع میں شامل ہو گئے تھے، لیکن اس کے باوجود ان کی یہ رکعت ہوگئی۔ حضور ﷺ نے ان کی اس نماز کو کامل مکمل اور صحیح سمجھا، اور ان کو نماز دہرانے کا حکم نہیں فرمایا۔ اگر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ہر رکعت میں فرض اور رکن ہے تو حضرت ابوبکرہؓ کی یہ نماز کیسے ہوگئی؟ ان کو دوبارہ پڑھنے کا حکم کیوں نہ دیا گیا؟

غیر مقلد حضرات کو بھی بدرجہ مجبوری بادل نخواستہ اس حدیث کو صحیح ماننا پڑا ہے

اور اس بات کا اقرار کرنا پڑا ہے کہ مدرک رکوع کی رکعت ہو جاتی ہے چنانچہ مولانا شمس الحق عظیم آبادی ”التعلیق المغنی علی الدار قطنی“ میں لکھتے ہیں......

وفی ذلک دلالۃ علی ادراک الرکعۃ بادراک الرکوع وقد روی صریحاً عن ابن مسعودؓ وزیدؓ ثابت وابن عمرؓ ......

(التعلیق المغنی علی الدار قطنی، ص۳۴۷)

اور اس (حدیث ابوبکرہؓ) میں اس بات پر دلالت ہے کہ امام کو رکوع میں پانے والا رکعت پالیتا ہے، اور یہ مسئلہ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زین بن ثابتؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے بھی صراحۃً روایت کیا گیا ہے۔

امام غرباء اہلحدیث ابومحمد مولوی عبدالستار، صاحب تفسیر ستاری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں......

بیشک شرعاً مدرک رکوع مدرک رکعت ہے۔ احادیث نبویہ وتعامل صحابہؓ سے اس کا کافی ثبوت پایا جاتا ہے مگر اس سے عدم وجوب فاتحہ پر استدلال کرنا محض غلط وباطل ہے۔ قرأت فاتحہ کا وجوب حالت قیام میں ہے نہ کہ حالت رکوع میں، جب حالت بدل گئی حکم بھی بدل گیا۔ (تفسیر ستاری، ص۳۶۷)

جواب:

تفسیر ستاری کے مصنف کے اس جواب میں قطعاً کوئی وزن اور معقولیت نہیں۔ مولوی صاحب موصوف کا جواب تو سراسر قیاس پر مبنی ہے، جس کے متعلق یہ

حضرات گلا پھاڑ پھاڑ کر اور چیخ چیخ کر یہ نعرہ لگایا کرتے ہیں'......اول من قاس ابلیس ...... کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا۔ آگے یہ ان کی بلا جانے کہ ابلیس کا قیاس کس نوعیت کا تھا، اور قیاس مجتہد کسے کہتے ہیں؟

پھر یہ بھی خوب رہی کہ جب حالت بدل گئی تو حکم بھی بدل گیا۔ اول تو اس کو ثابت کرنا چاہیے تھا کہ رکوع کرنے سے کیا حالت بدل گئی؟ کیا نماز بدل گئی کہ نمازی بدل گیا۔

آخر یہ مسئلہ کس حدیث سے آپ نے معلوم کیا کہ رکوع کرنے سے نماز یا نمازی کی حالت بدل جاتی ہے۔ حضرت ابوبکرہؓ کی حدیث اور دوسری وہ احادیث جو رکوع پالینے سے رکعت پانے پر دلالت کرتی ہیں، سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضورﷺ کی نظر میں رکوع قیام کے حکم میں ہے کہ سجدہ پالینے سے رکعت نہیں ملتی اور رکوع پالینے سے رکعت مل جاتی ہے۔ جب رکوع بحکم قیام ہے تو رکوع سے حالت نہیں بدلی لہذا رکوع پالینے کی حالت میں رکوع میں قرأت فاتحہ فرض ہونی چاہیے۔

چنانچہ بعض صحابہ کرامؓ اس طرف بھی گئے کہ رکوع میں فاتحہ پڑھ لینی چاہیے۔ کتاب القرأۃ بیہقی کی درج ذیل روایت ملاحظہ فرمائیں......

عن حسان بن عطية عن ابى الدرداء قال لا تترك الفاتحة خلف الامام زاد ابن ابى الحوارى ولوان تقراوانت راكع، وفى رواية اخرى عن ابى الدرداء قال لو ادركت الامام وهو راكع لاحببت ان اقرأ بفاتحة الكتاب.

(کتاب القراءۃ بیہقی ص۵۲)

حسان ابن عطیہ حضرت ابوالدرداء سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ چھوڑو چاہے رکوع میں ہی پڑھ لو۔ دوسری روایت میں ہے کہ ابوالدرداءؓ نے فرمایا کہ اگر میں امام کو رکوع میں پاؤں تو اس کو پسند کروگا کہ سورۃ فاتحہ رکوع ہی میں پڑھ لوں۔

اس اثر سے صاحب تفسیر ستاری کی بنائی ہوئی عمارت دھڑام سے پیوند زمین ہو جاتی ہے، پس معلوم ہوا کہ رکوع سے حالت نہیں بدلی، بلکہ رکوع میں قیام کی طرح قرأت فاتحہ ہو سکتی ہے پس امام غربا اہلحدیث کا یہ کہنا ہے کہ جیسے شریعت کا یہ حکم ہے کہ کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی، ویسے ہی شریعت کا یہ حکم بھی ہے کہ رکوع میں ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے، یہ احناف کے مسلک کے قوی، وزنی اور معقول ہونے کا اعتراف واقرار ہے۔ جب رکوع میں مقتدی کے ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے اور رکوع میں پڑھنا فرض نہیں، حالانکہ رکوع بحکم قیام ہے تو معلوم ہوا کہ حالت قیام میں بھی مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں بلکہ امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت تصور کی جائے گی۔

حق بات یہ ہے کہ جو لوگ مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو فرض قرار دیتے ہیں، ان کو یا تو داؤد بن علی ظاہری کی طرح اس بات کا قائل ہو جانا چاہیے کہ رکوع پالینے سے رکعت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ یا پھر حضرت ابودرداؓ کی طرح اس بات کے قائل ہو جائیں کہ امام کو رکوع میں پانے والا رکوع کی ہی حالت میں سورۃ فاتحہ پڑھ لے۔ اگر غیر مقلد حضرات جمہور کی طرح اس بات کے قائل ہوں گے کہ رکوع پالینے سے رکعت

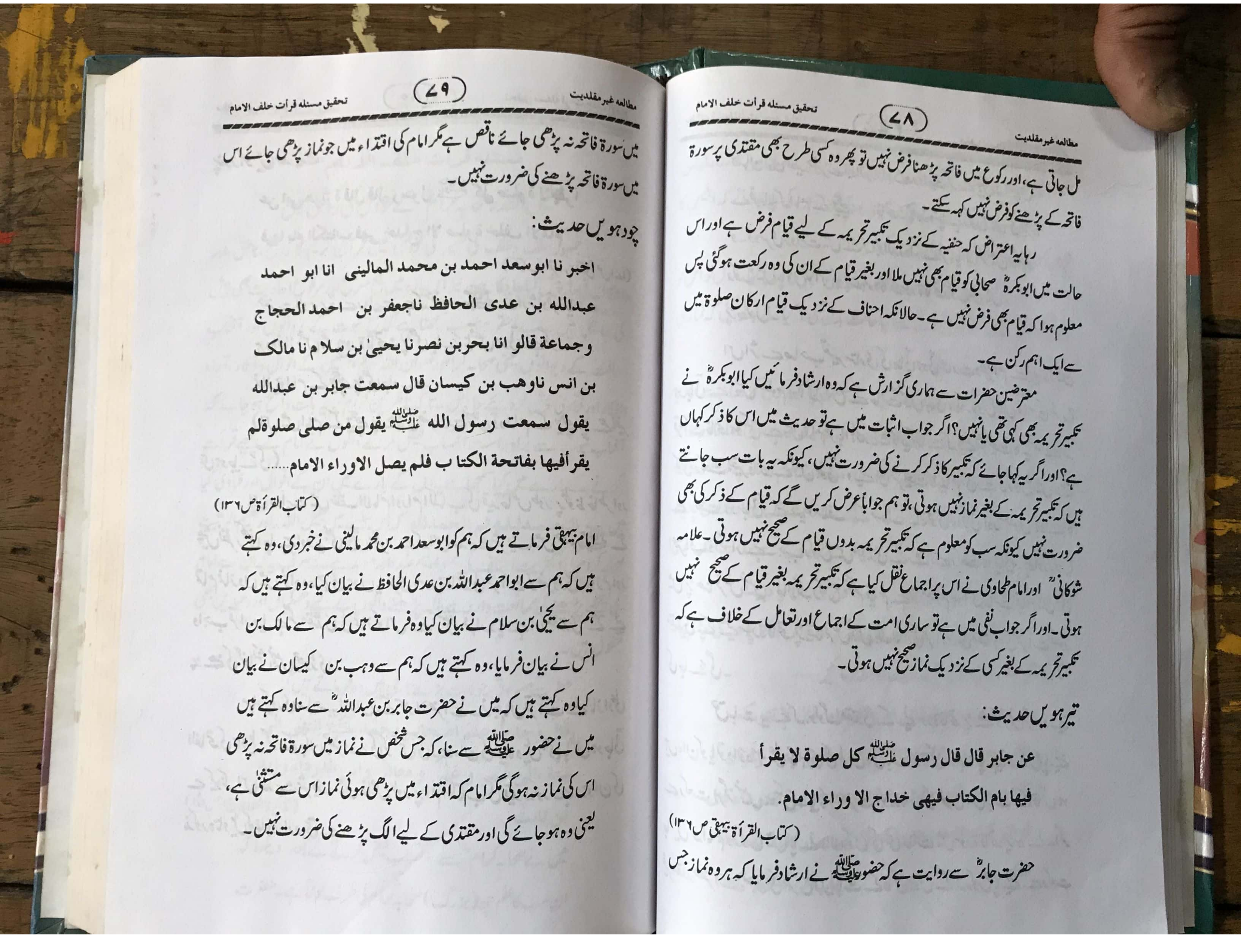

مل جاتی ہے، اور رکوع میں فاتحہ پڑھنا فرض نہیں تو پھر وہ کسی طرح بھی مقتدی پر سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کو فرض نہیں کہہ سکتے۔

رہا یہ اعتراض کہ حنفیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے لیے قیام فرض ہے اور اس حالت میں ابو بکرہؓ صحابی کو قیام بھی نہیں ملا اور بغیر قیام کے ان کی وہ رکعت ہوگئی پس معلوم ہوا کہ قیام بھی فرض نہیں ہے۔ حالانکہ احناف کے نزدیک قیام ارکان صلوۃ میں سے ایک اہم رکن ہے۔

معترضین حضرات سے ہماری گزارش ہے کہ وہ ارشاد فرمائیں کیا ابو بکرہؓ نے تکبیر تحریمہ بھی کہی تھی یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو حدیث میں اس کا ذکر کہاں ہے؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ تکبیر کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، تو ہم جواباً عرض کریں گے کہ قیام کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ تکبیر تحریمہ بدوں قیام کے صحیح نہیں ہوتی۔ علامہ شوکانیؒ اور امام طحاوی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ بغیر قیام کے صحیح نہیں ہوتی۔ اور اگر جواب نفی میں ہے تو ساری امت کے اجماع اور تعامل کے خلاف ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بغیر کسی کے نزدیک نماز صحیح نہیں ہوتی۔

تیرہویں حدیث:

عن جابر قال قال رسول ﷺ کل صلوۃ لا یقرأ فیها بام الکتاب فیھی خداج الا وراء الامام.

(کتاب القرأۃ بیہقی ص۱۳۶)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر وہ نماز جس

میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے ناقص ہے مگر امام کی اقتداء میں جو نماز پڑھی جائے اس میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

چودہویں حدیث:

اخبر نا ابوسعد احمد بن محمد المالینی انا ابو احمد عبدالله بن عدی الحافظ ناجعفر بن احمد الحجاج وجماعة قالو انا بحربن نصرنا یحییٰ بن سلام نا مالک بن انس ناوهب بن کیسان قال سمعت جابر بن عبدالله یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول من صلی صلوةلم یقرأفیها بفاتحة الکتا ب فلم یصل الاوراء الامام......

(کتاب القرأۃ ص۱۳۶)

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ہم کو ابوسعد احمد بن محمد مالینی نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو احمد عبداللہ بن عدی الحافظ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے یحیٰ بن سلام نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے مالک بن انس نے بیان فرمایا، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے وہب بن کیسان نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے سنا وہ کہتے ہیں میں نے حضور ﷺ سے سنا، کہ جس شخص نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوگی مگر امام کہ اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز اس سے مستثنیٰ ہے، یعنی وہ ہو جائے گی اور مقتدی کے لیے الگ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

پندرہویں حدیث:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول ﷺ کل صلوۃ لا یقرا فیھا بام الکتاب فھی خداج الا صلوۃ خلف الامام

(کتاب القراءۃ بیہقی ص ۱۷۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے ناقص ہوتی ہے مگر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جاوے۔

(اس میں امام کے پیچھے پڑھنے کی ضرورت نہیں وہ امام کے پیچھے پڑھے بغیر ہی ہو جائے گی)

اس روایت میں خلف الامام اور ام الکتاب کی قید خاص طور پر ملحوظ خاطر اور پیش نظر رکھنی چاہیے اور یہ بھی پیش نظر رہے کہ اس حدیث شریف میں حضور ﷺ نے تمام نمازوں میں خواہ وہ جہری ہوں یا سری، سورۃ فاتحہ کی قرأت کو ضروری، لازم اور واجب قرار دیا ہے مگر مقتدی کی نماز کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور مقتدی کے لیے پڑھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔

مبارکپوری صاحب اور ان کے ہمنوا حضرات نے جہاں قرأت سے ماز اد علی الفاتحہ کی تاویل کر کے جان چھڑانے کی کوشش کی ہے، ان کی یہ تاویل بھی باطل ہو جاتی ہے کیونکہ اس حدیث شریف میں خاص طور پر ام الکتاب کی قید مذکور ہے، جو ان کی مذکورہ تاویل کو غلط قرار دیتی ہے۔

مسئلہ قرأت خلف الامام

جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے فتووں کی روشنی میں

جمہور سلف وخلف کی تفسیر کی روشنی میں قرآن کریم کا واضح، ناطق، اور واشگاف فیصلہ پیش کیا جا چکا ہے۔ نیز اس بارہ میں صحیح صریح اور مرفوع احادیث بھی پیش کی جا چکی ہیں۔ اب احقر مناسب سمجھتا ہے کہ شمع نبوت کے پروانوں اور آفتاب رسالت کے دیوانوں یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال و آثار، آراء وافکار اور فتاویٰ پیش کر دیئے جائیں۔ تاکہ ناظرین کرام پر یہ بات واضح ہو جائے کہ آفتاب نبوت سے براہ راست اکتساب فیض کرنے والوں نے امام کے پیچھے قرأت کرنے کے بارے میں کیا سمجھا ہے۔ اس کے بارے میں ان کے اقوال اور فتاویٰ کیا ہیں...... **الحمدللہ ثم الحمدللہ** کہ اس سلسلے میں جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابہ کرام کی اکثریت احناف کی ہمنوا، ہم صدا اور موید ہے۔ نہ صرف یہ کہ ان سے امام کی پیچھے پڑھنے کی ممانعت وارد ہے بلکہ پڑھنے والوں کے لیے دھمکیاں اور وعیدیں بھی منقول ہیں۔

حضرت مسروق جو بہت بڑے تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ......

قَالَ وَجَدتُّ عِلْمَ اَصْحَابِ مُحَمَّد ﷺ اِنْتَھٰی اِلٰی سِتَّةٍ ،اِلٰی عُمَرؓ وَ عَلِیؓ و معاذؓ وابی الدرداءؓ وزید بن ثابتؓ .

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۲۵)

میں نے صحابہ کرامؓ سے اکتساب فیض کرنے کے بعد دیکھا کہ ان سب کا علم چھ (بزرگ) صحابہ کرام کی طرف لوٹتا ہے۔ حضرت

عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ ۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری دینی مسائل کی نشرواشاعت اور ترویج کے لحاظ سے صحابہ کرامؓ کو تین طبقوں پر منقسم کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ ایک طبقہ وہ ہے جس سے دینی مسائل کی نشرواشاعت اور ترویج کم ہوئی۔ دوسرا وہ طبقہ ہے جو اس بارے میں متوسط رہا ہے اور تیسرا وہ طبقہ ہے جس سے دینی مسائل واحکام کی نشرواشاعت اور ترویج بہت زیادہ ہوئی۔

مبارکپوری صاحب کی عبارت ملاحظہ فرمائیے......

وكان المكثرون منهم سبعة عمرؓ بن الخطاب وعلیؓ بن ابی طالب وعبدالله بن مسعودؓ و عائشة ام المومنینؓ وزیدبن ثابتؓ و عبدالله بن عباسؓ وعبدالله بن عمرؓ .

جن صحابہ کرامؓ سے دین کی بہت زیادہ نشرواشاعت ہوئی ہے ان میں سے یہ سات حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں، حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت علیؓ ابن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔

حسن اتفاق سے مذکورہ جلیل القدر وعظیم المرتبت صحابہ کرامؓ کی اکثریت اس بارہ میں (امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے کے سلسلے میں) احناف کثر اللہ سوادہم کے ساتھ ہے۔ **فلله الحمد على ذلك**۔ اب صحابہ کرامؓ کے فتوے ملاحظہ فرمائیں۔

فتویٰ حضرت زید بن ثابتؓ:

عن عطاء اِنَّهٗ سَاَلَ زَيُدَ بن ثَابِتٍ عَنِ الُقِرَاْ ةِ مع الامام فَقَالَ لا قِرَاْةَ مَعَ الاِمَامِ فِیُ شَئُيٍ مِنَ الصَّلٰوةِ.

(مسلم شریف ج۱ ص۲۱۵ ـ نسائی شریف ج۱ ص۱۱۱ ـ مسند ابوعوانہ ج۲ ص۲۰۷ ـ طحاوی شریف ص۱۰۸)

حضرت عطا بن یسار فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ثابتؓ سے امام کے پیچھے پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں (خواہ جہری ہو یا سری) کوئی قرأت نہیں کی جا سکتی۔

مصنف ابن ابن شیبہ اور موطا امام محمد میں حضرت زید بن ثابتؓ کا یہ فتویٰ ان الفاظ میں منقول ہے۔

عن زيد بن ثابت قال من قرأ خلف الامام فلا صلوة له

(موطا امام محمد ص۴۶) (مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۷۶، ج۱)

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ ص۳۷۶ میں) حضرت ابن ثوبان نے حضرت زید بن ثابتؓ کا یہ اثر بایں الفاظ نقل فرمایا ہے۔

عن ابن ثَوبَانِ عن زيد بن ثابتؓ قال لا يَقُرَأ خَلُفَ الاِمَامِ اِنُ جَهَرَ وَاِنُ خَافَتَ.

حضرت ثوبان حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت کرتے ہیں، امام

کے پیچھے نہ پڑھا جائے امام بلند آواز سے پڑھتا ہو یا پست آواز سے۔

حضرت زید بن ثابتؓ کا یہ فتویٰ اس امر کی واضح اور بین دلیل ہے کہ امام کے ساتھ مقتدی کو کسی نماز میں کسی قسم کی قرأت کا کوئی حق نہیں۔

فتویٰ حضرت عبداللہ بن عمرؓ :

عن ابن عمرؓ قال اذا صلّٰی اَحَدُ کُم خَلفَ الاِمَامِ فَحَسْبُهُ قِرَائَةُ الاِمَامِ وَاِذَا صَلّٰی وَحْدَهُ فَلْيَقْرَأ وَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ بنُ عَمَرَ لا يَقْرَاُخَلْفَ الاِمَامِ.

(موطا امام مالک ص ۲۹، طحاوی شریف ص ۱۲۹، موطا امام محمد ص ۴۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ تم میں سے جب کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کو امام کی قرأت ہی کافی ہے اور جب اکیلا اور تنہا پڑھے تو اس کو پڑھنا چاہیے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ امام کے پیچھے نہیں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ کا یہ اثر موطا امام محمد میں ان الفاظ سے روایت کیا گیا ہے۔

عن ابن عمرؓ قال من صلی خلف الامام کفتہ قرأتہ۔

(موطا امام محمد ص ۴۳)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ جس شخص نے امام کی اقتداء میں نماز پڑھی، اس کے لیے امام کی قرأت ہی کافی ہے۔

فتویٰ حضرت جابر بن عبداللہؓ :

عن وهب بن كَيْسَانَ اِنَّهُ سَمِعَ جَابِرَبن عبدُاللّٰهِ يَقُوْلُ

مَنْ صَلّٰى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَا فِيْها بِاُمِّ القرآن فَلَمْ يُصَلِّ اِلا وَرَاءَ الاِمَامِ.

(موطا امام محمد ص ۴۲)

وہب بن کیسان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے سنا کہ جس شخص نے کوئی رکعت بغیر سورۃ فاتحہ کے پڑھی، اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے (یعنی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ) پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس اثر میں مبارکپوی صاحب کی یہ تاویل نہیں چل سکتی کہ قرأت سے مراد جہر ہے کیونکہ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص کوئی رکعت پڑھے اور اس میں سورۃ فاتحہ جہر سے نہ پڑھے اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے زور سے نہ پڑھے اس سے یہ لازم آئے گا کہ منفرد پر سورۃ فاتحہ زور سے پڑھنا واجب ہے حالانکہ اہل اسلام میں سے اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فتویٰ :

عن ابن مسعودؓ قال انصت للقران کما امرت فان فی الصلوۃ شغلا وسیکفیک ذالک الامام

(طحاوی شریف ص ۱۰۷۔ موطا امام محمد ص ۴۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۶)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ امام کے پیچھے قرآن کے لیے خاموش رہو کیونکہ نماز میں (دوسرا) شغل ہے (یعنی قرآن کے اوامر ونواہی اور وعدو وعید پر غور کرنا) اور تم کو قرأت کے بارے میں امام کافی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا دوسرا فتویٰ :

لیت الذی یقرأ خلف الامام ملئ فوہ ترابا......

(طحاوی شریف ص۱۰۷)

وہ شخص جو امام کے پیچھے پڑھتا ہے کاش کہ اس کا منہ مٹی سے بھر جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فتویٰ:

امام عبدالرزاق اپنے مصنف میں داؤد بن قیس سے اور وہ محمد بن عجلان سے روایت کرتے ہیں۔

قال علیؓ من قرأ مع الامام فلیس علی الفطرۃ

(مصنف عبدالرزاق ج۲،ص۱۳۷۔ دار قطنی ج۱،ص۱۲۱۔ طحاوی ج۱،ص۱۰۷)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جس شخص نے امام کے پیچھے پڑھا، وہ فطرت (سنت) پر نہیں ہے یعنی وہ سنت پر عامل نہیں بلکہ بدعت کا پیرو کار ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ فتویٰ مصنف ابن ابی شیبہ میں ان الفاظ سے مروی ہے......

من قرأ خلف الا مام فقد اخطأ الفطرۃ

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۱،ص۳۷۶)

جس نے امام کے پیچھے پڑھا اس نے سنت کی خلاف ورزی اور مخالفت کی۔

مصنف عبدالرزاق اور کنز العمال میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ

اثر بایں الفاظ منقول ہے۔

عن علیؓ ان علیا قال من قرا خلف الامام فلا صلوۃ لہ

(مصنف عبدالرزاق ج۲،ص۱۳۹۔ کنز العمال ج۸،ص۱۸۴)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز نہیں ہوتی۔

فتویٰ حضرت عبداللہ بن عباسؓ :

عن ابی جمرۃؓ قال سألت عبداللہ بن عباسؓ اقرأ والا مام بین یدی قال لا (طحاوی شریف ج۱،ص۱۲۹)

حضرت ابو جمرۃؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ جب امام میرے آگے قرأت کر رہا ہو تو کیا میں بھی قرأت کروں؟ (پڑھو) انہوں نے فرمایا نہیں،

اس اثر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے صاف طور پر مقتدیوں کو امام کے پیچھے پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا دوسرا فتویٰ :

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سوال کیا گیا۔

ان ناسا یقرؤن فی الظھر والعصر فقال لو کان لی سبیل لقلعت السنتھم.

(طحاوی شریف ج۱،ص۱۲۱)

کہ کچھ لوگ ظہر اور عصر کی نماز میں (امام کے پیچھے) قرأت کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر میرا

بس چلے تو میں ان کی زبانیں (گدی سے) کھینچ لوں۔

حضرت ابن عباسؓ کے اس فتویٰ میں اگرچہ خلف الامام کی قید مذکور نہیں مگر معمولی غور وخوض، ادنیٰ سوچ و بچار، اور تھوڑے سے تفکر و تدبر کے بعد یہ بات بخوبی واضح، واشگاف اور روشن ہو جاتی ہے کہ امام اور منفرد کے لیے تو بالاتفاق پڑھنا ضروری ہے۔ امام اور منفرد کے بارے میں تو یہ شدید دھمکی ہو ہی نہیں سکتی، لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ وعید شدید امام کے پیچھے قرأت کرنے والوں کے بارے میں ہے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کا فتویٰ :

عن عمر بن الخطاب قال ليت فی فم الذی يقرأ خلف الامام حجرا.

(موطا امام محمد ص ۹۸ مصنف عبدالرزاق ج ۲، ص ۱۳۸)

حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے پڑھنے والوں کے منہ میں پتھر پڑ جائیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عمرؓ کا فتویٰ بایں الفاظ منقول ہے۔

عن نافع وانس بن سيرين قال قال عمر بن الخطاب تكفيك قرأته.

(الامام، مصنف ابن شیبہ ج ۱، ص ۳۷۶)

حضرت نافع اور انس بن سیرین سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا کہ مقتدی کو امام کی قرأت کافی ہے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا فتویٰ :

عن سعدؓ قال وددت الذی يقرا خلف الامام فی فيه جمرة.

(موطا امام محمد ص ۹۸۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱، ص ۳۷۶)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میری تمنا اور خواہش ہے کہ امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں انگارے بھر جائیں۔

فتویٰ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، زید بن ثابتؓ اور جابر بن عبداللہؓ:

عن عبدالله بن مقسم انه سأل عبدالله بن عمروؓ زيدؓ بن ثابت و جابرؓ بن عبدالله فقالو الايقرأ فی شئ من الصلوات ……

(طحاوی شریف ص ۱۰۷)

عبید بن مقسم سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ، زید بن ثابتؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ سے امام کے پیچھے پڑھنے کے بارہ میں دریافت کیا تو ان سب حضرات نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں بھی (سری ہو یا جہری) قرأت نہ کی جائے۔

فتویٰ حضرات خلفاء راشدینؓ :

اخبرنی موسی بن عقبة از رسول ﷺ وابا بكرؓ و عمرؓ وعثمانؓ كا نوا ينهون عن القرائة خلف الامام

(مصنف عبدالرزاق ج ۲، ص ۱۳۹)

امام عبدالرزاقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے موسیٰ بن عقبہ نے خبر دی کہ رسول ﷺ اور ابو بکرؓ صدیق اور عمرؓ فاروق اور عثمان غنیؓ امام کے

پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

ستر بدری صحابہ کرامؓ کا فتویٰ:

قال الشعبیؒ ادرکت سبعین بدریا کلھم یمنعون المقتدی عن القرائۃ خلف الا مام.

(روح المعانی ج۹،ص۱۵۲)

حضرت شعبیؒ جو بہت بڑے تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے ستر بدری صحابہ کرامؓ کو پایا وہ سب کے سب امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

مسئلہ قراءۃ خلف الامام

تابعین عظام کے فتووں کی روشنی میں

ناظرین کرام! صحابہ کرام کے اقوال و آثار پیش کیے جا چکے ہیں۔ اب تابعین عظام کے کچھ آثار و فتاویٰ پیش کیے جاتے ہیں تاکہ ناظرین کرام معلوم کرسکیں کہ خیر القرون کے درخشندہ ستاروں اور آسمان ہدایت کے روشن سیاروں تابعین عظام کا قرأت خلف الامام کے بارے میں مسلک کیا تھا۔ انہوں نے اس بارے میں قرآن وحدیث سے کیا سمجھا ہے۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ کا فتویٰ :

عن مغیرۃ عن ابراھیم انہ کان یکرہ القرأۃ خلف الامام و کان یقول تکفیک قرأۃ الامام.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۱،ص۳۷۷)

حضرت مغیرہ حضرت ابرہیم نخعی سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نخعی امام کے پیچھے پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ مقتدی کو امام کی قرأت ہی کافی ہے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ کا فتویٰ :

عن ابن بشر عن سعیدؓ بن جبیر قال سألتہ عن القرأۃ خلف الامام قال لیس خلف الامام قرأۃ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۱،ص۳۷۷)

حضرت ابو بشرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن جبیرؒ سے امام کے پیچھے پڑھنے کے بارہ میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی قسم کی قرأت نہیں یعنی سری اور جہری دونوں قسم کی نمازوں میں قرأت نہیں۔

حضرت سعید بن مسیبؒ کا فتویٰ :

عن قتادۃ عن ابن المسیب قال انصت للا مام……

(کتاب القراءۃ ص۹۱)

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا کہ امام کی قرأت کے لیے خاموش رہو، یعنی امام کے پیچھے قرأت کی ضرورت نہیں۔

حضرت محمد بن سیرینؒ کا فتویٰ :

عن محمدؒ قال لا اعلم القرأة خلف الامام من السنة

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳۷۷، ج۱)

حضرت محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ میں امام کے پیچھے پڑھنے کو سنت نہیں سمجھتا یعنی میرے نزدیک امام کے پیچھے پڑھنا سنت کی خلاف ورزی کرنا اور بدعت کا ارتکاب کرنا ہے۔

حضرت علقمہ بن قیس کا فتویٰ :

عن ابی اسحاق ان علقمه بن قیس قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام ملئ فوه ترابا اورضفا.

(مصنف مدالرزاق ج۲،ص ۱۳۹۔ موطا امام محمد ص ۴۵)

حضرت ابواسحٰق فرماتے ہیں کہ میری تمنا ہے کہ امام کے پیچھے پڑھنے والے کا منہ مٹی یا گرم پتھر سے بھرا جائے۔

حضرت اسود بن یزیدؒ کا فتویٰ :

عبدالرزاقؒ بن ہمام اپنے مصنف میں سفیان ثوریؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ امام اعمش اور وہ ابراہیم نخعی اور وہ اسود بن یزیدؒ سے وہ فرماتے ہیں......

قال وددت ان الذی یقرأخلف الا مام ملئ فوه ترابا

(مصنف عبدالرزاق ج۲،ص۱۳۹

میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے پڑھے اس کا منہ مٹی سے بھر جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۱،ص۳۷۶ میں) حضرت اسود بن یزیدؒ سے یہ فتویٰ ان الفاظ سے مروی ہے......

عن الاسودبن یزید لان اعض علی جمرة احب الی ان اقرأ خلف الامام......

امام کے پیچھے پڑھنے سے میرے لیے یہ زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں منہ میں انگارہ رکھ لوں۔

حضرت عمرو بن میمونؒ کا فتویٰ :

عن اشعث عن مالک بن عمارة قال سئلت لا ادریکم رجل من اصحا ب عبدالله بن مسعودؓ کلهم یقولون لا یقرأخلف الا مام منهم عمرو بن میمون. (مصنف ابن ابی شیبہ ج۱،ص۳۷۷)

اشعث حضرت مالک بن عمارة سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بے شمار شاگردوں سے (امامکے پیچھے پڑھنے کے بارہ میں سوال کیا) ان سب نے (بالا تفاق) کہا کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے وہ شاگرد جن سے میں نے اس بارہ میں سوال کیا ان میں سے حضرت عمرو بن میمونؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت ضحاکؒ کا فتویٰ :

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے......

کان الضحاک ینھی عن القرأۃ خلف الامام

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۳۷۷)

حضرت ضحاک تابعیؒ امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عروہ بن زبیر کا فتویٰ:

ہشام بن عروہ اپنے والد ماجد حضرت عروہؒ بن زبیر سے روایت فرماتے ہیں

انہ کان یقرا خلف الامام اذا لم یجھر فیہ الامام

(موطا امام مالکؒ کتاب القراءۃ ص ۱۰۰)

کہ عروہؒ بن زبیر امام کے پیچھے صرف سری نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔

مسئلہ قرأت خلف الامام تبع تابعین کے فتووں کی روشنی میں

حضرت سفیان بن عیینہؒ:

امام سفیان بن عیینہؒ جو تبع تابعین میں بڑا اونچا اور ممتاز مقام رکھتے ہیں، وہ امام کے پیچھے مطلقاً (سری اور جہری دونوں میں) قرأت کو جائز نہیں سمجھتے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کی مرفوع حدیث **لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعدا** کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ حدیث شریف ''

لمن یصلی وحدہ (ابوداؤد ج ا ص ۱۱۹) اس شخص کے لیے ہے جو تنہا نماز پڑھتا ہو۔ یعنی یہ حدیث منفرد کے بارے میں ہے کہ منفرد کے لیے پڑھنا ضروری ہے۔ مقتدی کے حق میں نہیں اس لیے کہ مقتدی کے لیے امام کی قرأت ہی کافی ہے۔

امام سفیان بن عیینہؒ کے اس ارشاد (**ھذا لمن یصلی وحدہ**) سے یہ بات بالکل عیاں اور الم نشرح ہو جاتی ہے کہ ان کے نزدیک مقتدی کے لیے امام کے پیچھے مطلقاً پڑھنا جائز نہیں۔

حضرت سفیان ثوری :

حضرت سفیان ثوری سری اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے کسی قسم کی قرأت ک قائل نہیں تھے، چنانچہ مبارکپوری صاحب تحفہ الاحوذی میں لکھتے ہیں......

قال سفیان الثوری واصحاب الرای لایقرأ خلف الامام فیما جھر واسر.

(تحفۃ الاحوذی ص ۲۵۷)

سفیان ثوریؒ اور اصحاب رائے کا مذہب یہ ہے کہ امام کے پیچھے سری اور جہری نمازوں میں نہ پڑھا جائے۔

امام عبداللہ بن وہبؒ :

رئیس المحققین، سید المحدثین، سند المفسرین امام العصر حضرت العلام جناب مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ امام عبداللہ بن وہبؒ کا مسلک بھی امام ابن عیینہؒ کی طرح یہ ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے۔

(فصل الخطاب ص ۸۰)

امام اوزاعیؒ :

اماوزاعیؒ بھی امام کے پیچھے جہری نمازوں میں قرأت کی فرضیت کے قائل نہ تھے، صرف سری نمازوں میں قائل تھے وہ بھی استحبابی طور پر نہ کہ وجوباً چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں۔

ومذهب طائفة کا لا وزاعی وغیره من الشامیین یقرأها استحبابا.

(فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۶۷)

امام اوزاعی اوران کے علاوہ شام کے علماء کا مسلک یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا صرف مستحب ہے یعنی اگر نہ پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ :

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بھی امام کے پیچھے پڑھنے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے، بلکہ جہری نمازوں میں پڑھنے سے روکتے تھے اور سری میں پڑھنے کی صرف اجازت دیتے تھے، اور اس کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام بخاری جزء القرأۃ میں لکھتے ہیں **قال ابو وائل عن ابن مسعودؓ قال انصت للا مام وقال ابن المبارک ان هذا فی الجهر و انما یقرأ خلف الامام فیما سکت الامام**

(جزء القرأۃ ص ۱۲)

ابووائل حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ امام کے پیچھے خاموش رہا کرو۔ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ اس سے

معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرنی چاہیے، اور سری نمازوں میں پڑھ لینا چاہیے، وہ بھی وجوبی طور پر نہیں۔

مولانا عبدالرحمان صاحب مبارکپوری تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں

فان عبدالله بن مبارک لم یکن من القائلین بوجوب القرأة خلف الامام.

(تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۵۷)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو امام کے پیچھے قرأت کرنے کو ضروری قرار دیتے تھے۔ امام زہریؒ، امام مالکؒ، امام ابن مبارکؒ اور امام احمدؒ اور امام اسحٰقؒ فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں مقتدی کو نہیں پڑھنا چاہیے اور سری میں پڑھ لینا چاہیے۔

امام زہریؒ:

حضرت امام زہری جیسے عظیم محدث بھی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری (مشہور غیر مقلد عالم) تحفۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں......

قال الزهریؒ و مالکؒ وابن المبارکؒ واحمدؒ و اسحقؒ یقرأ فیما اسر الا مام فیه ولا یقرأ فیما جهر به

(تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۵۰، مغنی ابن قدامہ ص ۱۰۹)

امام اسحٰقؒ :

مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری نے مذکورہ بالا عبارت میں امام اسحٰقؒ بن راہویہ کا بھی مسلک بیان کیا ہے جو امام زہریؒ اور امام مالکؒ ، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور امام احمدؒ بن حنبل کا تھا کہ جہری نمازوں میں نہیں پڑھنا چاہیے۔

علامہ ابو الفضل شہاب الدین السید محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ اپنی مشہور اور بے نظیر کتاب ''تفسیر المعانی'' میں لکھتے ہیں......

وذهب قوم الیٰ ان الماموم يقرا اذا اسر الامام ولا يقرا اذا جهر وهو قول عروة بن زبير واحمد واسحق.

(روح المعانی ص ۱۵۱)

علماء کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی سری نمازوں میں پڑھے اور جہری میں نہ پڑھے۔ یہی قول حضرت عروہ بن زبیر کا اور امام احمدؒ اور امام اسحٰقؒ کا ہے۔

امام لیث بن سعدؒ :

اہل مصر کے امام حضرت لیث بن سعدؒ بھی امام کے پیچھے پڑھنے کو ضروری نہیں سمجھتے، چنانچہ امام ابن قدامہؒ رقمطراز ہیں......

وهذا مالکؒ فی اهل الحجاز وهذا الثوری فی اهل العراق وهذا الاوزاعیؒ فی اهل الشام وهذا ليث فی اهل مصر ما قالوا الرجل صلی وقرأ امامه ولم يقرأ هو صلوته باطلة.

(معنی ابن قدامہ ص ۱۰۶، ج ۱)

یہ اہل حجاز کے امام مالکؒ ہے، اور یہ امام ثوری ہیں جو اہل عراق کے امام ہیں اور یہ امام اوزاعیؒ ہیں جو اہل شام کے امام ہیں، اور یہ لیث بن سعد امام اہل مصر ہیں، ان آئمہ مذکورہ میں کسی نے بھی یہ فتویٰ نہیں دیا کہ جب امام قرأت کر رہا ہو اور مقتدی نہ پڑھے تو اس کی نماز باطل اور بیکار ہوتی ہے۔

حضرت آئمہ مجتہدینؒ اور قرأت خلف الامام

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک

حضرت امام اعظمؒ امام کے پیچھے مطلقاً سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل نہ تھے نہ جہری اور نہ سری میں۔

تفسیر ستاری کے مؤلف کی غلط بیانی اور دروغ گوئی :

تفسیر ستاری کا مؤلف تفسیر ستاری کے ص ۳۵۶ پر لکھتا ہے......

''آیئے ہم آپ کو بتائیں کہ امام صاحب کے اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول قدیم اور دوسرا قول جدید، علامہ شعرانی نے میزان کبریٰ میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگرد امام محمدؒ کا یہ قول کہ مقتدی کو الحمد نہیں پڑھنی چاہیے، ان کا قدیم (پرانا) قول ہے۔ امام صاحبؒ اور امام محمدؒ نے اپنے اس پرانے قول سے رجوع کر لیا اور مقتدی کے لیے الحمد پڑھنے کو مستحسن اور مستحب قرار دیا ہے''

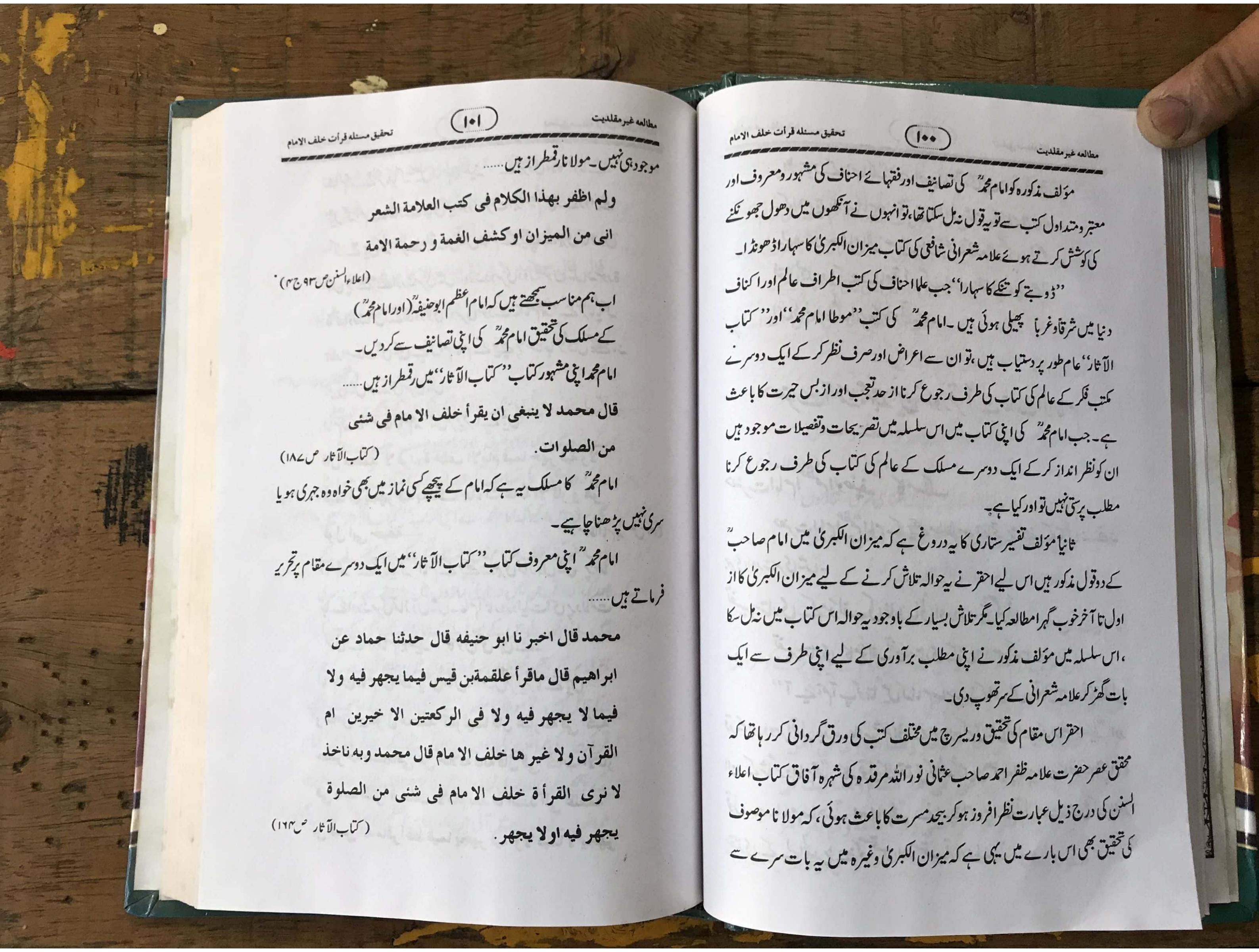

مؤلف مذکورہ کو امام محمدؒ کی تصانیف اور فقہائے احناف کی مشہور ومعروف اور معتبر ومتداول کتب سے تو یہ قول نہ مل سکتا تھا، تو انہوں نے آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتے ہوئے علامہ شعرانی شافعی کی کتاب میزان الکبریٰ کا سہارا ڈھونڈا۔ ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' جب علما احناف کی کتب اطراف عالم اور اکناف دنیا میں شرقاً وغرباً پھیلی ہوئی ہیں۔ امام محمدؒ کی کتب ''موطا امام محمد'' اور ''کتاب الآثار'' عام طور پر دستیاب ہیں، تو ان سے اعراض اور صرف نظر کر کے ایک دوسرے مکتب فکر کے عالم کی کتاب کی طرف رجوع کرنا از حد تعجب اور از بس حیرت کا باعث ہے۔ جب امام محمدؒ کی اپنی کتاب میں اس سلسلہ میں تصریحات وتفصیلات موجود ہیں ان کو نظر انداز کر کے ایک دوسرے مسلک کے عالم کی کتاب کی طرف رجوع کرنا مطلب پرستی نہیں تو اور کیا ہے۔

ثانیاً مؤلف تفسیر ستاری کا یہ دروغ ہے کہ میزان الکبریٰ میں امام صاحبؒ کے دو قول مذکور ہیں اس لیے احقر نے یہ حوالہ تلاش کرنے کے لیے میزان الکبریٰ کا از اول تا آخر خوب گہرا مطالعہ کیا۔ مگر تلاش بسیار کے باوجود یہ حوالہ اس کتاب میں نہ مل سکا، اس سلسلہ میں مؤلف مذکور نے اپنی مطلب برآوری کے لیے اپنی طرف سے ایک بات گھڑ کر علامہ شعرانی کے سر تھوپ دی۔

احقر اس مقام کی تحقیق وریسرچ میں مختلف کتب کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ محقق عصر حضرت علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ کی شہرہ آفاق کتاب اعلاء السنن کی درج ذیل عبارت نظر افروز ہو کر بیحد مسرت کا باعث ہوئی، کہ مولانا موصوف کی تحقیق بھی اس بارے میں یہی ہے کہ میزان الکبریٰ وغیرہ میں یہ بات سرے سے

موجود ہی نہیں۔ مولانا رقمطراز ہیں......

ولم اظفر بهذا الكلام فی كتب العلامة الشعرانی من الميزان او كشف الغمة و رحمة الامة

(اعلاء السنن ص ۹۳ ج ۴)

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ (اور امام محمدؒ) کے مسلک کی تحقیق امام محمدؒ کی اپنی تصانیف سے کر دیں۔

امام محمد اپنی مشہور کتاب ''کتاب الآثار'' میں رقمطراز ہیں......

قال محمد لا ينبغی ان يقرأ خلف الا مام فی شئی من الصلوات.

(کتاب الآثار ص ۱۸۷)

امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں بھی خواہ وہ جہری ہو یا سری نہیں پڑھنا چاہیے۔

امام محمدؒ اپنی معروف کتاب ''کتاب الآثار'' میں ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں......

محمد قال اخبر نا ابو حنيفه قال حدثنا حماد عن ابراهيم قال ماقرأ علقمةبن قيس فيما يجهر فيه ولا فيما لا يجهر فيه ولا فی الركعتين الا خيرين ام القرآن ولا غير ها خلف الا مام قال محمد وبه ناخذ لا نری القرأة خلف الا مام فی شئی من الصلوة يجهر فيه اولا يجهر.

(کتاب الآثار ص ۱۶۴)

امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہمیں امام ابوحنیفہؒ نے خبر دی، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حماد نے بیان کیا، وہ حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علقمہ بن قیس امام کے پیچھے نہ جہری نمازوں میں پڑھتے تھے اور نہ سری میں، اور نہ دوسری دو رکعتوں میں نہ سورۃ فاتحہ اور نہ اس کے علاوہ کوئی دوسری سورت۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہمارا مسلک بھی یہی ہے کہ ہم امام کے پیچھے پڑھنا جائز نہیں سمجھتے، نہ جہری میں اور نہ ہی سری میں……

امام محمدؒ، ”موطا امام محمدؒ“ میں تحریر فرماتے ہیں……

قال محمدؒ لا قراءة خلف الامام فیما جهر فیه ولا فیما لم یجهر فیه بذلک جاءت عامة الآثار و هو قول ابی حنیفة……

(موطا امام محمدؒ ص۴۳)

امام محمدؒ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے نہ جہری نمازوں میں پڑھا جائے اور نہ سری نمازوں میں۔ عام آثار و روایات اسی پر دلالت کرتی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا قول بھی یہی ہے۔

امام ابن ہمامؒ فتح القدیر ج۱، ص۲۴۱ میں تحریر فرماتے ہیں……

والحق ان قول محمد کقولهما فان عباراته فی کتبه مصرحة بالتجافی عن خلافه فانه قال فی کتاب الآثار فی باب القرأة خلف الامام بعد ما اسند الی علقمة بن قیس انه ماقرأ قط فیما یجهر فیه ولا فیما لا یجهر

فیه قال وبه ناخذ لا نری القرأة خلف الامام فی شیٔ من الصلوٰة یجهر فیه اولا یجهر فیه وفی موطئه بعد ان روی فی منع القرأة فی شیٔ الصلوٰة ما روی قال قال محمد لا قرأة خلف الامام فیما جهر فیه وفیما لا یجهر بذلک جاءت عامة الاخبار وهو قول ابی حنیفةؓ .

(فتح القدیر ج۱، ص۲۴۱)

حق بات یہ ہے کہ امام محمدؒ کا قول بھی (امام کے پیچھے نہ پڑھنے کے بارہ میں) امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ جیسا ہے۔ اس لیے کہ امام محمدؒ کی تصانیف کی عبارات اس اختلاف کی صراحتاً نفی کرتی ہیں، کیونکہ امام محمدؒ نے اپنی کتاب ”کتاب الآثار“ میں باب القرأۃ خلف الامام میں علقمہ بن قیس تک سند پہنچانے کے بعد کہا کہ علقمہ بن قیس نہ جہری نمازوں میں پڑھتے تھے اور نہ سری میں۔ امام محمد نے اس کے بعد فرمایا کہ ہمارا مسلک بھی یہی ہے کہ ہم امام کے پیچھے جہری اور سری نمازوں میں مطلقاً قرأت کے جواز کے قائل نہیں ”موطا امام محمد“ میں بھی امام محمد نے امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت کی روایت بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ امام کے پیچھے جہری اور سری نمازوں میں نہ پڑھنا چاہیے۔ عام روایت ممانعت کے بارے میں آئی ہیں، اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول بھی

یہی ہے۔

امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کا مسلک جب امام محمدؒ کی تصانیف میں بڑی صراحت اور وضاحت سے مرقوم و مسطور ہے، تو ان کو چھوڑ کر دوسرے مکتب فکر کے عالم کی کتب سے استدلال کرنا دراں حالیکہ وہ حوالہ اس کتاب میں مذکور و مسطور اور مرقوم و منقول بھی نہ ہو، انتہائی دیدہ دلیری انتہائی ناانصافی اور انتہائی کذب بیانی ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ

ثانیاً بالفرض اگر امام محمدؒ کا یہ قول کہ وہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنے کو مستحسن سمجھتے تھے، صحیح بھی ہو تو پھر بھی اس سے فریق ثانی کا مدعی ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ غیر مقلدین کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جہری اور سری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور امام محمدؒ کی عبارت سے زیادہ سے زیادہ استحباب واستحسان ثابت ہوتا ہے اور وہ بھی سری نمازوں میں تو اس سے غیر مقلدین کا دعویٰ جو کہ امام کے پیچھے سب نمازوں میں سورۃ فاتحہ کی فرضیت کا ہے کیسے ثابت ہوا؟ دعویٰ اور دلیل میں مطابقت شرط ہے جو یہاں معدوم ومفقود ہے۔

امام مالکؒ کا مسلک:

امام دارالہجرۃ حضرت امام مالکؒ بھی امام کے پیچھے جہری نمازوں میں مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے حق میں نہ تھے اور سری نمازوں میں گو پڑھنے کی اجازت دیتے تھے، لیکن وجوب وفرضیت کے قائل نہیں۔ چنانچہ موطا امام مالک میں مرقوم ہے۔

قال یحییٰ سمعت مالکاؒ الامر عندنا ان یقرأ الرجل

ورأ الامام فیما لا یجھر فیہ الا مام بالقرأۃ و یترک القرأۃ فیما یجھر فیہ الامام بالقرأۃ.

(موطا امام مالک ص۲۹)

(امام مالک کے مشہور شاگرد) امام یحییٰ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے سنا کہ ہمارا مسلک یہ ہے کہ آدمی (مقتدی) امام کے پیچھے سری نمازوں میں پڑھے اور جہری نمازوں میں نہ پڑھے۔

مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں......

وقال الزھری ومالک وابن المبارک واحمد و اسحق یقرأ فیما اسرفیہ ولا یقرا فیما جھر بہ

(تحفۃ الاحوذی ج۱، ص۲۵۷)

امام زہریؒ، امام مالکؒ، حضرت عبداللہ بن مبارک، امام احمد اور امام اسحٰق فرماتے ہیں کہ سری نمازوں میں مقتدی قرأت کرسکتا ہے۔ اور جن نمازوں میں امام بلند آواز سے پڑھتا ہے، ان میں مقتدی کے لیے پڑھنے کی گنجائش نہیں۔

امام موفق الدین قدامہ حنبلیؒ رقمطراز ہیں......

وجملۃ ذلک ان القرأۃ غیر واجبۃ علی الماموم فیما جھر بہ الامام ولا فیما اسر نص علیہ احمد فی روایۃ الجماعۃ وبذالک قال الزھریؒ والثوریؒ وابن عیینہؒ ومالکؒ وابو حنیفۃؒ واسحق......

(مغنی ابن قدامہ ص۶۰۹)

حاصل کلام یہ کہ مقتدی پر قرأت واجب نہیں نہ جہری نمازوں میں اور نہ سری نمازوں میں۔ امام احمد بن حنبل نے یہ صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے جیسا کہ علماء کرام کی ایک جماعت نے ان سے نقل کیا ہے۔ امام زہریؒ ، سفیان ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام اسحٰقؒ کا مسلک یہی ہے۔

مذکورہ تصریحات سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور واضح ہوا کہ امام مالکؒ کے نزدیک سری اور جہری دونوں قسم کی نمازوں میں مقتدی پر قرأت واجب نہیں۔ جہری نمازوں میں تو ان کے نزدیک پڑھنا منع ہے۔ سری نمازوں میں پڑھنے کی صرف اجازت ہے۔

امام شافعیؒ کا مسلک :

امام شافعیؒ کے مسلک کو سمجھنے میں بڑے بڑے حضرات کی ٹھوکر کھائی ہے۔ کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا۔

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ دوسرے علماء کے اقوال پیش کرنے کے بجائے خود امام شافعیؒ کی اپنی کتاب ’’کتاب الام‘‘ سے ان کا مسلک نقل کردیں۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ ’’کتاب الام‘‘ امام شافعیؒ کی جدید تصانیف میں سے ہے، یہ کتاب ان کتب جدیدہ میں سے ہے جو انہوں نے مصر میں تصنیف کیں۔ لہذا اگر ان کی کسی قدیم کتاب میں اس کے خلاف نظر آئے تو یہ قول جدید ان کے قول قدیم کے لیے ناسخ تصور ہوگا۔

امام شافعی اپنی کتاب ’’کتاب الام‘‘ میں رقمطراز ہیں......

ونحن نقول کل صلوۃ صلیت خلف الامام والامام

و یقرأء قرأۃ لا یسمع فیما قرأ فیھا.

(کتاب الام ص ۱۵۳، ج ۷)

’’اور ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے اور امام ایسی قرأت کرتا ہو جو سنی نہ جاتی ہو (آہستہ پڑھتا ہو) تو مقتدی ایسی نماز میں قرأت کرے۔‘‘

امام شافعیؒ کی اس عبارت سے یہ بات بالکل صاف اور بے غبار ہوجاتی ہے کہ مقتدی کو جہری نمازوں میں امام کی اقتداء میں سورۃ فاتحہ پڑھنا درست نہیں، فرض ہونا تو درکنار جہری نمازوں میں مقتدی کا پڑھنا درست اور صحیح بھی نہیں۔ مقتدی صرف ان نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھ سکتا ہے جن میں امام کی قرأت نہ سنی جاسکتی ہو یعنی سری نمازوں میں۔

اس سے امام شافعیؒ نے ’’قرأۃ لایسمع‘‘ (ایسی قرأت جو سنی نہ جاسکتی ہو) کی قید لگاکر مقتدی کا کام اور وظیفہ مقرر فرمادیا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کی مذکورہ صاف، صریح واضح اور واشگاف عبارت کے بعد بھی اگر کوئی شخص اس بات کا دعوے دار ہو کہ امام شافعیؒ تمام نمازوں میں مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ کے وجوب کے قائل ہیں، وہ حقائق سے آنکھیں بند کرکے اپنے مزعومہ خیالات اور موہومہ تصورات کی خارزار وادی میں بھٹک رہا ہے، اسے آنکھوں سے تعصب کی عینک اتار کر آخرت کی مسئولیت کے احساس کے پیش نظر مذکورہ عبارت کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ان شاء اللہ اس پر حقیقت عیاں ہوجائے گی۔

امام احمد بن حنبلؒ :

امام احمد بن حنبلؒ بھی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے جواز کے قائل نہ تھے، بلکہ امام احمد بن حنبلؒ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنے کو شاذ اور خلاف اجماع قرار دیتے تھے، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ رقم طراز ہیں......

بخلاف وجوبها فی حال الجهر فانه شاذ حتی نقل احمد الاجماع علی خلافه. (فتاویٰ ابن تیمیہ ص۱۷۶)

''یعنی سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے وجوب کے طور پر پڑھنا شاذ ہے، حتیٰ کہ امام احمد بن حنبلؒ نے اس کے خلاف اجماع اور اتفاق نقل کیا ہے۔ امام موفق الدین ابن قدامہؒ تحریر فرماتے ہیں......

وجملة ذلک ان القرأة غیر واجبة علی المأموم فیما جهر به الامام ولا فیما اسر نص علیه احمد فی روایة. (مغنی ابن قدامہ ص۶۰۸، ج۱)

''حاصل کلام یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا نہ جہری نمازوں میں واجب ہے اور نہ ہی سری میں، علماء کی ایک جماعت نے امام احمد سے امام صاحب کا یہی مسلک نقل کیا ہے۔

مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری لکھتے ہیں......

قال الزهریؒ ومالکؒ وابن المبارک واحمدؒ واسحاقؒ یقرأ فیما اسر فیه ولا یقرأ فیما جهر به. (تحفۃ الاحوذی ص۲۵۷، ج۱)

''امام زہریؒ امام مالک، حضرت ابن مبارکؒ امام احمد اور امام اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ سری نمازوں میں مقتدی قرأت کر سکتا ہے اور جہری میں پڑھنے کی اجازت نہیں۔''

مبارکپوری صاحب ایک دوسرے مقام پر تحریر کرتے ہیں......

وکذلک الامام مالک والامام احمد لم یکونوا قائلین بوجوب قرأة الفاتحة خلف الامام فی جمیع الصلوات. (تحفۃ الآحوذی ص۲۵۷ ج۱)

''اسی طرح (عبداللہ بن مبارک کی طرح) امام مالک اور امام احمد بھی امام کے پیچھے تمام نمازوں میں سورۃ فاتحہ کے وجوب کے قائل نہ تھے۔''

ناظرین کرام! دیکھئے آئمہ مجتہدین کے مسالک تفصیلاً باحوالہ بیان کیے جا چکے ہیں۔ غور فرمایئے آئمہ اربعہ میں سے کوئی بھی امام کے پیچھے مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ کی قرأت کی فرضیت یا وجوب کا قائل نہیں۔ امام احمد بن حنبل جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنے کو شاذ اور خلاف اجماع قرار دیتے ہیں، اور سری نمازوں میں وجوب کے قائل نہیں۔ امام مالک بھی تمام نمازوں میں مقتدی کے لیے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو واجب نہیں سمجھتے۔ سری نمازوں میں گو پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن وجوب کے قائل نہیں، اور جہری میں پڑھنے سے منع فرماتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی مقتدی کے لیے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنا جائز نہیں۔ سری میں بھی صرف پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں، واجب نہیں کہتے۔ تو غیر مقلدین جو مقتدی

کے لیے تمام نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرأت کو فرض قرار دیتے ہیں، ان کے مسلک کی تائید جیسے قرآن وحدیث سے نہیں ہوتی ایسے آئمہ اربعہ میں سے کوئی امام بھی ان کی پشت پناہی نہیں کرتا۔ کوئی ان کے سر پر ہاتھ نہیں رکھتا۔

محبوب سبحانی پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا فتویٰ :

حضرت پیران پیر بھی مقتدی کے لیے قرأت کو درست نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ رقمطراز ہیں ......

ان کا ماموماینصت الیٰ قرأۃ الامام ویفھمھا.

(غنیۃ الطالبین ص۳ ج۲)

اگر نماز پڑھنے والا مقتدی ہو تو اس کو امام کی قرأت کے لیے خاموش رہنا چاہیے اور اس کو امام کی قرأت سننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

حضرت شیخ کے ظاہری الفاظ اسی بات کے آئینہ دار اور غماز ہیں کہ مقتدی کا وظیفہ تمام نمازوں میں یہ ہے کہ وہ نہایت توجہ، التفات، دھیان اور پورے انہماک سے امام کی قرأت سنے اور خود خاموش وساکت رہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ کا فتویٰ :

حضرت شیخ الاسلام اپنے مشہور عالم فتاویٰ میں مسئلہ قرأت خلف الامام کا تجزیہ فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں......

وایضاً فالمقصود بالجھر استماع المامومین ولذا یومنون علی قرأۃ الامام فی الجھر دون السر.

فاذا کانو امشغولین عنہ بالقرأۃ فقد امر ان یقرأ علی قوم لا یستمعون لقرأتہ وھو بمنزلۃ من یحدث من لا یستمع لحدیثہ ویخطب من لا یستمع لخطبتہ وھذا سفہ تنزہ عنہ الشریعۃ ولھذا روی فی الحدث مثل الذی یتکلم والامام یخطب کمثل الحمار یحمل اسفارا فھکذا اذا کان یقرأ والامام یقرأ علیہ ......

’’اور نیز امام کے بلند آواز پڑھنے سے مقصد یہ ہے کہ امام پڑھے اور مقتدی سنیں، اس لیے امام جہری نمازوں میں جب ولا الضالین پڑھتا ہے تو مقتدی بھی آمین کہتے ہیں، اور سری نمازوں میں چونکہ مقتدی نہیں سنتے اس لیے وہ آمین بھی نہیں کہتے، اگر امام بھی پڑھ رہا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امام کو حکم دیا جارہا ہے کہ تم ایسے لوگوں کو سناؤ جو سننا نہیں چاہتے، اور ایسی قوم کو وعظ کہو اور خطبہ دو جو سننے کے لیے آمادہ اور تیار نہیں۔ ایسی بات کہنا کھلی حماقت اور سفاہت ہے، جس کا شریعت مطہرۃ قطعاً حکم نہیں دے سکتی کیونکہ شریعت مقدسہ احمقانہ باتوں اور سفاہت آمیز چیزوں کا حکم نہیں دیا کرتی وہ اس سے وراء الوراء، ثم وراء الوراء ہے۔

ایک حدیث میں آیا کہ اس شخص کی مثال جو امام کے خطبہ دیتے وقت باتیں کررہا ہو، کسی سے محو گفتگو ہو ایسی ہے جیسے گدھے پر کتابوں کا بوجھ لادا گیا ہو۔ ایسا ہی وہ شخص ہے جو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھتا ہو۔ یعنی جیسے گدھا کتابوں سے

مستفید و مستفیض نہیں ہوسکتا، ایسا ہی وہ شخص ہے جو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے امام کی قرأت سے نفع نہیں اٹھا سکتا۔

ناظرین با تمکین! ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ امام ابن تیمیہ ؒ نے امام کے پیچھے جہری نمازوں میں پڑھنے والوں کے بارے میں کیا فرمایا ہے۔ ان کو کس چیز سے تشبیہ دی گئی۔ تشبیہ کی نزاکت ملاحظہ فرمایئے اور پھر امام کے پیچھے جہری نمازوں میں قرأت کرنے والوں کے اصرار پر غور فرمایئے، کہ امام ابن تیمیہ ؒ کے فتویٰ کی رو سے وہ کیسی احمقانہ حرکت کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

ناظرین کرام! قرآن کریم کی آیت کریمہ، پندرہ احادیث، صحابہ کرام ؓ، تابعین عظام، تبع تابعین فخام کی آراء و فتاویٰ، آئمہ مجتہدین کے مسالک، پیران پیر حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی، شیخ عبد القادر جیلانی ؒ اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ کی عبارات کے اقتباسات سے آفتاب نصف النہار کی طرح یہ امر واضح الم نشرح اور آشکارا ہوگیا کہ مقتدی کے لیے کسی نماز میں بھی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض اور واجب نہیں بلکہ ممنوع و محظور ہے۔ اور یہ بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ مانعین قرأت خلف الامام صرف احناف ہی نہیں بلکہ جمہور اہل اسلام ہیں، جمہور فقہاء و محدثین ہیں اور جو روایات پیش کی گئی ہیں وہ صحیح، صریح اور مرفوع ہیں ان کے ۹۵ فیصد راوی ثقہ، ثبت، حافظ اور حجت ہونے کے علاوہ بخاری اور مسلم کے مرکزی راوی ہیں۔

فریق ثانی اگر تعصب کی عینک اتار کر، دامن دل کو غلو کی کثافتوں سے جھٹک کر، آئینہ قلب کو تخریب کی کدورتوں سے صاف کر کے، مذکورہ دلائل و براہین کا بغور مطالعہ کرے گا تو اُمید ہے کہ وہ دنیا کے تمام حنفی حضرات کو کھلے اور انعامی چیلنج دینے سے

باز آجائے گا اور ان کی نمازوں کو باطل، بے کار اور کالعدم قرار دینے کی بے باکانہ جسارتوں سے رک جائے گا۔ فریق مخالف کے معتدل مزاج، انصاف پسند اور سلیم الطبع اشخاص سے امید ہے کہ وہ مذکورہ براہین کو بنظر عمیق پڑھ کر اپنی پارٹی کے بے لگام اور متعصب مزاج اشخاص کو بدزبانی اور چیلنج بازی سے روک کر اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا کرنے میں ممد و معاون ہوں گے۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس رسالہ کی شرف قبولیت سے نوازے اور اہل زیغ کے لیے اس کو باعث ہدایت بنا دے اور انہیں افراط و تفریط کے قعر ضلالت سے نکال کر صراط مستقیم پر گامزن فرما دے۔ آمین......

احقر بشیر احمد قادری مدرس مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی

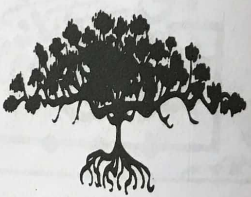

فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ
(القرآن)

مطالعۂ غیر مقلدیت

موضوع

تاریخ طلاق ثلاثہ

مکتبہ الحق

ماڈرن ڈیری جوگیشوری ممبئی ۱۰۲

باب اوّل

۱

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد:

خالق کائنات نے اس جہاں میں رنگارنگ مخلوق پیدا فرمائی۔

؎ اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس میں دو قسم کی شہوت رکھ دی، ایک شہوت بطن، اور دوسری شہوت شرم گاہ، شہوت بطن بقاء اصل کے لئے ہے، تاکہ انسان کو بھوک لگے اور وہ کھائے پیئے اور اس مشینری کے چلنے کے لئے خون کا پیٹرول پیدا ہوتا رہے۔ شہوت شرم گاہ بقائے نسل کے لئے ہے۔ جس طرح پہلی شہوت میں انسان کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا گیا کہ جانوروں کی طرح جو چاہے کھاتا پھرے، بلکہ اس میں حلال اور حرام کی تقسیم فرما دی۔ حلال طریقے سے اس شہوت کی تسکین کرنے والا خدا کا فرمانبردار کہلاتا ہے۔ اور جو آدمی اس خواہش کو حرام طریقے سے پورا کرے، شراب پیئے، سود کھائے، کسی ناجائز طریقے سے کسی کا حق ہڑپ کر جائے وہ خداوند قدوس کا نافرمان کہلاتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس کو حلال طریقے سے بھی پورا نہ کرے اور بھوکا مر جائے حالانکہ حلال چیز اس کے پاس موجود تھی، وہ بھی خالق

کائنات کا نافرمان کہلائے گا۔

اسی طرح دوسری خواہش کی تسکین کے لئے بھی قادر مطلق نے حلال، حرام کی تقسیم فرمادی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا...... **والذین ہم لفروجھم حافظون ۝ الا علیٰ ازواجھم اوماملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین ۝ فمن ابتغیٰ وراء ذالک فاولٰئک ھم العادون**...... (کامیاب ہوگئے وہ لوگ) جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں، مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال باندیوں پر، سو اس پر نہیں کوئی الزام، پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا، سو وہی ہے حد سے بڑھنے والا۔

یعنی جو شخص اپنی منکوحہ عورت اور باندی کے سوا کوئی اور راستہ قضائے شہوت کا ڈھونڈے، وہ حلال کی حد سے آگے نکل جانے والا ہے۔ اس میں زنا، لواطت، استمناء بالید اور متعہ سب کی حرمت ثابت ہوگئی۔ دوسری جگہ فرمایا...... **فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع. فان خفتم الاتعدلوا فواحدۃً اوماملکت ایمانکم ذالک ادنیٰ ان لا تعولوا**...... تو نکاح کرلو جو اور عورتیں تم کو خوش آویں، دو دو، تین تین، چار چار، پھر اگر تم ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی نکاح کرو یا لونڈی جو اپنا مال ہے۔ اس میں امید ہے کی ایک طرف نہ جھک پڑوگے۔

اور نکاح کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا...... **ان تبتنوا باموالکم محصنین غیر مسافحین**...... طلب کرو ان (عورتوں) کو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو، یعنی جن کی حرمت بیان ہو چکی ہے ان کے سوا سب حلال ہیں چار شرطوں کے ساتھ۔ اول یہ کہ طلب کرو یعنی زبان سے ایجاب وقبول دونوں کی طرف سے ہو جائے۔ دوسری مال یعنی کہ مہر دینا قبول کرو۔ تیسری یہ کہ ان عورتوں کو اپنے قبضے میں رکھنا مقصود ہو۔ محض وقتی طور پر مستی نکال کے ان کو چلتا کر دینا مقصود نہ ہو جیسا کہ زنا اور متعہ میں ہوتا ہے۔ یعنی وہ ہمیشہ کے لئے اس کی بیوی بن جائے۔ چھوڑے بغیر کبھی نہ چھوٹے۔ چوتھی شرط جو دوسری جگہ مذکور ہے ان میں چھپی یاری نہ ہو، بلکہ کم سے کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کی گواہ ہوں، ورنہ نکاح نہ ہو گا بلکہ زنا سمجھا جائے گا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا...... **ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃً ورحمۃ**...... **ان فی ذٰلک لآیٰت لقوم یتفکرون ۝** اور اس کی نشانیوں میں سے ہے یہ کہ بنا دیئے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے جوڑے کہ چین پکڑو ان کے پاس اور رکھا تمہارے بیچ میں پیار اور مہربانی، البتہ اس میں بہت پتے کی باتیں ہیں ان کے لئے جو دھیان کرتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے میاں اور بیوی میں ایک عجیب سی محبت اور پیار کی کیفیت رکھ دی۔ اسی بنا پر گھر بھی آباد ہوتا ہے اور اولاد کی تربیت بھی صحیح طریقے پر ہوتی ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا...... **یایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ...... وخلق منھا زوجھا وبث منھا رجالاً کثیراً ونساءً**...... اے ایمان والو! ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے۔ اور اسی سے پیدا کیا اس کا جوڑ اور پھیلائے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں۔ اسی بات کو شیخ سعدیؒ نے بیان فرمایا......

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چوں عضوئے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار

اور ارشاد فرمایا: تمھاری عورتیں تمھاری کھیتی ہیں۔ سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو (۲: ۲۲۳) یعنی مقصود اولاد ہے۔ اس لئے اولاد پیدا ہونے کی جگہ آؤ جس طرح چاہو۔

الغرض نکاح ہی پر اس دنیا کی آبادی کا دارومدار ہے۔ یہ نکاح ہی انسان کی عزت اور نسب و نسل کا محافظ ہے۔ اس لئے اس کی تاکید بھی ہے اور ترغیب بھی۔ فرمایا رحمتہ للعالمین ﷺ نے جب بندہ نکاح کرتا ہے تو اس نے اپنا نصف ایمان مکمل کر لیا۔ اب باقی نصف ایمان میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے (احمد) فرمایا، میاں بیوی جب آپس میں ہنسی مذاق کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ دونوں کو ثواب عطا فرماتے ہیں۔ اور ان دونوں کے لئے رزق حلال کا انتظام فرماتے ہیں (ابن لال) فرمایا جس کو مقدور ہو وہ نکاح کرے جس سے نظر نیچی رہتی ہے اور شرم گاہ کی حفاظت ہوتی ہے (ن) فرمایا نکاح میری سنت ہے جو میری سنت پر عمل نہ کرے وہ مجھ سے نہیں۔ اور نکاح کرو تا کہ میں اپنی اُمت کی کثرت پر فخر کر سکوں (ہ) فرمایا اللہ کے خوف کے ساتھ ساتھ اس دنیا کا سب سے قیمتی سرمایا نیک بیوی ہے۔ مگر خاوند اس کی طرف دیکھے تو اس کو مسرور کر دے۔ اگر خاوند اس کو کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت کرے۔ اگر خاوند کوئی قسم کھا لے تو اس کو پورا کرے۔ اور اگر خاوند پردیس میں ہو تو اس کے مال اور عزت کی محافظ بنے (ہ) بلکہ

ایک روایت میں تو ارشاد فرمایا کہ تیرا مسجد کی طرف جانا، اور مسجد سے اپنے گھر والوں کی طرف واپس آنا ثواب میں برابر ہیں۔ فرمایا اولاد جنت کی خوشبو ہے۔ فرمایا قیامت کے روز نیکیوں کے پلڑے میں سب سے جو پہلے نیکی رکھی جائے گی وہ خرچہ ہوگا جو اس نے اپنے اہل وعیال پر کیا تھا۔ فرمایا جب جوان شادی کرتا ہے تو شیطان چیخ چیخ کر روتا ہے کہ ہائے ہائے اس نے اپنا دین مجھ سے محفوظ کر لیا۔ اور فرمایا شادی شدہ کا دو نفل پڑھنا غیر شادی شدہ کے ستر نفلوں سے افضل ہے اور ایک روایت میں بیاسی نفلوں سے افضل فرمایا۔ اور بعض احادیث میں تو بے نکاحوں کو شرار تک فرمادیا۔ فرمایا نکاح کے بعد دنیا میں اللہ تعالیٰ اولاد اور رزق کی برکت عطا فرماتے ہیں۔ قبر میں اولاد کی دعا سے فائدہ پہنچے گا۔ اور چھوٹے بچے میدان قیامت میں والدین کو پانی پلائیں گے اور ان کی سفارش بھی کریں گے۔ یہ تمام احادیث کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال سے لی گئی ہیں۔ جب نکاح اتنے اہم ترین دینی اور دنیووی فوائد رکھتا ہے تو اس بندھن کو توڑنا جس کو طلاق کہتے ہیں، وہ ان سب دینی اور دنیاوی فوائد سے محروم ہو جانے کا ذریعہ ہے اور کتنی ناپسندیدہ چیز ہوگی۔ اس لئے رحمت کائنات نے فرمایا خداوند قدوس طلاق کو ناپسند اور غلام آزاد کرنے کو بہت پسند فرماتے ہیں۔ اور فرمایا خالق کائنات کے ہاں تمام حلال چیزوں میں طلاق سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ فرمایا شیطان اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور اپنے شیطونگڑوں کو فتنے برپا کرنے کے لئے بھیجتا ہے۔ پھر سب سے ان کی کاروائی سنتا ہے۔ جس نے میاں بیوی کے درمیان فتنہ ڈالا ہو اس کو سب سے زیادہ قریب کرتا ہے۔ اور شاباش دیتا ہے کہ تو ہی ہے تو ہی (کنز العمال ص ۲۸۵۔۲۸۶ ج ۹) ان خرابیوں کی وجہ سے تو ضروری معلوم ہوتا تھا کہ عیسائیوں کی طرح طلاق سے بالکل منع

کر دیا جاتا لیکن اسلام چونکہ دین فطرت ہے، اس لئے وہ خالق کائنات بندوں کی نفسیات سے پورا پورا آگاہ ہے کہ نکاح میں اگرچہ بہت سے فوائد ہیں، لیکن بعض اوقات میاں بیوی کی آپس میں ناراضگی اور عدم مناسبت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اب ان کا ایک بندھن میں بندھے رہنا ان کے لئے، ان کی اولاد کے لئے اور دونوں خاندانوں کے لئے طلاق کی برائیوں سے بھی زیادہ برائیوں کو جنم دیتا ہے۔ اس لئے ان بری برائیوں سے بچنے کے لئے اس ناپسندیدہ چیز کو حلال کر دیا گیا۔ اور اس نفع نقصان کا حق بھی اسی جوڑے پر موقوف کر دیا گیا۔

توراۃ اور طلاق:

توراۃ میں ہے ......

”اگر کوئی مرد کسی عورت سے بیاہ کرے اور پیچھے اس میں کوئی بیہودہ بات پائے جس سے اس عورت کی طرف التفات نہ رہے تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کر دے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے۔ اور جب وہ اس گھر سے نکل جائے تو وہ دوسرے مرد کی ہو سکتی ہے۔ پھر اگر دوسرا مرد بھی اس سے ناخوش رہے تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کر دے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے یا وہ دوسرا شوہر جس سے اس نے بیاہ کیا ہو مر جائے تو اس کا پہلا شوہر جس سے اس نے نکاح کیا تھا، تو اس عورت کے ناپاک ہو جانے پر پھر اس سے نکاح نہ کر پائے گا۔ کیونکہ ایسا کام خداوند کے ہاں مکروہ ہے (استثناء،۲۴:۱-۴)

دیکھئے یہاں نہ طلاق کی کوئی تعداد متعین ہے اور نہ طلاق کی کوئی عدت ہے جس میں دونوں کو سوچ وبچار کا موقع ہو۔ یا برادری واحباب ان کو سمجھا سکیں۔ بلکہ

توراۃ میں تو ہے کہ خدا بھی طلاق دیتا ہے: ”خداوند یوں فرماتا ہے تیری ماں کا طلاق نامہ جسے میں نے لکھ کر اسے چھوڑ دیا کہاں ہے؟ دیکھو تمھاری خطاؤں کے سبب تمھاری ماں کو طلاق دی گئی (یسعیاہ،۵۰:۱) اور دوسری جگہ لکھا ہے......

”پھر میں نے دیکھا کہ جب برگشتہ اسرائیل کی زناکاریوں کے سبب سے میں نے اس کو طلاق دے دی اور اسے طلاق نامہ لکھ دیا تو بھی اس کی بے وفا بہن یہوداہ نہ ڈری (یرمیاہ ۳:۸) اور کاہنوں کو حکم دیا کہ وہ طلاق والی عورت سے نکاح نہ کریں۔“ وہ (کاہن) کسی فاحشہ یا ناپاک عورت سے نکاح نہ کریں۔ اور نہ اس عورت سے بیاہ کریں جس کو اس کے شوہر نے طلاق دی ہو (احبار۲۱:۷) طلاق کے یہ احکام توراۃ میں ہیں۔

انجیل اور طلاق:

انجیل میں لکھا ہے......اور فریسیوں نے پاس آکر اسے آزمانے کے لئے اس سے پوچھا کہ یہ روا ہے کہ مرد اپنی بیوی کو چھوڑ دے؟ اس نے ان سے جواب میں کہا کہ موسیٰ نے تم کو حکم دیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ موسیٰ نے تو اجازت دی ہے کہ طلاق نامہ لکھ کر چھوڑ دیں۔ مگر یسوع نے ان سے کہا کہ اس نے تمھاری سخت دلی کی وجہ سے تمھارے لئے یہ حکم لکھا تھا۔ لیکن خلقت کے شروع سے اس نے انہیں مرد اور عورت بنایا۔ اس لئے مرد اپنے باپ سے اور ماں سے جدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا۔ اور وہ اور اس کی بیوی دونوں ایک جسم ہوں گے۔ پس وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں۔ اس لئے جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے۔ اور گھر میں شاگردوں نے اس سے اس کی بابت پھر پوچھا۔ اس نے ان سے کہا جو کوئی اس اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری

سے بیاہ کرلے وہ اس پہلی کے برخلاف زنا کرتا ہے۔ اور اگر عورت اپنے خاوند کو چھوڑ دے اور دوسرے بیاہ کرے تو وہ زنا کرتی ہے۔'' (مرقس ۱۰: ۲۔ ۱۲)

جناب یسوع نے طلاق کا جواز ہی ختم کردیا۔

دور اسلام:

یہودیوں کے ہاں طلاق پر کوئی پابندی نہیں اور عیسائیوں کے ہاں طلاق جائز ہی نہ تھی۔ اسلام نے طلاق کو نہایت ناپسندیدہ تو فرمایا' بوقت ضرورت اس کو حلال بھی فرمایا۔ مگر یہ پابندی بھی لگادی کہ مرد کو زیادہ سے زیادہ تین طلاق کا حق ہے۔ جب اس نے تین کی گنتی پوری کردی تو اب اسے رجوع کا حق کیا ہوتا اس عورت سے نکاح کا بھی حق نہیں ہے۔ جب تک وہ عورت عدت گزارنے کے بعد کسی اور سے نکاح نہ کرے، اور پھر دوسرا خاوند فوت ہوجائے یہ اسے طلاق دے دے تو اب عدت گزارنے کے بعد پہلا خاوند اس سے نکاح کرسکتا ہے۔ الحمد اللہ تمام اہل اسلام نے اس اسلامی حکم کے سامنے سر جھکا دیا۔ مگر ایک رافضی فرقہ جس کا نصب دینی ابن سبا یہودی سے ملتا ہے، اس نے اسلام کی بجائے یہودی طریقہ کو ہی پسند کیا۔

چنانچہ حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں......

''شعبیؒ (جنہوں نے پانصد صحابہ کی زیارت کی) کہتے ہیں کہ رافضیوں کی محبت یہودیوں کی محبت ہے کیونکہ یہودیوں کا قول ہے کہ داؤد علیہ السلام کی اولاد کے سوا کوئی شخص امامت کے لائق نہیں۔ اور رافضی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی اولاد کے سوا کوئی دوسرا امامت کے لائق نہیں۔ یہودی کہتے ہیں کہ جب تک کاے دجال کا خروج نہ ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر کر زمین پر نہ آجائیں تب تک روا نہیں کہ کوئی

شخص خدا کی راہ میں جہاد کرے۔ یہودی مغرب کی نماز دیر کر کے پڑھتے ہیں کہ ستاروں کی روشنی آجاتی ہے۔ اسی طرح رافضی بھی مغرب کی نماز دیر کر کے پڑھتے ہیں۔ یہودی جب نماز پڑھتے ہیں تو اِدھر اُدھر ہلتے ہیں، اور رافضی بھی اسی طرح کرتے ہیں...... تین طلاقوں کے دینے میں یہودیوں کے ہاں کوئی حرج نہیں اور رافضی بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ (غنیۃ الطالبین مترجم اردو ص ۱۹۱)

یہود میں بھی متعہ کا رواج ہے اور رافضی بھی ان سے پیچھے نہیں۔ بلکہ ان کے ہاں متعہ پر جو ثواب اور درجات ملتے ہیں یہودی اس کے تصور سے بھی نا آشنا ہیں۔ افسوس کہ روافض نے جو مسائل یہود سے لئے تھے، ہمارے غیر مقلدین حضرات نے بھی بعض مسائل ان سے لے لئے۔ مثلاً آپ غیر مقلد کو نماز سے پہلے اور نماز کے بعد دیکھیں تو سکون سے بیٹھا یا کھڑا ہوگا۔ مگر جوں ہی نماز میں داخل ہوا، بے چارے کو پورے جسم میں خارش شروع ہوجاتی ہے۔ کھڑا ہوا تو ٹانگیں خوب چوڑی کرلیں۔ سجدے میں گیا تو ٹانگیں اکٹھی کرلی۔ پھر کھڑا ہوا تو پھر ٹانگوں کو چوڑا کرنا شروع کردیا۔ الغرض وہ پوری نماز میں ہلتا ہی رہتا ہے۔ اسی طرح تین طلاقین دینا اس کے ہاں کوئی حرج نہیں پھر اسی کو یہود کی طرح اور روافض کی تقلید میں گھر رکھ لیتا ہے۔ اور متعہ کو تو اہل مکہ کا پاک عمل قرار دیتا ہے اس لئے اس پر حد یا تعزیر تو کجا زبان سے انکار کا بھی روادار نہیں (ھدیۃ المھدی ص ۱۱۸، ج ۱)

ایک خاص صورت:

قرآن پاک نے طلاق کی ایک صورت ایسی بتائی ہے جس کے بعد عورت پر عدت نہیں...... یاایھاالذین آمنوا اذانکحتم المومنات ثم طلقتمو ھن من

قبل ان تمسو هن فمالكم عليهن من عدةٍ تعتد و نها...... فمتعو هن و سر حو هن سرا حاجميلا...... اے ایمان والو! جب تم نکاح میں لاؤ مسلمان عورتوں کو، پھر ان کو چھوڑ دو پہلے اس سے کہ تم ان کو ہاتھ لگاؤ۔ سو ان پر تم کو حق نہیں عدت میں بٹھلانا کہ گنتی پوری کراؤ۔ سو ان کو دو کچھ فائدہ اور رخصت کرو بھلی طرح سے۔

مرد کو جس طرح تین طلاقیں دینے کا حق ہے، ان میں بھی یہ شرط ہے کہ جس عورت کو طلاق دی جائے وہ عورت نکاح میں ہو خواہ عدت میں ہو۔ مگر یہ اس عورت کا ذکر ہے جس کا نکاح ہوا، مگر رخصتی سے قبل خاوند نے طلاق دے دی، تو ایک طلاق کے بعد ہی آزاد ہوگئی۔ اب اس کو اگر خاوند دوبارہ دوسری طلاق دے تو وہ واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ عدت میں نہیں ہے۔ اس لئے ایسی عورت کے بارہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے وضاحت فرمادی کہ ایسی عورت کو اگر خاوند الگ الگ تین دفعہ طلاق دے کہ تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے اور اس سے تین دفعہ طلاق کی بھی نیت کرے تو اسے ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ ایک طلاق کے بعد اس میں عدت نہیں اس لئے دوسری اور تیسری طلاق کے وقت وہ محل طلاق ہی نہیں تھی۔ ہاں اگر خاوند یکبارگی کہے تجھے تین طلاق۔ تو چونکہ اس وقت وہ محل طلاق تھی، اس لئے تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی (مصنف ابن ابی شیبہ)

دور نبوی ﷺ :

دور نبوی ﷺ میں حضرت ابو درداءؓ، حضرت رفاعہ قرظیؓ، حضرت عبادہؓ کے والد نے ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دیں تو آنحضرت ﷺ نے اسلامی حکم کے مطابق یہی فرمایا کہ اب تم ان سے نکاح نہیں کر سکتے جب تک وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کریں۔

ایک بھی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کی جاسکتی کہ کسی مدخولہ عورت کو طلاق ہوئی ہو۔ اور اسے تین طلاق کہا گیا ہو اور پھر آنحضرت ﷺ نے اس بیوی کو رکھنے کی اجازت دی ہو جس سے یہود، روافض اور غیر مقلدین کا مسلک ثابت ہوتا ہے۔

دور صدیقیؓ :

رسول رحمت کے بعد پیکر صداقت حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ بلافصل بنے۔ آپ کے زمانہ خلافت میں بھی ایک واقعہ بھی پیش نہیں کیا جاسکتا کہ کسی آدمی نے اپنی بیوی کو کہا ہو تجھے تین طلاقیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا ہو کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے تم بیوی کو پھر رکھ لو۔

دور فاروقیؓ :

سیدنا فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانہ خلافت کے دوسرے تیسرے سال مسائل شرعیہ کے بارہ میں بھی اعلانات فرمائے، آپؓ نے حرمت متعہ کے حکم کا تاکیدی اعلان فرمایا۔ اور یہ کہ جس عورت کو کہا جائے کہ تجھے تین طلاق وہ تین ہی شمار ہوں گی۔ اور بیس رکعت تراویح باجماعت پر لوگوں کو جمع فرمایا، کسی ایک متنفس نے بھی اس کے خلاف آواز نہ اُٹھائی۔ کتاب اور سنت کے ان احکام پر تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع ہوگیا اور کسی رافضی کو دم مارنے کا موقع نہ رہا۔

دور عثمانیؓ :

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا کہ میں نے اپنی بیوی کو کہا ہے کہ تجھے سو طلاق۔ فرمایا تین طلاقوں سے وہ حرام ہوگئی اور

باقی ۹۷ کا مزید گناہ ہوا (مصنف ابن ابی شیبہ) پورے دور عثمانیؓ میں کسی نے اس فتویٰ واعلان خلافت کی مخالفت نہ کی۔ ایک اور صرف ایک نام بھی پیش نہیں کیا جا سکتا کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو کہا تھا تجھے تین طلاق، یا تجھے سو طلاق، یا تجھے ہزار طلاق اور حضرت عثمانؓ یا ان کے دور خلافت کے کسی مفتی نے یہ فتویٰ دیا ہو کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے تم رجوع کرلو۔ وہاں رافضیت کی دال کب گلتی تھی؟

دور مرتضویؓ:

اب اسد اللہ الغالب، باب مدینۃ العلم کا دور خلافت آیا۔ آپ نے بھی یہی اعلانات فرمائے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے تجھے ہزار طلاق یا کہے تجھے تین طلاق، طلاق بتہ، طلاق حرج، خلیہ، بریہ، حرام، اونٹ کے بوجھ کے برابر طلاق۔ تو ان سب کے جواب میں تین طلاقوں کا نفاذ اور عورت کو حرام فرمایا کہ اب وہ پہلے خاوند سے نکاح نہیں کرسکتی جب تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے۔ ان سب کے حوالہ جات میرے مضمون میں ہیں۔ اور دور مرتضوی میں ایک بھی نام نہیں لیا جا سکتا کہ جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق یا سو طلاق وغیرہ کہا ہو اور حضرت علیؓ یا ان کی خلافت کے کسی مفتی نے یہ فتویٰ دیا ہو کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے۔ تم پھر بیوی کو رکھ لو۔

سیدنا امام حسنؓ:

سیدنا امام حسنؓ کی چھ ماہ کی خلافت جس پر خلافت کے تیس سال مکمل ہونے پر خلافت راشدہ کا زمانہ ختم ہوگیا۔ آپ نے خود اپنی بیوی کو غصہ میں فرمایا کہ تجھے تین

طلاق، پھر آپ اس پر پریشان ہوئے مگر کوئی مفتی نہ تھا جو یہ فتویٰ دیتا کہ جب آپ دونوں مل بیٹھنا چاہتے ہیں تو دوبارہ نکاح کرلیں۔ الغرض پورے دور خلافت راشدہ میں کوئی مفتی نہ تھا جو اس زنا کے کاروبار کا فتویٰ دیتا کہ تین طلاق کے بعد تم رجوع کرلو۔

دور صحابہ کرامؓ:

اس کے بعد بھی صحابہ کرامؓ کے مفتی حضرات کے فتاویٰ میں اپنے مضمون درج کرچکا ہوں کہ وہ تین طلاق کے بعد بیوی کو حرام کہتے ہیں۔ اور کسی ایک مفتی کا فتویٰ بھی پیش نہیں کیا جا سکتا جو اس حرام کو جواز کی سند دے۔

دور تابعین:

اب خیر القرون کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں بھی تمام تابعی مفتی حضرات کا متفقہ فیصلہ بھی یہی تھا کہ جس کو تین طلاق کہا جائے وہ حرام ہے۔ مگر اس دور میں رافضیوں نے ایک شرارت کی۔ ایک بوڑھے کو کہا کہ تو یہ حدیث لوگوں کو سنایا کر کہ حضرت علیؓ کو رسول اقدسؐ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی بار تین طلاق دے تو اس کو ایک ہی قرار دیا جائے گا۔ وہ بوڑھا خفیہ خفیہ بیس سال تک اس کو بیان کرتا رہا۔ حضرت امام اعمشؒ کو اس کی بھنک لگی تو فوراً اس بوڑھے کے پاس پہنچے تو اس نے اپنی غلط بیانی کا اعتراف کیا اس طرح پہلی صدی میں رافضیت کا ڈھونگ نہ چل سکا اور کوئی حرام کو حلال نہ کر سکا۔ دور تابعین ۱۷۰ھ تک ہے اسی دور میں ۱۴۵ھ سے ۱۵۰ھ تک مذہب حنفی مدون ہوگیا جو کتاب اور سنت کی پہلی جامع اور مکمل تعبیر وتشریح تھی۔ اور یہ مذہب اس دور میں تواتر سے پھیل گیا اور آج تک متواتر ہے۔ اس میں بھی ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ہی قرار دیا گیا اور ایک آواز بھی کسی صحابی یا تابعی کی طرف

سے اس کے خلاف نہ اُٹھی۔ امام محمدؒ کتاب الآثار میں واشگاف الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں...... **لا اختلاف فیہ**. اس مسئلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ اس زمانہ میں روافض کے حرام کاروبار کا تصور بھی محال تھا۔ پورے دور تابعین میں ایک مفتی کا فتویٰ بھی پیش نہیں کیا جا سکتا جس نے ایسی عورت کو پہلے خاوند سے رجوع کا حق دیا ہو۔

دور تبع تابعین:

یہ دور ۲۲۰ھ تک ہے۔ اس دور میں امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مذاہب مدون ہوئے۔ ان تینوں مذاہب میں بھی بالاتفاق یہی مسئلہ لکھا گیا کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں وہ عورت اب خاوند پر حرام ہوگئی۔ رجوع کا کوئی حق نہیں بلکہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا جب تک وہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے۔ ان چاروں مذاہبؒ کی فقہ کے متون معتبرہ اُمت میں متواتر ہیں۔ کسی ایک مذہب کے متن متواتر سے کوئی یہ دکھادے کہ ایسی عورت سے رجوع کا حق ہے تو ہم فی حوالہ ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ اس خیر القرون میں حدیث کی کتابیں **مسند امام اعظم، موطا امام مالک، موطاامام محمد، کتاب الآ ثار لابی یوسف، کتاب الآثار لامام محمد، کتاب الحجه علیٰ اهل المدینه، المدونۃالکبریٰ مالکی، مسند الشافعی، ابو داؤد طیالسی، عبدالرزاق مسند الحمیدی، سنن سعید بن منصور، مسندابی الجعد، مصنف ابن ابی شیبه** مرتب ہو چکی تھی ان میں ایک بھی حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش نہیں کی جا سکتی، نہ مرفوع، نہ موقوف، نہ مقطوع جس میں اس عورت سے رجوع کرنا ثابت ہوتا ہے۔

تیسری صدی :

اب مذاہب اربعہ کا چلن عام تھا۔ اگرچہ اکادکا صاحب اجتہاد بھی ملتا تھا، مگر اس کا اجتہاد اس کی اپنی ذات تک محدود تھا۔ ان چاروں متواتر مذاہب کے مقابل میں کوئی اہل سنت اس کی تقلید نہیں کرتا تھا اور کسی غیر مقلد کا تو اس زمانہ میں تصور بھی نہ تھا کہ فلاں ملک میں کوئی ایک شخص ہے جو نہ خود اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہے اور نہ ہی مسائل اجتہاد میں کسی مجتہد کی تقلید کرتا ہے۔ بلکہ قیاس واجتہاد کو کار ابلیس اور مجتہد کی تقلید کو شرک کہتا ہے اور اپنے آپ کو غیر مقلد کہتا ہے۔ اگر کوئی صاحب ہمت کر کے تاریخ کے کسی مستند حوالہ سے ایسا آدمی تلاش کر دیں تو ہم فی حوالہ ایک ہزار روپے انعام دیں گے۔

اس دور میں بھی مذاہب اربعہ کا ہی چلن تھا کہ ایسی عورت سے رجوع کا کوئی حق نہیں۔

اس صدی میں **مسند امام احمد، دارمی، بخاری، مسلم، ابن ماجه، ابو داؤد ترمذی، نسائی،** کتب حدیث مدون ہوئیں۔ اس میں کسی ایک محدث نے بھی مذاہب اربعہ کے خلاف رافضیوں کی تائید میں کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ ''**تذکرۃ الحفاظ**'' میں اس صدی کے سات سو اکہتر (۷۷۱) جلیل القدر محدثین کا مفصل تذکرہ علامہ ذہبی نے لکھا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ وہ روافض اور غیر مقلدین کی طرح تین طلاق کے مسئلہ میں مذاہب اربعہ کے مخالف فتویٰ دیتا تھا۔

چوتھی صدی ہجری :

اس صدی میں اہل سنت والجماعت میں کوئی مجتہد نہیں ہوا بلکہ سب کے سب اہل سنت مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید کرتے تھے جو اس علاقے میں درساً وعملاً متواتر ہو، خواہ وہ فقیہ ہو یا قاضی، محدث ہو یا مفسر، اس صدی کے تقریباً ۲۰۲

جلیل القدر محدثین کا تذکرہ ذہبی نے کیا ہے ان میں سے کسی ایک بھی سنی محدث کے بارے میں کوئی یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ وہ غیر مقلد تھا اور طلاق ثلاثہ میں مذاہب اربعہ کے خلاف فتوئ دیتا تھا۔ اس صدی میں حدیث کی کتابیں مسند ابویعلی، ابن الجارود، الکنی والاسماء الدولابی، طبری، ابن خزیمہ، ابوعوانہ، معانی الآثار طحاوی، مشکل لآثار طحاوی، معاجم ثلاثہ طبرانی، سنن دارقطنی وغیرہ لکھی گئی۔ کسی نے کوئی ایسا باپ نہیں باندھا جو مذاہب اربعہ کے طلاق ثلاثہ کو رد کررہا ہو۔ بلکہ امام طحاوی نے اس مسئلہ پر کتاب وسنت اور اجماع کی روشنی میں نہایت مفصل اور فیصلہ کن بحث فرمائی۔

پانچوں صدی:

اس صدی میں بھی اسلامی دنیا میں مذاہب اربعہ کا ہی چلن رہا اور طلاق ثلاثہ میں مذاہب اربعہ کے فتوئ پر ہی سب کا عمل رہا۔ اس صدی میں بھی اہل سنت و الجماعت میں بڑے بڑے فقیہ، محدثین، قضاۃ، مفسرین وغیرہ ہوئے مگر نہ ہی تو کسی نے تقلید شخصی سے خروج کیا اور نہ ہی طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں روافض کی حمایت میں کوئی فتوئ دیا۔ امام محمد بن احمد نسفیؒ، امام احمد قدوریؒ، ابوزید دبوسیؒ، حسین ابن علی صمیریؒ، شیخ محمد اسماعیل لاہوریؒ، شمس الائمہ حلوائی، علی بن حسین سفدی، داتا گنج بخش لاہوری، امام بزدویؒ، محمد عبدالحمید سمرقندیؒ، شمس الائمہ سرخسیؒ، محمد بن عبدالحمیدؒ المعروف بہ خواہر زادہ، ابوسعد المالینی، البرقانی، الالکائیؒ، احمد بن علی ابوبکر رازیؒ، ابونعیم الاصبہانیؒ، ابوطاہر الخراسانیؒ، الصوری الساحلی، الخلیلی ابویعلی القرزوینیؒ، ابن عبدالبر امام ابوبکر البیہقی، ابن مندہ الاصبہانی، الزنجانی، الباجی، الحسکانی، ابن ماکولا، ابن خیرون، محمد بن طاہر،

البغوی، صاحب شرح السنہ اس صدی کے ممتاز علماء میں سے ہیں۔ سب کے سب مذاہب اربعہ میں کسی کے مقلد تھے۔ امامی بیہقی نے السنن الکبریٰ جلد ہفتم میں تین طلاق کے مسئلہ سیر حاصل بحث فرمائی ہے، لیکن مذاہب اربعہ کے اجتماعی مسئلہ طلاق ثلاثہ کے خلاف ایک فقرہ بھی کسی کے زبان وقلم پر نہ آیا۔

چھٹی صدی :

اس صدی میں بھی تمام عالم اسلام کے اہل وسنت والجماعت فقہاء اور محدثین مذاہب اربعہ ہی میں سے کسی نہ کسی کے مقلد تھے۔ اس صدی میں کسی غیر مقلد کا وجود کسی مستند تاریخ سے ثابت نہیں۔ جو نہ اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو اور نہ تقلید کرتا ہو۔ فقہاء میں امام علامہ عبدالعزیز بن عثمان المعروف بہ فضلی، مفسرین میں علامہ جاراللہ زمخشری، مفتی عبدلرشید صاحب فتاوئ ولوالجید، علامہ مسعود عمر بن مصنف مختصر مسعودی، امام عمر بن عبدلعزیز صدر الشہیدؒ، علی بن محمد سمرقندی اسیجابی، عمر بن محمد مفتی الثقلین، امام عثمان بن علی بیکندی بخاری، احمد بن محمد عتابی، صاحب فتاوئ عتابیہ، ابوبکر بن مسعود بن کاسانی، ملک العلماء صاحب البدائع والصنائع...... ابن ندیم کا بیان ہے کہ میں نے امام ضیاالحق حنفی سے سنا کہ جب ملک العلماء کاسانی کی وفات ہوئی تو میں ۱۰ رجب ۵۸۷ھ کو ان کے پاس تھا۔ آپ سورت ابراہیم کی تلاوت فرمارہے تھے جب آیت کریمہ ''یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت'' پر پہنچے تو دم ہوا ہوگیا۔ (انا اللہ وانا الیہ راجعون) شیخ عبدلکریم بن یوسفؒ، صاجب فتاوئ دیناریؒ، امام حسن بن منصور بن محمود اوزجندی المعروف بہ قاضی خاں صاحب فتاوئ، امام احمد بن محمد بن محمود بن سعد الغزنوی صاحب مقدمہ غزنویہ۔ امام علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل بن خلیل بن ابی بکر فرغانی

مرغینانی صاحب ہدایہ، امام موفق الدین احمد خطیب خوارزمی، امام احمد بن محمد صاحب فتاویٰ حاوی وقدوسی، امام احمد بن موسیٰ صاحب مجموع لنوازل، امام محمد بن احمد بن ابی احمد سمرقندی صاحب تحفہ الفقہاء، امام محمود بن محیط برہانی۔ یہ حضرات اس صدی میں آسمان علم کے آفتاب وماہتاب تھے۔ محدثین میں امام ابو لفتیان رواسی، امام شجاع بن فارس سہروردی، امام محمد بن طاہر مقدسی، امام ابن مرزوق ہروئی، امام موتمن بن علی بغدادی، امام ادیب اعمش ہمدانی، امام ابن مندہ اصفہانی، امام ابن مفوز شاطبی، امام فقیہ مجتہد بغوی شافعی، محدث امام شیرویہ، محدث واسط امام حوزی، محدث بغداد امام ابن السمرقندی، مفید اصفہان امام ابن الحداد، امام سمعانی تمیمی مروزی، امام ابن عطیہ غرناطی اندلسی، محدث امام اسحاق دہان ہروی، محدث قرطبہ محقق شنترینی، امام علامہ عبدری اندلسی، امام عبدالغافل نیشا پوری، حافظ کبیر امام طلحی اصفہانی، محدث بغداد حافظ انماطی، امام محدث ابوسعد ابن البغدادی، امام یونارتی اصفہانی، محدث عراق امام محمد بن ناصر سلامی حنبلی، علامہ امام بطروجی اندلسی، قاضی علامہ ابن العربی اشبیلی، شیخ الاسلام امام سلفی اصفہانی، عالم المغرب قاضی عیاض سبتی، محدث ہرات امام فامی، امام ابن دباغ نحمی اندلسی، امام بجی مروزی، امام مفید کوتاہ اصفہانی، تاج الاسلام امام علامہ سمعانی مروزی، شیخ الاسلام امام ابوالعلاء حنبلی بغدادی، فخر الآئمہ حافظ کبیر امام ابن عساکر دمشقی شافعی، شیخ الاسلام امام ابوموسیٰ مدینی، امام زاغولی مروزی، امام ابن بشکوال اندلسی، امام علامہ ابن الجوزی حنبلی بغدادی، امام سہیلی اندلسی، امام عبدالحق اشبیلی، امام ابو المحاسن قرشی، محدث اسلام امام حافظ عبدالغنی مقدسی حنبلی، امام باقداری بغدادی، امام مفید ابن الحصری حنبلی میں نے اس صدی کے چیدہ چیدہ محدثین کے اسماء گرامی لکھے ہیں جو چھٹی صدی کے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی تین طلاق کے اجماعی اور اتفاقی مسئلہ کے خلاف نہ تھا۔ حالانکہ یہی لوگ کتاب وسنت کے محافظ ہیں اور انہیں فقہاء اور محدثین کی محنتوں سے دین کی دولت ہم تک پہنچی ہے۔ اور دین پر خودرائی اور ناقص مطالعے کی بجائے تقلید سلف کے مطابق عمل کرنے سے ہی انسان وسواس سے بچ سکتا ہے۔

ساتویں صدی :

یہ دور بھی اسلامی ترقی اور عروج کا دور تھا۔ کسی کو خودرائی کی بیماری نہ تھی کہ اپنی ناقص رائے کو قرآن وحدیث کا نام دے کر امت میں انتشار اور افتراق کی آگ بھڑ کائی جائے۔ علم وعمل اور اخلاص کا دور دورہ تھا۔ اختلاف شرارت وسوسہ اندازی اسلامی حکومت میں جرم تھا۔ اس صدی میں بھی فقہاء کی گرفت مضبوط تھی۔ امام محمد بن احمد طبری نے فتاویٰ ملخص تصنیف فرمایا۔ امام محمود بن عبیداللہ مروزی نے اسلامی قانون پر عون نامی کتاب تصنیف فرمائی۔ امام محمود بن احمد نے کتاب خلاصۃ الحقائق تصنیف فرمائی جس کی تعریف میں حافظ قاسم بن قطلو بغا رطب اللسان تھے۔ امام عبدالرحمٰن بن شجاع بغدادی، ناصر بن عبدالسید صاحب، مغرب امام عبدالمطلب بن فضل البلخی، قاضی عسکر بن الابیض رکن الدین عبید مصنف الارشاد، سعید کندی صاحب شمس المعارف فی الفقہ، صدر الافاضل خوارزمی، محدث عمر بن زید موصلی، صاحب مغنی محمد بن احمد بخاری صاحب فتاویٰ ظہیریہ بدیع قزینی، عیسیٰ بن ملک العادل الخطیب، امام محمد بن یوسف خوارزمی سکاکی امام یحییٰ زوادی صاحب منظومہ الفیہ وفصول، امام محمد بن عثمان سمرقندی، صاحب فتاویٰ کامل، امام عبیداللہ بن ابراہیم عبادی صاحب شرح جامع صغیر وکتاب الفروق، امام محمد بن محمود استروشنی صاحب کتاب جامع احکام صغار، امام طریقت قطب

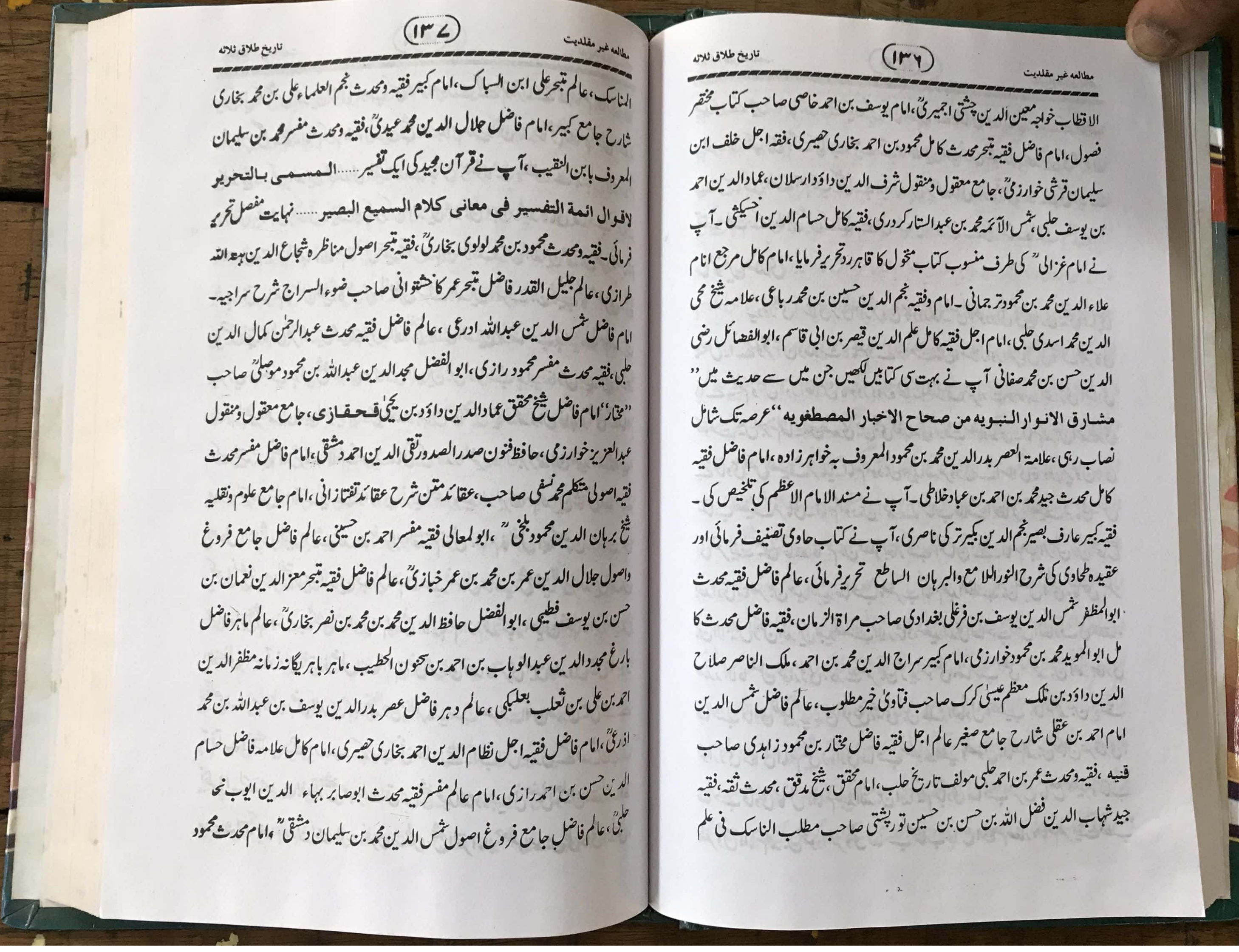

الاقطاب خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، امام یوسف بن احمد خاصی صاحب کتاب مختصر فصول، امام فاضل فقیہ متبحر محدث کامل محمود بن احمد بخاری حصیری، فقہ اجل خلف ابن سلیمان قرشی خوارزمیؒ، جامع معقول ومنقول شرف الدین داؤد ارسلان، عماد الدین احمد بن یوسف حلبی، شمس الآئمہ محمد بن عبدالستار کردری، فقیہ کامل حسام الدین اخسیکثی ۔ آپ نے امام غزالیؒ کی طرف منسوب کتاب منخول کا قاہر رد تحریر فرمایا، امام کامل مرجع انام علاء الدین محمد بن محمود ترجمانی ۔ امام وفقیہ نجم الدین حسین بن محمد رباعی، علامہ شیخ محی الدین محمد اسدی حلبی، امام اجل فقیہ کامل علم الدین قیصر بن ابی قاسم، ابو الفھائل رضی الدین حسن بن محمد صفانی آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے حدیث میں ’’**مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ**‘‘ عرصہ تک شامل نصاب رہی، علامۃ العصر بدر الدین محمد بن محمود المعروف بہ خواہر زادہ، امام فاضل فقیہ کامل محدث جید محمد بن احمد بن عباد خلاطی ۔ آپ نے مسند الامام الاعظم کی تلخیص کی ۔

فقیہ کبیر عارف بصیر نجم الدین بکیر ترکی ناصری، آپ نے کتاب حاوی تصنیف فرمائی اور عقیدہ طحاوی کی شرح النور اللامع والبرہان الساطع تحریر فرمائی، عالم فاضل فقیہ محدث ابوالمظفر شمس الدین یوسف بن فرغلی بغدادی صاحب مراۃ الزمان، فقیہ فاضل محدث کامل ابو المؤید محمد بن محمود خوارزمی، امام کبیر سراج الدین محمد بن احمد، ملک الناصر صلاح الدین داؤد بن ملک معظم عیسیٰ کرک صاحب فتاویٰ خیر مطلوب، عالم فاضل شمس الدین امام احمد بن عقلی شارح جامع صغیر عالم اجل فقیہ فاضل مختار بن محمود زاہدی صاحب قنیہ، فقیہ ومحدث عمر بن احمد حلبی مولف تاریخ حلب، امام محقق، شیخ مدقق، محدث ثقہ، فقیہ جید شہاب الدین فضل اللہ بن حسن بن حسین تورپشتی صاحب مطلب الناسک فی علم

المناسک، عالم متبحر علی ابن السباک، امام کبیر فقیہ ومحدث نجم العلماء علی بن محمد بخاری شارح جامع کبیر، امام فاضل جلال الدین محمد عیدیؒ، فقیہ ومحدث مفسر محمد بن سلیمان المعروف بابن النقیب، آپ نے قرآن مجید کی ایک تفسیر...... **المسمی بالتحریر لاقوال ائمۃ التفسیر فی معانی کلام السمیع البصیر**...... نہایت مفصل تحریر فرمائی ۔ فقیہ ومحدث محمود بن محمد لولوی بخاریؒ، فقیہ متبحر اصول مناظرہ شجاع الدین ہبۃ اللہ طرازی، عالم جلیل القدر فاضل متبحر عمر کاختوانی صاحب ضوء السراج شرح سراجیہ ۔

امام فاضل شمس الدین عبداللہ ادرعی، عالم فاضل فقیہ محدث عبدالرحمٰن کمال الدین حلبی، فقیہ محدث مفسر محمود رازی، ابو الفضل مجد الدین عبداللہ بن محمود موصلیؒ صاحب ’’مختار‘‘ امام فاضل شیخ محقق عماد الدین داؤد بن یحیٰ قحقازی، جامع معقول ومنقول عبدالعزیز خوارزمی، حافظ فنون صدر الصدور تقی الدین احمد دمشقی، امام فاضل مفسر محدث فقیہ اصولی متکلم محمد نسفی صاحب، عقائد متن شرح عقائد تفتازانی، امام جامع علوم ونقلیہ شیخ برہان الدین محمود بلخیؒ، ابو لمعالی فقیہ مفسر احمد بن حسینی، عالم فاضل جامع فروغ واصول جلال الدین عمر بن محمد بن عمر خبازیؒ، عالم فاضل فقیہ متبحر معز الدین نعمان بن حسن بن یوسف فطیبی، ابو الفضل حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر بخاریؒ، عالم ماہر فاضل بارع مجد الدین عبدالوہاب بن احمد بن سحنون الحطیب، ماہر باہر یگانہ زمانہ مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب بعلبکی، عالم دہر فاضل عصر بدر الدین یوسف بن عبداللہ بن محمد اذرعیؒ، امام فاضل فقیہ اجل نظام الدین احمد بخاری حصیری، امام کامل علامہ فاضل حسام الدین حسن بن احمد رازی، امام عالم مفسر فقیہ محدث ابو صابر بہاء الدین ایوب نحو حلبیؒ، عالم فاضل جامع فروغ اصول شمس الدین محمد بن سلیمان دمشقیؒ، امام محدث محمود

بن ابی بکر شمس الدین فرضیؒ، جب کسی کو خوبصورت لکھتے تو فرماتے کہ امام بخاریؒ کی شرط پر صحیح ہے۔ امام کبیر علاء الدین شیخ الاسلام سدید بن محمد حناطیؒ، امام جلیل القدر مجتہد یگانہ رکن الدین خوارزمی، فقیہ محدث جامع معقولات ومنقولات برہان الاسلام زرنوعیؒ، غواص معانی دقیقہ ابوبکر رکن الدین محمد بن عبدالرشید کامانی صاحب جواہر الفتاویٰ وحیرۃ الفقہاء، امام فاضل فقیہ متبحر برہان الآئمہ وشمس الدین محمد بن عبدالکریم خوارزمی، عالم فاضل فقیہ کامل ابوالفضل شرف الدین اشرف بن نجیب کاشغری، شیخ فاضل فقیہ کامل فخر الدین محمد مایمرغی، ابوالفتح جلال الدین محمد صاحب ہدایہ، نظام الدین عمر بن صاحب ہدایہ شیخ الاسلام عمادس الدین بن صاحب ہدایہ، فارس میدان بحث عدیم النظیر محمد بن عبدالعزیز بخاری، صدر جہاں، فاضل یگانہ محمد و بن عابد دمشقیؒ، امام کبیر فقیہ بے نظیر شرف الآئمہ محمود ترجمانی مکی صدر الشریعۃ اکبر احمد بن عبید اللہ محبوبی، صدر القراء رشید الآئمہ یوسف خوارزمی، فرید العصر وحید الدہر نظام الدین شاشی صاحب اصول الشاشی، فقیہ ادیب محدث مفسر ابوالقاسم تنوخی، امام فاضل ابوالمعین میمون بن مکحولی نسفی، ابوالفتح زین الدین عبدالرحیم صاحب فصول عمادیہ، شیخ فقیہ ظہیر الدین محمد بن عمر نوحابازی صاحب کشف الایہام لدفع الاوہام، ازائمہ کبار اعیان فقہاء ابوالعباس احمد بن مسعود قونوی، فقیہ فاضل ابوعاصم قاضی محمد بن احمد عامری تیس جلدوں میں مبسوط لکھی۔ امام کامل رضی الدین عبداللہ بن مظفر۔ یہ سب حضرات اس صدی میں فقہ کے آفتاب ومہتاب تھے اور سب کے سب حنفی مقلد تھے۔ اب اس صدی کے محدثین پر بھی نظر ڈالئے۔ محدث بغداد شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلیؒ، جلیل القدر حافظ حدیث احمد بن ہارون ابن عات نفری شاطبی، شیخ القراء ابوجعفر احمد بن علی دانی اندلسی،

محدث مفید ابواسحاق ابراہیم محمد بن شافعیؒ امام محدث جوال ابونزار ربیعہ بن حسن شافعیؒ مسند ہمدان ابوالفضل عبدالرحمٰن بن عبدالرب ہمدانی، امام العربیہ ابوالحسن علی بن محمد اشبیلی، محدث مسند ابوالفرج محمد بن علی حرانی، حافظ حدیث شرف الدین علی بن مفضل مفتی اسکندررانی، مسند اندلس ابوالقاسم احمد بن محمد بن مطرف فرضی،، شیخ الحنابل ابوبکر محمد بن معالی حلاوی، حافظ الحدیث امام ربیع بن حسن صفانی، محدث تلسمان امام ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن تجیبی مرسیؒ، تاج الامناء احمد بن محمد بن حسن، شیخ اندلس خطیب قرطبہ ابو جعفر بن یحییٰ حمیری، مسند جلیل ابوغالب بن مندویہ اصفہانی، مسند موصل مہذب الدین علی بن احمد طیب عمر رسیدہ خاتون عین الشمس بنت احمد بن ابوالفرج ثقفیہ اصفہانیہ، مفید محدث اصفہان ابوعبداللہ محمد بن مکی حنبلی، امام مفید ابن القرطبی محدث خطیب مالقہ، محدث اندلس امام ابن حوط اللہ، نامور محدث عزالدین امام علامہ ابن الاثیر جزری، امام ابن خلفون اندلسی، مفید امام العز ابن الحافظ مقدسی، امام ملاحی اندلسی غرناطی، محدث مکین الدین ابوطالب احمد بن عبداللہ کنانی، مسند ابوسعد ثابت بن مشرف بن ابی سعد ازجیؒ مقری مسند القراء ابومحمد عبدالصمد بلوی، مسند موصل مقرہی ابوبکر سمار بن عمر، شیخ الیونسیہ یونس بن سعد شیبانی، مفید الشام امام ابن الانماطی مصری شافعی، محدث شام شیخ السنہ امام الضیاء المقدسی، امام ابن قطان کتامی فارسی، ابونصر احمد ب نرسی، مسند ابوالفضل عبدالسلام بن عبداللہ داہری، ابوالرضا محمد بن ابوالفتح مبارک بن عبدالراحمٰن کندی، شیخ العربیہ زین الدین یحییٰ بن عبدالمعطی زرادی، خطیب بدرالدین یونس دمشقی، امام ابو موسیٰ بن حافظ عبدالغنی، مسند شام محدث حلب امام ابن خلیل دمشقی، محدث اسکندریہ مسند ابومحمد عبدالوہاب ازدی، المسند العدل فخر القضاۃ احمد بن محمد بن عبدالعزیز تمیمی مصری۔

مسند بغداد محدث ابو محمد ابراہیم بن محمود ازجی حنبلی، مسند القاسم علی بن سالم یعقوبی ضریر، فقیہ مفتی ابو عبداللہ محمد بن ابو بکر دباس حنبلی، مسند ابو منصور مظفر بن عبد المالک فہری، محدث عالم مجد الدین محمد بن محمد اسفرائنی صوفی، محدث عراق امام ابن نقطہ حنبلی بغدادی، ابو القاسم احمد بن محمد ابو غالب بغدادی، امام نظامیہ ابو المعالی احمد بن عمر بن بکرون نہروانی ، قاضی شرف الدین اسماعیل بن ابراہیم شیبانی حنفی، امام مسند ابو علی حسن بن مبارک بغدادی حنفی، ابو محمد عبد الصمد بن داؤد بن محمد مصری غفاری، ابو محمد الغفار بن شجاع ترکمانی شرجلی ، ابو محمد عبد اللطیف بن عبد الوہاب طبری بغدادی ، علامہ موفق الدین بن عبد اللطیف بن یوسف بغدادی، مسند الوقت ابو حفص عمر بن کرم دینوری البغدادی الحنبلی، ابو القاسم عیسیٰ بن عبد العزیز نحمی ، امام و بیشی واسطی شافوی، قاضی دمشق شمس الدین ابو العباس احمد بن خلیل الاصولی الشافعی، رئیس صفی الدین ابو العلاء احمد بن ابو الیسر شاکر بن عبداللہ تنوخی دمشقی، ابو البقاء اسماعیل بن محمد بغدادی، مسند شیراز علامہ علاء الدین ابو سعد ثابت بن احمد نجندی اصفہانی، مسند ابو علی حسین بن یوسف منہاجی شاطبی، العدل امین الدین ابو الغنائم، قاضی عبد الحمید بن عبد الرشید ہمدانی، مسند ابو القاسم عبد الرحمٰن بن یوسف دمشقی، امام ربوہ ابو محمد عبد العزیز بن برکات خشوعی، شیخ بغداد مقری امام عبد العزیز بن دلف بغدادی الناسخ، مفید امام ادیب شمس الدین محمد بن حسن بغدادی ، شیخ تقی الدین محمد بن طرخان سلمی دمشقی، زاہد ابو طالب محمد بن عبداللہ سلمی دمشقی، محتسب دمشق رشید الدین ابو المفضل محمد بن عبد الکریم قیسی، فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن محمد نوتانی، محدث و مورخ امام شرف الدین ابو البرکات مبارک بن احمد امام کلاعی بلنسی محدث اندلس، یمین الدین احمد بن سلطان صلاح الدین ایوبی، ابو محمد اسحاق بن احمد علثی زاہد

، محدث و مصر وجیہ الدین ابو الیمن برکات بن ظافر انصاری، فقیہ موفق احمد بن احمد بن صدیق حرانی، ابو طاہر خلیل بن احمد جوسقی صرصری، مسند ابو منصور سعید بن محمد یٰسین سفار ، امام ناصح الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن بن نجم شیرازی حنبلی، فقیہ حران ناصح الدین عبدلقادر بن عبد القاہر حنبلی ، فقیہ شرف الدین بن عبد القادر بغدادی مصری شافعی، مسند ابونزار عبد الواحد بغدادی ، مسند ابو الحسن علی بن محمد بغدادی، محدث مورخ مسند عراق ابو الحسن محمد بن احمد قطیعی ، مسند ابو الحسن مرتضیٰ بن ابو الجود حاتم حارثی، مسند ابو بکر ہبۃ اللہ عمر حلاج، خاتون ام عبداللہ یاسمین بنت سالم بن علی بن بیطار، حافظ الحدیث امام ابن دحیہ کلبی اندلسی، جمال ابو حمزہ احمد بن عمر مقدسی ، فقیہ ملک ابو العباس بن الخطیب محمد بن احمد لخمی، مسندہ ام الحیاء زہرہ بنت محمد بن احمد، ابو لربیع سلمان بن احمد شادعی، مقری ابن المغربل، فقیہ وجیہ الدین عبد الخالق تنیسی ، مسند شیخ عبد الرحمٰن بن عمر دمشقی نساج، خطیب زملکا، عبد الکریم بن خلف انصاری، مسند کبیر ابو الحسن علی بن ابو بکر بن روزبہ بغدادی قلانسی ، مسند فخر الدین محمد بن ابراہیم اربلی، ابو بکر محمد بن محمد ماموئی مقری ضریر، مسند ابو الفتح نصر اللہ بن عبد الرحمٰن انصاری دمشقی، قاضی القضاۃ عماد الدین نصر بن عبد الرزاق بن عبد القادر جیلیؒ ، محدث شام امام مفید برزالی، شبیلی ابو العباس احمد بن علی بن محمد زاہد قسطانی، ابولمعالی سعد بن مسلم بن مکی قیسی دمشقی، محدث ابو الخیر بدل بن ابو المعمر تبریزی ، مسند مقری ابو الفضل جعفر بن علی ہمدانی ، شیخ اسکندریہ امام کبیر جمال الدین ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد الحمید صغراوی مالکی، محدث نصیبین شیخ عسکر بن عبد الرحیم عدوی، مسند ابو الفضل محمد بن محمد حسن سباک ، شیخ الحفیہ علامہ جمال الدین محمود بن احمد بخاری ابن الحصری، محدث اندلس امام ابن طیلسان قرطبی ، صدر تاج الدین احمد صدر نجم الدین حسن

بن سالم، شیخ حاطب بن عبدالکریم حارثی مزی، محدث مقری ابو القاسم سلیمان بن عبدالکریم انصاری دمزتی، مسند ابوالمنصو رظافر بن طاہر، شیخ الشیوخ تاج الدین ابومحمد عبداللہ بن عمر جوینی، قاضی عبدالعزیز بن عبدالواحد جیلی، شیخ قمر بن ہلال قطیفی، نفیس ابو لبرکات محمد بن حسین انصاری حموی ضریر، صدر جمال الدین ابو الفضل یوسف بن عبدالمعطی مقید عراق امام ابن النجار بغدادی۔

تاریخ اور اسماء الرجال کی بیسیوں کتابوں میں سے میں نے صرف دو کتابوں حدائق الحنفیہ اور تذکرۃ الحفاظ ذہبی سے ساتویں صدی کے ایک چوتھائی سے بھی کم مشاہیر فقہاء اور محدثین کے یہ نام جمع کئے ہیں، یہ تمام محدثین اور فقہاء مذاہب اربعہ کے پابند تھے۔ تین طلاق کے مسئلہ میں ان میں سے کسی نے بھی صحابہ کرامؓ کے اتباع اور ائمہ اربعہ کے اتفاق کی مخالفت نہ کی۔ اسی ساتویں صدی میں ربیع الاول ۶۶۱ھ میں حافظ ابولعباس احمد ابن تیمیہ حرانی پیدا ہوئے اور ۲۰ ذیقعدہ ۷۶۸ھ کو ان کا وصال ہوا۔ اگرچہ وہ حنبلی کہلاتے تھے مگر کئی مسائل میں اہلسنت والجماعت سے تفرد اختیار فرمایا۔ ان کے شاگرد علامہ ذہبی بھی لکھتے ہیں:

"آپ چند فتووں میں منفرد تھے جن کو آپ کی بے حرمتی کا بہانہ بنایا گیا۔ آپ پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے۔ آپ کو پابند سلاسل بنا کر جیل میں ڈالا گیا"

(تذکرۃ الحفاظ ص ۱۰۱۹)

رسول اقدسؐ کے روضہ پاک کی زیارت کی نیت سے سفر کو گناہ قرار دیا۔ وسیلے کا نکار کیا۔ روضہ پاک پر حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کو ناجائز قرار دیا۔ اور تین طلاق کے مسئلہ میں مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر روافض کی اتباع اختیار کی۔ چونکہ اس وقت حکومت اسلامی تھی وہ اس انتشار کو سخت ناپسند کرتی تھی اس وقت ان پر کیا گزری یہ مولانا اشرف الدین شاگرد میاں نذیر حسین دہلوی او رنواب صدیق حسن خاں غیر مقلدین سے سنیئے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے یہ لکھ دیا تھا کہ تین طلاق میں محدثین اور حنفیہ کے مسلک میں اختلاف ہے۔ اس پر مولانا شرف الدین صاحب لکھتے ہیں......

"اصل بات یہ ہے کہ مجیب مرحوم نے جو لکھا ہے کہ تین طلاق مجلس واحد کی محدثین کے نزدیک ایک کے حکم میں ہے" یہ مسلک صحابہؓ تابعین وتبع تابعینؒ وغیرہ ائمہ محدثین متقدمین کا نہیں ہے۔ یہ مسلک سات سو سال کے بعد محدثین کا ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتویٰ کے پابند اور ان کے معتقد ہیں۔ یہ فتویٰ شیخ الاسلام نے ساتویں صدی کے اخیر یا اوائل آٹھویں صدی میں دیا تھا۔ تو اس وقت کے علماء اسلام نے اس کی سخت مخالفت کی تھی۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اتحاف النبلاء میں جہاں شیخ الاسلام کے متفردات مسائل لکھے ہیں اس فہرست میں طلاق ثلاثہ کا مسئلہ بھی لکھا ہے اور لکھا ہے کہ جب شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے تین طلاق کی ایک مجلس میں ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا تو بہت شور ہوا۔ شیخ الاسلام اور ان کے شاگرد ابن قیم پر مصائب برپا ہوئے۔ ان کو اونٹ پر سوار کر کے درے مار مار کر شہر میں پھرا کر توہین کی گئی، قید کئے گئے، اس لئے کہ اس وقت یہ مسئلہ روافض کی علامت تھی۔ (ص ۳۱۸) اور سبل السلام شرح بلوغ المرام (مطبع فاروقی دہلی ص ۹۸ جلد ۲) اور التاج المکلل (مصنفہ نواب صدیق حسن خاں صاحب ص ۲۶۸) میں ہے کہ امام شمس الدین ذہبی باوجود شیخ الاسلام کے شاگرد اور معتقد ہونے اس مسئلہ کے سخت مخالف تھے۔ (التاج المکلل ۲۸۸۔۲۸۹)...... یہ فتویٰ یا مذہب آٹھویں صدی میں وجود میں آیا اور ائمہ اربعہ کی تقلید چوتھی صدی ہجری

میں رائج ہوئی (اس مسلک کو محدثین کا مسلک قرار دینے) کی مثال ایسی ہے جیسے بریلوی لوگوں نے قبضہ غاصبانہ کر کے اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت مشہور کر رکھا ہے اوروں کو خارج یا جیسے مولوی مودودی کی جماعت نے اپنے آپ کو جماعت اسلامی مشہور کر دیا ہے، باوجودیکہ ان کا اسلام بھی خودساختہ ہے جو چودھویں صدی ہجری میں بنایا گیا ہے۔ ولعل فیه كفاية لمن له دراية والله يهدى من يشاء الىٰ صراط مستقيم .يستلو نک احق هو قل اى وربى انه لحق......

(ابوسعید شرف الدین دہلوی، فتاویٰ ثنائیہ ص۲۲۰، ج۲)

مولانا شرف الدین نے یہ بات واضح کر دی کہ اسلام کی پہلی سات صدیوں میں کوئی صحابیؓ، تابعی، تبع تابعی، مجتہد، فقیہ اور محدث ایک مجلس کی تین طلاق کے بعد رجوع کا فتویٰ نہ دیتا تھا۔ بلکہ سات سو سال تک یہ بات مسلم تھی کہ یہ فتویٰ رافضیوں کا ہے۔ آٹھویں صدی میں دو نام سامنے آتے ہیں۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم۔ لیکن تمام علماء نے اس فتویٰ کو رد کر دیا اور اسلامی حکومت نے ان کو سزائیں دی۔ اب چوہویں صدی کے غیر مقلدین جو ابن تیمیہ کی تقلید میں اس کو محدثین کا مذہب کہتے پھرتے ہیں۔ یہ ایسا ہی جھوٹ ہے جیسے بریلویوں کا اپنی بدعات کو سنت کہنا، یا جس طرح مودودی کا اپنے خودساختہ اسلام کو جماعت اسلامی کا نام دینا اور پھر مولانا قسم کھا کر فرماتے ہیں میرے رب کی قسم یہی بات حق ہے۔

آٹھویں صدی :

ابن تیمیہ کے اس تفرد میں ان کے کسی شاگرد نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔ ان کے شاگرد ذہبی نے بھی سخت مخالف کی اور امام فرید عصحافظ ذوالفنوں شمس الدین احمد

بن عبدالہادی نے ان کا قاہرہ رد لکھا۔ البتہ ابن تیمیہ کے شاگرد ابن قیم نے ان کی حمایت کا دم بھرا اور چار جلدوں میں ایک کتاب اعلام الموقعین لکھ ڈالی۔ لیکن وہ اپنے استاد کی حمایت میں بالکل ناکام رہے۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم کو جو سزائیں ملیں ان کی بنیاد وہ محضر نامہ تھا جو علماء کے دستخطوں کے ساتھ ان کے خلاف لکھا گیا تھا۔ عربی میں دستخط کو توقیع کہتے ہیں اس محضر نامے کے رد میں جو کتاب لکھی اس کا نام اعلام الموقعین رکھا کہ دستخط کرنے والوں کو خبردار کرنا۔ اس میں امام احمد بن حنبلؒ سے یہ تو نقل فرمایا کہ جو چار پانچ لاکھ احادیث کا حافظ نہ ہو اسے اجتہاد کرنے اور فتویٰ دینے کا حق نہیں تو گویا اس کا راستہ تو تقلید ہی ہے۔ ہاں جو ابن تیمیہ جیسا متبحر فی المذہب ہو، اس کو اپنے امام سے اختلاف کا حق ہے۔ مگر ابن قیم یہاں اپنے موضوں سے ہٹ گئے، انہیں ثابت تو یہ کرنا تھا کہ کیا ایسا شخص خرف اجماع کا حق رکھتا ہے اور ایسے شخص کو چاروں مذہب چھوڑ کر روافض کی اتباع جائز ہے۔ اس بات کو ثابت کرنے میں وہ سو فیصد ناکام رہے۔ ابن قیم نے اس کتاب پر اجماع پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی۔ اہل سنت والجماعت کے ہاں سابقہ مجتہدین میں ان مذہب کو مدار مانا جاتا ہے۔ جن کے مذاہب تواتر اور یقین سے ثابت ہوں، اگر کسی مجتہد سے کوئی شاذ قول منقول ہے تو شاذ قرأتوں کی طرح وہ تواتر اور اجماع سے ٹکر نہیں لے سکتا۔ ابن قیم نے ایسے شواذ کو بھی جمع کرنے کی کوشش کی مگر وہ اپنی اور روافض کی حمایت میں کسی اہل سنت مجتہد کا کوئی شاذ قول بھی پیش نہ کر سکے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن دقیق العید قشیری (۷۰۲ھ) شیخ الاسلام محی الدین نووی (۶۷۶ھ) وہ اس صدی کے تمام فقہاء اور محدثین صحابہ کرام کے اجماع اور ائمہ اربعہ کے اتفاق پر ہی مضبوطی سے قائم رہے۔

نویں تا تیرھویں صدی کے دوران آٹھویں صدی کے ابتداء میں ابن تیمیہ یا ابن قیم نے اجماع صحابہ کرامؓ اور مذاہب اور اربعہ سے ہٹ کر روافض کی اتباع میں ایک مجلس کی تین طلاق کے رجوع کا فتویٰ دیا۔ لیکن مذاہب اربعہ کے تمام علماء اور اسلامی حکومت نے اس کو مسترد کر دیا اور ان کی توہین وتذلیل کے ساتھ قید وبند کی سزا بھی دی۔ چنانچہ نویں، دسویں، گیارہوں، بارہویں صدی میں ایک مفتی بھی نہیں ملتا جس نے ابن تیمیہ کے اس غلط فتوے کے مطابق فتویٰ دیا ہو۔ اور یہ صدیاں بھی اسلامی عروج کی صدیاں تھی۔ ایک بھی مستند شخصیت کا نام کسی مستند تاریخ سے پیش نہیں کیا جا سکتا جو غیر مقلد ہو۔

تیرہویں صدی کے وسط میں جب متحدہ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے پر پرزے پھیلا رہی تھی تو ایک رافضی عبدالحق بنارسی تقیہ کی چادر اوڑھ کر سنیوں میں داخل ہوا۔ وہ یمن سے شوکانی زیدی کی کتاب الدرر البہیہ لایا اور اس نے غیر مقلدیت کی بنیاد رکھی۔ یہاں سب اہل سنت والجماعت حنفی تھے۔ اب امام کی تقلید چھوڑنے کے بعد پہلا مسئلہ یہ تھا کہ پہلے مسائل فقہ حنفی سے لیتے تھے۔ اب کس فقہ کے مطابق نماز روزہ ادا ہوگا۔ تو زیدی فقہ الدرر البہیہ کا اردو ترجمہ کر کے اس کا نام فقہ محمدیہ رکھ کر شائع کر دی گئی اور اپنا نام محمدی رکھ لیا گیا یعنی فقہ محمدیہ پر عمل کرنے والے جو یمن کے زیدی شیعوں کی لکھی ہوئی ہے۔ اب اسلامی حکومت کمزور تھی کہ کسی نئے فتنے کو اُبھرنے نہ دے۔ البتہ برطانیہ کی ضرورت تھی کہ اسلاف سے بغاوت کر کے نئے نئے فتنے اٹھیں تا کہ مسلمانوں کی قوت آپس میں لڑ کر تباہ ہو۔ انگریزوں نے اس نومولود فرقے کی حمایت کی۔ ادھر علماء نے ان کے عقائد واعمال لکھ کر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ

کے علماء سے اس نوزائیدہ فرقے کے متعلق فتویٰ طلب کیا۔ چنانچہ ۱۲۵۲ھ میں حرمین شریفین سے پہلا فتویٰ ان کے خلاف آیا جس میں وہاں کے علماء نے بالاتفاق اس فرقے کو ایک گمراہ فرقہ قرار دیا۔ پھر دوسرا فتویٰ ۱۲۵۲ھ میں اور تیسرا ۱۲۸۴ھ میں حرمین شریفین سے آیا۔ متحدہ ہندوستان کے علماء نے بھی مفصل فتویٰ تحریر فرمائے۔ نظام الاسلام، تنبیہ الضالین وغیرہ یہ فتاویٰ مولانا منیر احمد صاحب مدظلہ کی مرتب کتاب شرعی فیصلے میں موجود ہیں۔ مگر ابھی تک اس فرقے کا زور آمین، رفع یدین پر ہی تھا۔ حرام کو حلال کرنے کا کاروبار ابھی شروع نہیں کیا تھا۔ کیونکہ ابھی ان کے سرپرست انگریز بھی پورے اقتدار کے مالک نہ تھے۔ اور ہر دار الافتاء کا مدار شامی اور عالمگیری پر تھا۔ شامی شریف میں بھی یہ لکھا تھا کہ اگر تین طلاق کے بعد کوئی قاضی رجوع کرنے کا فیصلہ دے تو وہ قاضی نہیں شیطان ہے اور اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ اور فتاویٰ عالمگیری پانصد علماء کی اجتماعی کوشش سے مرتب ہوا تھا۔ اس میں تو یہاں تک لکھا تھا کہ اگر تین طلاق کا لفظ خود بیوی نے اپنے کانوں سے سنا ہے اور کسی قاضی نے رجوع کا فیصلہ دے دیا تو عورت ہرگز ہرگز اس کو اپنے پاس نہ آنے دے۔ اگر بالفرض اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں تو عورت اس زناکاری سے بچنے کے لئے اگر اسے زہر دے دے تو شرعاً گنہگار نہ ہو گی۔ اس لئے تیرہویں صدی میں غیر مقلدین کے کسی بھی فتوے کا ہمیں علم نہیں جس میں اس حرام عورت کو حلال کیا گیا ہو۔

چودھویں صدی:

اس صدی میں جب اسلامی حکومت ختم ہوگئی اور انگریزی اقتدار مضبوط ہو گیا تو مولوی عبدالرحمٰن مبارک پوری، مولوی شمس الحق ڈیانوی اور مولوی نذیر حسین

دہلوی نے پھر اس حرام کو حلال ہونے کا فتویٰ دیا۔ اب اسلامی حکومت نہیں تھی کہ ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوتا جو آٹھویں صدی میں ابن تیمیہ اور ابن قیم کے ساتھ ہوا تھا۔ تاہم اس فتوے کو اہل سنت والجماعت تو کیا خود غیر مقلدین نے بھی قبول نہ کیا۔ اور ابو سعید شرف الدین دہلوی غیر مقلد نے اس کا زبردست رد لکھا جو فتاویٰ ثنائیہ (ص ۲۱۶ تا ۲۲۰) جلد دوم پر مذکور ہے۔ اس کا جواب الجواب غیر مقلد نہ لکھ سکے۔ پھر ۳ رجب ۱۳۴۲ھ کو مولوی ثناء اللہ نے اجماع صحابہ اور مذاہب اربعہ کے خلاف فتویٰ دیا۔ اسے بھی غیر مقلدین نے تسلیم نہ کیا۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم جناب عبداللہ روپڑی صاحب نے اس کا رد تحریر فرمایا۔ اس کے بعد غیر مقلدین نے سوچا کہ یہ تو حنفی کو غیر مقلد بننے کا بہترین ذریعہ ہے چنانچہ غیر مقلدین نے اس پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ اور اکثر غیر مقلدین اسی وجہ سے بنے ہیں۔ الغرض کسی بھی اسلامی حکومت میں اس فتوے کو کبھی بھی پذیرائی نصیب نہ ہوئی۔ چودہویں صدی کے غیر مقلدین نے اس کاروبار کو وسیع کیا۔ ان کی کوشش تھی کہ حرمین شریفین سے بھی اس کی تائید ہو جائے، مگر رابطہ عالم اسلامی نے پوری تحقیق اور کوشش ے بعد یہی فتویٰ دیا کی جس شخص نے ایک لفظ سے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں ہوں وہ تین ہی واقع ہوں گی۔ اس کے بعد رجوع تو کیا نکاح کا حق بھی نہیں رہتا۔ جب تک وہ عورت کسی دوسرے خاوند سے ہم بستر نہ ہو۔ جناب رسول اقدسؐ نے تو یہ فرمایا تھا کہ جس نے اپنے دین کی حفاظت کرنی ہے وہ شبہ سے بھی بچے۔ لیکن ہمارے غیر مقلدین دوست کھلے کھلے حرام میں رات دن کوشاں ہیں۔ خداوند قدوس ہمیں حرام سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین

بابِ دوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

برادران اسلام! اسلام ایک برحق اور فطری دین ہے۔ اس میں اصل اور نقل کا امتیاز نہایت واضح ہے۔ جس طرح اس دنیا میں نور کے مقابلہ میں تاریکی ہے، اسی طرح ایمان کے مقابلہ میں کفر، توحید کے مقابل میں شرک، سنت کے مقابلہ میں بدعت اجتہاد کے مقابلہ میں الحاد، تقلید سلف کے مقابلہ میں ذہنی آوارگی اور نفس پرستی ہے۔ باطل نے حق کا انکار پہلے اس انداز میں کیا کہ حضور اقدس ﷺ کی نبوت کا ہی انکار کیا جائے، لیکن کفر کی تمام طاقتیں مل کر بھی حق کا راستہ نہ روک سکی اور چار دانگ عالم میں حضرت محمد ﷺ کی رسالت اور نبوت کا ڈنکا بجنے لگا۔ حق غالب آگیا! اور باطل دب گیا، تاہم باطل نے ہمت نہ ہاری، البتہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر حملہ آور ہوا اور یہ طریقہ اختیار کیا کہ اب رسول اقدس ﷺ پر براہ راست حملہ نہ کیا جائے اور اسلام سے کفر براہ راست بھی نہ ٹکرائے، بلکہ حضور ﷺ کا بظاہر کلمہ پڑھ لیا جائے اور پھر آپ ﷺ کی تعریف، مگر آپ سے صحابہؓ کی تکذیب کردی جائے، کیونکہ صحابہ کرامؓ ہی آپ ﷺ کے دعویٰ نبوت کے راوی ہیں۔ ان ہی کی روایات سے دلائل نبوت یعنی معجزات پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں اور یہ مقدس لوگ آپ ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات کے راوی اور سنت

نبوی ﷺ کے عملی نمونے ہیں۔ اور اگر ان حضرات کو معاذ اللہ جھوٹے ثابت کر دیا جائے تو نہ ہی دنیا کے سامنے آنحضرت ﷺ کے دعویٰ نبوت کا ثبوت ہو سکے گا اور نہ ہی دلائل نبوت اور تعلیمات نبوت کا، اس طرح آپ ﷺ کے کلمہ کو باقی رکھ کر آپ کے پورے دین کو مشکوک کر دیا جائے گا۔ لیکن خلافت راشدہ کے سنہرے دور نے اس حیلے کی بھی کمر توڑ کر رکھ دی۔ جب باطل نے دیکھا کہ حیلے میں بھی ہمیں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی تو ان کو ”تقیہ“ کا لحاف اوڑھنا پڑا۔ تاہم باطل نے ہمت نہ ہاری اور ایک قدم اور پیچھے ہٹا لیا اور سوچا کہ صحابی کرامؓ کی عظمت ومحبت سے مسلمانوں کے دل بھرپور ہیں، خدا کی کتاب اور نبی ﷺ کی سنت، اس مقدس جماعت کی عظمت اور ان کے بے مثال کارناموں سے پر ہے۔ اس لئے کتاب اور سنت کے ماننے والوں کو صحابہؓ کرام سے بدظن کرنا بہت مشکل ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ آج جو دین مکمل طور پر مدون شکل میں مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور ہر جگہ عملاً متواتر ہے یہ براہ راست صحابہ کرامؓ کا مدون کردہ نہیں، کیونکہ ان کی مقدس زندگیاں میدان جہاد میں گزر گئیں۔ اس مکمل دین کی تدوین کا سہرا آئمہ اربعہ کے سر پر ہے۔ ان ہی حضرات کے مقدس ہاتھوں سے دین حنیف کی تدوین ہوئی اور اس کو ہر طرح سے عملی تواتر اور غلبہ نصیب ہوا۔ ان میں سے بھی خصوصاً سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ کی تدوین کو جو شہرت عام اور بقائے دوام نصیب ہوئی اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کی فقہ تقریباً بارہ سو سال تک اسلامی دنیا میں بطور قانون نافذ رہی۔ عباسی خلافت میں قاضی القضاۃ یعنی وزیر قانون سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ کے عظیم شاگرد قاضی ابو یوسفؒ کو بنایا گیا۔ عباسی خلافت میں اکثر قاضی حنفی تھے۔ بعض باقی تین مذاہب کے۔ پھر سلجوقی، خوارزمی اور عثمانی خلافتیں خالص حنفی

خلافتیں تھی۔ تمام فتوحات کا سہرا بھی ان کے سر رہا اور فقہ حنفی بحیثیت قانون اسلامی نافذ رہی اور یہ خلافتیں خدمت حرمین شریفین کے شرف سے مشرف رہیں۔ فقہ اسلامی جو عروج اسلامی کے دور میں صدیوں تک ہر زمان ومکان کے مسائل کے حل کی مکمل صلاحیت رکھتی تھی۔ اس کے بارہ میں یہ آواز اٹھنے لگی کہ عرج اسلام کے دور میں تو یہ کارآمد تھی، لیکن آج مسلمانوں کی پریشانی کے دور میں یہ کام نہیں دے سکتی۔ اس میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس کا تواتر اور اس کی کاملیت مسلمانوں میں مغربی قوانین کے نفوذ سے مانع اور اس کی سرایت میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ اس لئے باطل نے سوچا کہ مذاہب اربعہ جو کتاب وسنت کی صحیح اور جامع تعبیر ہیں اور مراد وحی کی متواتر تشکیل ہے خاص طور پر حنفیت جو کتاب وسنت کی سب سے پہلی تعبیر وتفصیل ہے اور اپنی جامعیت اور حقانیت کی وجہ سے خیر القرون سے آج تک درساً اور عملاً متواتر ہے اس کا انکار کر دیا جائے تو نہ ہی قرآن پاک کی کوئی متواتر تعبیر دنیا کے سامنے رہ جائے گی اور نہ ہی سنت کی کوئی متواتر تفصیل دنیا کے سامنے رہ جائے گی۔ اس طرح متواتر فقہ سے بغاوت کے بعد قرآن وحدیث کو بچوں کا کھلونا بنا دیا جائے گا۔ ہر کسی کو اپنی خواہش نفس کی تعمیر کے لئے قرآن وحدیث کا نام استعمال کرنے کی کھلی چھوٹی ہوگی۔ ہر شخص کا مذہب الگ الگ ہوگا۔

اس مقصد کے لئے یہودی لابی نے مستشرقین کی ایک کھیپ تیار کی کہ ان متواتر مذاہب سے خروج وبغاوت کی راہ ہموار کی جائے انہوں نے اس متواتر مذہب کے خلاف شاذ ومردود اقوال کی تلاش میں دن رات ایک کر دیا۔ متواتر قرآن کے مقابلہ میں شاذ ومتروک قرائتیں عوام کے سامنے لا ڈالی گئیں۔ قرآن وسنت کی متواتر

تعبیرات کے مقابلہ میں شاذ تعبیرات کے ڈھیر لگا دیئے گئے، صحابہ کرامؓ کے متواتر کارناموں کو سبوتاژ کرنے کے لئے شاذ و بے سند قصوں کو تلاش کیا گیا۔ آئمہ اربعہ کے متواتر مذاہب کے خلاف شاذ اقوال کا جال بن دیا گیا، اور ایسے لوگ پیدا کئے گئے جو خود مجتہد بن کر اکابر کے خلاف استخفاف، بدگمانی، بدزبانی کو ہی دین کی خدمت سمجھتے تھے۔

حنفیت :

چونکہ اہل اسلام میں سب سے بڑی جماعت اہل سنت والجماعت ہے اور اس کے چار ہی مذہب ہیں۔ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی۔ ان میں بھی زیادہ تعداد احناف کی ہے۔ الحمدللہ اسلام کے عروج کی تاریخ میں سب سے زیادہ ملک ان ہی نے کافروں سے فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شریک کئے۔ ساری اسلامی سلطنت میں اسلامی قانون کو نافذ رکھا، سب کافروں سے جزیہ وصول کیا، آج بھی مسلمانوں میں یہی ایک موثر طاقت ہے، اس لئے یہودی لابی نے سب فرقوں کو ان کے پیچھے لگا دیا تا کہ ان کو رات دن پریشان رکھا جائے۔ مستشرقین کے مواد کو سمیٹ کر ائمہ مبتدعین کے خلاف خروج و بغاوت کے لئے ایسے شاذ اقوال کا سہارا لیا جاتا ہے جو بعض لوگوں سے سہو یا غلطی صادر ہوئے اور اُمت میں ہمیشہ شاذ و متروک رہے۔ ان لوگوں کو آپ سو سمجھائیں کہ ''مَنْ شَذَ شُذَّفِی النَّار'' کی وعید سے خود بچو اور امت رسول ﷺ کو بچاؤ، مگر یہودی لابی کی نوازشات کی وجہ سے یہ اپنے اکابر سے بدظن اور مستشرقین کے تلاش کردہ شاذ اقوال کو قرآن وحدیث کے نام سے پیش کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔

ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ متواتر مذہب کو مٹانے میں سب سے

زیادہ کردار حضرات غیر مقلدین ادا کر رہے ہیں۔ عام لوگوں میں یہ تاثر ہے کہ یہ لوگ صرف فقہ حنفی کو نہیں مانتے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ائمہ اربعہ کے متفقہ مسائل کو بھی مٹاتے ہیں اور ائمہ کے بعد صحابہؓ کے اجماع تک کی مخالفت کو اپنا دین ایمان سمجھتے ہیں۔ قرآن وسنت کی تشریحات میں ارشادات صحابہؓ اور تعبیرات آئمہ کرامؒ کی مخالفت کر کے مستشرقین سے برآمد شدہ شاذ مسائل کو پھیلانا انکا محبوب مشغلہ ہے۔

مسئلہ طلاق:

ایسے ہی مسائل میں ایک مسئلہ طلاق کا ہے۔ یہود کے ہاں طلاق کی کوئی تحدید نہیں۔ جتنی طلاقیں چاہیں خاوند دیتا رہے اور رجوع کرتا رہے نہ بیچاری کو بسائے اور نہ آزاد کرے۔ اس کے برعکس عیسائی مذہب کے ہاں طلاق جائز ہی نہیں، اسلام میں نہ ہی یہود کی طرح کھلی چھٹی ہے اور نہ ہی عیسائیت کی طرح بالکل ممانعت، اسلام یہ کہتا ہے کہ جو تعلقات خدا کے جوڑے ہوئے ہیں، ان کو انسان توڑنے کا حق نہیں رکھتا، جیسے باپ بیٹے اور بھائی بہن کا تعلق، باپ سو مرتبہ کہے تو میرا بیٹا نہیں وہ پھر بھی بیٹا ہی رہتا ہے، بھائی سو مرتبہ کہے تو میری بہن نہیں، وہ پھر بھی بہن ہی رہتی ہے۔ لیکن جو تعلقات انسان خود جوڑتا ہے وہ جس مقصد کے لئے جوڑتا ہے وہ مقصد حاصل نہ ہو رہا ہو، کوئی پریشانی ہو تو اس کو توڑنے کا بھی انسان کو اختیار ہے۔ مثلاً میاں بیوی کا تعلق انسان نے خود جوڑا ہے تا کہ زندگی کا سکون اور چین نصیب ہو، اگر آپس میں بالکل نہ بنتی ہو تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں...... اَبْغَضُ الْحَلالِ عِنْدَاللہِ الطَّلَاق (ابوداؤد، ص ۱۶۶) کہ حلال باتوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِیْحٌ

بِاِحْسَان ......طلاق دو مرتبہ ہے پھر یا تو روک لینا ہے معروف طریقے سے یا آزاد کر دینا ہے اچھے طریقے سے۔

گویا دو طلاقوں کے بعد مرد کو دو اختیار دیئے۔ اگر وہ اس کو پھر اپنی بیوی بنانا چاہتا ہے تو معروف طریقے سے روک لے، مثلاً طلاق رجعی ہے اور عدت باقی ہے تو رجوع کر لے اور اگر طلاق رجعی کی عدت ختم ہوگئی ہے یا طلاق بائن ہے تو عورت کی رضا مندی سے دوبارہ اس سے نکاح کر لے، اور اگر یہ نہ چاہے تو اسے جانے دے۔

لیکن اگر مرد نے تین طلاقیں دے دی تو ارشاد باری تعالیٰ ہے...... فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهٗ...... پس اگر تین طلاق بھی دے دی تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔ یہاں تک کہ وہ اس کے دوسرے خاوند سے نکاح کرے۔ اس لئے آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ تین طلاق جس طرح بھی دی جائیں وہ واقع ہو جاتی ہیں۔ اب جب تک وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے تو پھر دوسرا خاوند طلاق دے تو اس کی عدت گزار کر یہ پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہودی مذہب میں تین طلاق کے بعد بھی بیوی سے رجوع کا حق ہے۔ یہود سے یہ مسئلہ روافض نے لے لیا (غنیۃ الطالبین) ہمارے غیر مقلد حضرات نے ایک نئی تقسیم کر لی کہ اگر خاوند تین پاکیوں میں تین طلاقیں دے، پھر تو حلالہ شرعی کے بغیر عورت پہلے خاوند کے پاس نہیں آسکتی، لیکن اگر تین طلاقیں ایک مجلس میں دے تو وہ ایک طلاق گنی جائے گی۔ خاوند کو رجوع کا حق ہے، اس کو مثال سے یوں سمجھیں کہ اہل اسلام کہتے ہیں آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا مگر مرزائیوں نے ایک بات تسلیم کر لی ہے کہ آپ ﷺ کے بعد صاحب شریعت نبی تو نہیں آسکتا مگر غیر تشریعی نبی آسکتا ہے۔ اس طرح غیر مقلدین نے تین طلاق کے مسئلہ میں تقسیم کر لی کہ بعض قسم کی تین طلاقیں تین ہوتی ہیں اور بعض قسم کی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق ہوتی ہے۔ اس لئے انکا فرض ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کے دونوں حصوں پر کتاب اور سنت سے واضح دلیل دیں۔ وہ پہلے حصہ میں آئمہ اربعہ سے متفق ہیں اور دوسرے حصہ میں یہود اور روافض سے۔ ہم موضوع کی وضاحت کے لئے ان سے چند سوالات پوچھتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ وہ ہر سوال کا جواب صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث سے دیں گے۔

(۱)......طلاق دینا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے یا ناپسند؟ ناپسند ہونے کے باوجود طلاق ہو جائے گی یا نہیں؟

(۲)......ایک عورت خدا اور رسول ﷺ کے ساتھ خاوند کی بھی پوری تابعدار ہے، مگر خاوند کی نظر کسی اور کی طرف لگ گئی۔ اب وہ بیوی کو بلا قصور طلاق دے دیتا ہے۔ اس مرد کو اس طلاق دینے پر کوئی گناہ ہے یا نہیں؟ اس گناہ پر کون سی حد شرعی ہے اور اس گناہ کے باوجود طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

(۳)......حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں جس طہر میں صحبت کر چکا ہو اس میں طلاق دینا حرام ہے (دارقطنی ج ۳، ص ۵) کیا اس حرام طلاق دینے پر مرد کو گناہ ہوگا یا نہیں؟ اور یہ حرام طلاق واقع ہو جائیگی یا نہیں؟

(۴)......حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی فرماتے ہیں کہ بیوی کو حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے (دارقطنی ج ۳، ص ۵) اب کسی نے حالت حیض میں طلاق دی تو کیا یہ حرام طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

(۵)......ایک مرد کو تین طلاقوں کا اختیار ہے۔ وہ کس طرح طلاق دے کہ تین ہو واقع ہو جائیں؟

(۶)......ایک شخص نے تین پاکیوں میں عورت کو تین طلاقیں دیں۔ اب وہ اس عورت سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے تو حلالہ شرعی کے بغیر کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۷)......وہ عورت غیر مقلدین کا ''الدعوۃ'' رسالہ پڑھ کر کہتی ہے کہ تین طلاقیں دینا مرد کا قصور ہے میں حلالہ کیوں کراؤں، مجھے سزا کیوں؟ دیکھو ''الدعوۃ'' والا بھی کہتا ہے کہ تیسری طلاق کے بعد اب دونوں میاں بیوی کا معاملہ بالکل ختم ہو گیا۔ اب کبھی ملاپ نہیں ہوسکتا۔ صرف ایک شکل باقی ہے، کہ **طلاق یافتہ عورت** کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے، حق زوجیت ادا کرے، اس کے ساتھ پہلے سے یہ طے نہ ہو کہ ایک رات یا چند راتیں گزار کر یہ نیا خاوند اسے طلاق دے گا ہاں البتہ اتفاق سے ان کی بھی نہ آپس میں بنے اور وہ مرد بھی اسے طلاق دے دے یا وہ خاوند ویسے ہی فوت ہو جائے تو پھر اگر یہ عورت اور پہلا مرد چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ یہ ہے رہنمائی جو اللہ تعالیٰ قرآن میں کر رہے ہیں۔ خط کشیدہ لفاظ کا ترجمہ ہمیں قرآن میں نہیں ملا۔ ایڈیٹر الدعوۃ نے قرآن پر جھوٹ بولا ہے۔ اسی طرح ''یا وہ خاوند ویسے ہی فوت ہو جائے'' یہ بھی قرآن پاک کی کسی آیت کا ترجمہ نہیں۔ وہاں تو صرف طلاق دینے کا حکم ہے۔

قیاس :

ہاں فقہاء اسلام نے قیاس سے یہ کہا ہے کہ اگر وہ دوسرا خاوند فوت ہو جائے یا وہی عورت اس سے نکاح فسخ کرالے یا خلع کرالے تو بھی وہ عدت گزارنے کے بعد پہلے مرد سے نکاح کرسکتی ہے۔

طلاق کا بہتر طریقہ :

طلاق کا بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ مرد ایک طلاق رجعی دے دے، اس کے بعد رجوع کو دل نہ چاہے تو عدت کے بعد وہ عورت آزاد ہے، وہ کسی اور سے بھی نکاح کرنا چاہے تو بھی درست ہے اور ان دونوں میں صلح کی کوئی صورت ہو جائے تو دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں تو یہ گناہ ہے...... **عن محمود بن لبید**ؓ **قال اخبر رسول اللہ**ﷺ **عن رجل طلق امراتہ ثلاث تطلیقات جمیعًا فقام غضبانًا ثم قال ایلعب بکتاب اللہ و انا بین اظہر کم حتیٰ قام رجل وقال یارسول اللہ الاَ اقتلہ.** (نسائی ج۲، ص۸۲)

حضرت محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ ﷺ سخت غصے کی حالت میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میری موجودگی میں کتاب اللہ سے کھیلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک آدمی نے عرض کی حضرت! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ ایک دفعہ تین طلاقیں دینا خدا تعالیٰ کی پاک کتاب کے ساتھ کھیلنا اور آنحضرت ﷺ کو سخت ناراض کرنا ہے۔ مگر اس کے برعکس آپ تجربہ کر کے دیکھیں کہ جب غیر مقلدین سنتے ہیں کی فلاں آدمی نے تین طلاقیں اکٹھی دے دی ہیں تو انکو عید سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ اس کے آگے پیچھے پھرتے ہیں، اس کا استقبال کیا جاتا ہے ......**ببیں تفاوت رہ از کجاست تابکجا......**

جو فرقہ خدا اور رسول ﷺ کی ناراضگی میں اپنی خوشیاں تلاش کرتا ہو اس کا دین معلوم ہو گیا۔ اس حدیث سے تو یہ پتا چلا کہ اگر تین طلاقیں ایک ہی ہوتی تو آپ

ﷺ اتنے ناراض کیوں ہوتے، آپ نہیں دکھا سکتے کہ حضور ﷺ کبھی ایک طلاق پر ناراضگی فرمائی ہو یا اسے استہزاء الکتاب اللہ فرمایا ہو، بلکہ جب آپ کو خبر دی گئی کہ اس نے تین طلاقیں اکٹھی دی ہیں تو آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کو تین نہ کہو ایک کہو۔ جب آپ ﷺ نے ان کے تین کہنے پر تین کو ہی برقرار رکھا تو اسی لئے امام قرطبی احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے تین کو ہی نافذ فرمایا۔

غیر مقلدین کا قرآن سے اختلاف:

غیر مقلدین اس بات پر تو آیت پڑھتے ہیں کہ طلاق طہر میں دینی چاہئے۔ طَلِّقُوْ هُنَّ لِعِدَّتِهِن اور اللہ تعالیٰ نے طلاق کی حد بیان کردی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دے، دوسرے طہر میں دوسری اور تیسرے میں تیسری، ان کی اس بات سے ہمیں بھی اختلاف نہیں، اختلاف اس میں ہے کہ اگر کسی نے یہ حد توڑ دی اور ایک ہی مرتبہ تین طلاقیں دے دی تو تینوں واقع ہوں گی یا نہیں؟

حدیث:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی (جو منع اور گناہ تھی) تو آنحضرت ﷺ نے انہیں فرمایا کہ اس طلاق سے رجوع کرلو (کیونکہ گناہ کے باوجود طلاق نافذ ہوچکی) اور انتظار کر یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہو، پھر اس کو دوسرا حیض آئے، پھر پاک ہو تو اس سے جماع کئے بغیر اس کو طلاق دے۔ یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب کوئی حیض میں طلاق کا مسئلہ پوچھتا تو فرماتے کہ اگر نے ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تو مجھے رسول ﷺ نے رجوع کا حکم دیا۔ اور اگر تو ایک ہی حیض میں تین طلاقیں دے چکا تو تو نے (تین طلاقیں

اکٹھی دے کر) خدا سے نافرمانی بھی کی اور تیری بیوی بھی تجھ سے جدا ہوگئی۔

(مسلم ج۱، ۴۷۶)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ غیر شرعی طلاقیں بھی نافذ ہو جاتی ہیں۔ اب آنحضرت ﷺ کی مزید احادیث کا مطالعہ فرمائیں جن سے بغاوت کر کے ان لوگوں نے حرام کاری کا کاروبار چلایا ہے۔

غیر مقلدین کی قرآن وحدیث سے بغاوت:

امام بخاریؒ نے (ج۲، ص۷۹۱) پر ایک باب باندھا ہے...... **باب من اجاز طلاق الثلاث**...... اور اپنی عادت کے موافق اس مسئلہ پر پہلے قرآن سے استدلال فرمایا ہے...... **الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان** .... طلاق دو مرتبہ ہوتی ہے، پھر یا تو روک لینا ہے معروف طریقے سے یا آزاد کردینا ہے اچھے طریقے سے، یعنی دو طلاقوں کا جمع کرنا صحیح ہے جبکہ مرتان کے لفظ کو دو پر محمول کیا جائے، جیسا کہ ارشاد خداوندی...... **نُؤتِهَا اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ**...... میں ہے۔ امام بخاری کی طرح ابن حزم اور کرمانی نے بھی یہی استدلال کیا ہے کہ اس کا معنی **مَـرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ** ہے تو جب دو جمع ہوسکتی ہیں تو تین بھی جمع ہوسکتی ہیں۔ کیونکہ آج تک کوئی شخص نہیں پایا گیا جس نے دو اور تین کے وقوع صحت میں فرق کیا ہو۔ اس کے بعد متصلاً امام بخاری نے حدیث لعان کا ذکر فرمایا ہے۔

1-حدیث لعان:

حضرت ابو درداءؓ نے **فطلقها ثلاثاً قبل ان یا مرہ رسول اللہ** (بخاری ج۲، ص ۷۹۱) کہ آپ ﷺ کے حکم سے پہلے ہی اسی ایک مجلس میں تین

طلاقیں دے دیں۔ اس سے صاف ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ دورِ نبوت میں ایک مجلس میں تین طلاقوں کے وقوع میں شک نہیں رکھتے تھے اور کسی روایت میں نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان پر نکیر فرمائی ہو، پس یہ حدیث تین طلاق بیک وقت الفاظ واقع ہونے کی واضح دلیل ہے۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں تھا کہ لوگ تین طلاق کا بلفظ واحد واقع ہونا سمجھتے رہیں اور آنحضرت ﷺ ان کی اصلاح نہ فرمائیں۔ اس حدیث سے پوری امت نے یہی سمجھا، امام بخاری اور ابن حزم نے بھی یہی سمجھا ہے۔

2-حدیث عائشہؓ :

امام بخاریؒ نے اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت رفاعہ قرظی کی بیوی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ کہ میرے خاوند نے مجھے طلاق بتہ دی ہے، دوسری روایت میں ہے کہ تین طلاقیں دیں (اس سے ظاہر یہی معلوم ہوا کہ جیسا کہ بتہ کا لفظ ایک ہی کلمہ ہے، اس نے ایک ہی کلمے سے تین طلاقیں دی تھیں) اس کے بعد میں نے عبدالرحمٰن بن الزبیرؓ قرظی سے نکاح کرلیا لیکن وہ ناکارہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا شاید تو دوبارہ رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں، جب تک وہ تیری مٹھاس نہ چکھے اور تو اس کی مٹھاس نہ چکھے (بخاری ج۲، ص۷۹۱) اب دیکھئے اس عورت نے دوسرا نکاح کیا ہی اس لئے تھا کہ پہلے خاوند کے پاس جاسکے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مٹھاس چکھے بغیر نہیں جاسکتی۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: **اتفقوا علی ان تغیب الحشفة فی قبلها کاف فی ذالک** (حاشیہ بخاری) کہ اس پر اتفاق ہے کہ صرف دخول کافی ہے حلال ہونے کے لئے۔ ان زبان درازوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے کو حلالی مولوی کہہ کر اپنے حرامی ہونے پر مہر

لگاتے ہیں۔

3-حدیث امام حسن بصریؒ:

امام حسن بصریؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایام ماہواری میں طلاق دے دی تھی۔ بعدازں انہوں نے دو طہروں سے مزید دو طلاقیں دینے کا ارادہ کیا۔ رسول اکرم ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابن عمر! تجھے اللہ تعالیٰ نے اس طرح حکم نہیں دیا، تو نے سنت سے تجاوز کیا، سنت یہ ہے کہ تو طہر کا انتظار کرے، پھر ہر طہر سے طلاق دے۔ پس آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس سے رجوع کرلو۔ چنانچہ میں نے رجوع کرلیا۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب وہ پاک ہو جائے تب تمھارا جی چاہے تو طلاق دے دینا اور جی چاہے تو روکے رکھنا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ فرمایئے کہ اگر میں نے اسے تین طلاقیں دے دی ہوتیں تو کیا میرے لئے اس سے رجوع کرنا حلال ہوتا؟ فرمایا نہیں وہ تجھ سے بائنہ ہوجاتی اور گناہ بھی ہوتا (کیوں کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا گناہ ہے)

(طبرانی بحوالہ الاشفاق)

نوٹ: یاد رہے طبرانی کی سند میں شعیب نے براہ راست امام حسن بصریؒ سے اس کو روایت کیا ہے نہ کہ بواسطہ عطار، خراسانی، کیونکہ اس کی دونوں سے ملاقات ہے۔

4-حضرت عبادہؓ :

حضرت عبادہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے بارے میں جس نے ہزار طلاقیں دیں فرمایا کہ تین کا تو اسے حق حاصل ہے اور باقی ۹۹۷ عدوان اور ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہیں تو اس پر گرفت فرمائیں چاہیں تو معاف کر دیں۔

(طبرانی بحوالہ الاشفاق)

5- حضرت سوید بن غفلہ ؓ :

حضرت سوید بن غفلہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن بن علی ؓ کی ایک بیوی عائشہ خثعمیہ نامی تھی۔ امام حسن نے اسے فرمایا...... **اذھبی فانت طالق ثلاثاً**...... جا تجھے تین طلاقیں، جب اس کی عدت ختم ہو گئی تو اس کو دس ہزار بھیجے، اس نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا...... **متاع قلیل من حبیب مفارق**...... امام حسن کو جب یہ بات پہنچی تو وہ رو دیئے اور فرمایا: ”اگر میں نے حضور ﷺ سے یہ نہ سنا ہوتا کہ جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، خواہ ہر پاکی میں یا اکٹھی تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک دوسری جگہ نکاح نہ کرلے لَرَاجَعْتُھَا میں اس کو واپس کر لیتا......

(دار قطنی ج ۳، ص ۱۳) امام حسنؓ تو رو رہے ہیں۔ ان کے پاس اس کے رکھنے کا جواز نہیں۔ اس زمانہ میں نہ غیر مقلدین تھے نہ ان کا دفتر الدعوۃ کہ وہ کسی عورت سے پوچھ کر وہاں حاضری دیتے اور شرعی حرام بیوی کو دوبارہ لے جاتے۔

6- حدیث حضرت رکانہ ؓ :

حضرت رکانہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی ہے (چونکہ بتہ میں ایک کی نیت بھی ہو سکتی ہے اور تین کی بھی اور نیت دل میں پوشیدہ تھی) تو آپ ﷺ نے پوچھا تیری نیت اس لفظ سے کتنی طلاقوں کی تھی؟ میں نے کہا ایک طلاق کی، آپ ﷺ نے فرمایا خداوند کریم کی قسم کھا کے یہی کہہ سکتا ہے؟ میں نے خداوند قدوس کی قسم کھا کے یہی کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا پس وہی ہے جو تو نے نیت کی (ترمذی ج ۱، ص ۲۲۲۔ ابوداؤد ج ۱، ص ۳۳۰) وقال

ابو داؤد ھذا اصح من حدیث ابن جریج ان رکانۃ طلق امراتہ ثلاثاً لانھم اھل بیتہ وھم اعلم بہ (دار قطنی ج ۳، ص ۳۲ قال صحیح)

اس حدیث پاک سے تو یہ معلوم ہوا کہ اگر طلاق دینے والا زبان پر تین کا لفظ بھی نہ لائے ایسا لفظ لائے جس کی دل میں تین کی نیت ہو سکتی ہو تو بھی تین کی نیت کرنے سے تین ہی واقع ہو جائیں گی۔ پھر جب زبان اور قلم پر تین آ جائیں تو وہ تین کیوں نہ ہوں گی؟

7- حدیث امام اعمش :

امام اعمش فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ایک بوڑھا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں نے علی ؓ بن ابی طالب سے سنا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک مجلس میں دے ڈالے تو ان کو ایک کی طرف رد کیا جائے گا۔ لوگوں کی اس کے پاس ڈار لگی ہوتی تھی، آتے تھے اور اس سے یہ حدیث سنتے تھے، میں بھی اس کے پاس گیا اور اس سے کہا تم نے حضرت علی ؓ سے سنا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالے تو ان کو ایک کی طرف رد کیا جائے گا؟ میں نے کہا کہ آپ نے یہ بات حضرت علی ؓ سے کب سنی ہے؟ بولا میں تجھے اپنی کتاب نکال کے دکھاتا ہوں، یہ کہہ کر اس نے اپنی کتاب نکالی، اس میں لکھا تھا: **بسم اللہ الرحمن الرحیم.** یہ وہ تحریر ہے جو میں نے حضرت علی ؓ سے سنی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک مجلس میں دے ڈالے تو وہ اس سے بائنہ ہو جائے گی اور اس کے لئے حلال نہ رہے گی۔ یہاں تک کہ کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرے، میں نے کہا تیرا ناس ہو جائے، تحریر کچھ اور ہے اور تو بیان کچھ اور کرتا ہے۔ بولا صحیح تو یہی ہے مگر یہ لوگ (شیعہ) مجھ سے

یہی چاہتے ہیں۔ (بیہقی)

8-حدیث حضرت محمود بن لبیدؓ:

حضرت محمود بن لبیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک شخص کے بارہ میں بتا یا گیا ایک اس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپ ﷺ سخت غصے کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا میری موجودگی میں کتاب اللہ سے کھیلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے عرض کیا حضرت کیا میں اسے قتل نہ کردوں؟ (نسائی)

حضرات! قرآن وسنت آپ کے سامنے ہے کہ ایک دفعہ تین طلاقیں دینے والا حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا ظالم ہے، آیت اللہ سے استہزا کرنے والا ہے، اللہ اور رسول ﷺ اس سے سخت ناراض ہیں، اس لئے اللہ اور رسول ﷺ نے اس کے لئے کوئی مخرج نہیں رکھا، اس کو دنیا میں یہ سزا دی ہے کہ اس کی بیوی اب جب تک دوسر جگہ نکاح نہ کرے اور حقوق زوجیت ادا نہ کرے یہ اس کو دوبارہ نہیں رکھ سکتا، اور آخرت میں بھی وہ اس گناہ، ظلم اور آیت الٰہی سے استہزا کی سزا کا مستحق ہے۔ مگر ایسے شخص سے غیر مقلد خوش ہیں، وہ اسے ترغیب دیتے ہیں کہ تو نے خدا کی حدود توڑی ہیں حنفی تجھے پسند نہیں کرتے۔ آ خدا کی حدود توڑنے والے کی پناہ گاہ ہمارا فرقہ ہے، تجھے خدا نے اپنی کتاب میں ظالم کہا، تجھ سے اللہ کا رسول ناراض ہو گیا، دل نہ چھوڑ ہمارا فرقہ ہی ظالموں کا ہے، جس سے اللہ کا رسول ناراض ہو جائے اسے ہمارے فرقے کے سوا کون قبول کرے گا۔ تو نے اگر اللہ کی کتاب کا استہزا اُڑایا ہے تو کیوں گھبراتا ہے؟ جلدی ہمارے فرقے میں آجا، ہمارا تو روزمرہ کا کام ہی اللہ کی آیات سے استہزا ہے، یہ حنفی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی باتوں میں آگئے ہیں۔ ان کے ہاں تیرے چھٹکارے کی کوئی صورت

نہیں۔ یہ تجھے وہی سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑ دیں گے جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے تیرے لئے تجویز کی ہے کہ تیری بیوی حرام ہے جب تک دوسری جگہ نکاح نہ کرے، لیکن قربان جایئے ہمارے فرقے کے، کہ جس کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ وہ بیوی نہ دیں وہ ہم دیتے ہیں، کون ہے روکنے والا؟ اے ظالم جاؤ! خدا بے شک تم سے ناراض رہے، رسول تم سے ناراض رہے، تم میاں بیوی راضی رہو، ساری عمر حرام کاری کرو اور ہمارے فرقے کے زندہ باد ہونے کے نعرے لگاتے رہو اور بھی کوئی ظالم حد اللہ کو توڑنے والا، اللہ رسول ﷺ کو ناراض کرنے والا ملے تو فوراً اس کی رہنمائی کرو کہ فوراً اس فرقے میں آجایئے۔ ہاں ایک فقرہ گاتے رہنا کہ مذہب حنفی منزل من اللہ نہیں۔ واہ رے جہالت! تیرا ستیاناس ہو۔ مذہب حنفی کیا ہے؟ اس کی بنیادیں کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ، اجماع اور قیاس ہیں۔ کیا کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اللہ منزل من اللہ نہیں؟ کیا حنفیت کی ضد نے تجھے کفر میں تو نہیں دھکیل دیا؟ اجماع منزل من اللہ کی ہی یقینی تشریح ہے۔ اجماع کے مخالف کو اللہ اور رسول ﷺ جہنمی فرماتے ہیں۔ ہائے حنفیت کی عناد نے تجھے جہنم رسید کر ہی دیا اور قیاس منزل من اللہ کی ہی ایسی ظنی تشریح ہے جس پر اللہ کے نبی ﷺ خوشی الحمد للہ پڑھتے ہیں۔ اس کے صواب پر دو اجر اور خطا پر ایک اجر کا وعدہ دیتے ہیں۔ اس کا مخالف معتزلی، خارجی اور بدعی ہے۔ اب سوچ کیا تیرا یہ الحاد منزل من اللہ ہے؟ تیرا پوری امت سے شذوذ منزل من الله ہے؟ کیا من شذ شذ فی النار کی وحید بھول چکا ہے؟ تیرا یہ جہل مرکب منزل من اللہ، آہ تو نے اپنا دین بھی خراب کیا اور کتنے اور لوگوں کا دین بھی برباد کیا۔ خدا سے ڈر اور توبہ کرلے۔

غیر مقلدین کی صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور آئمہؒ سے بغاوت

(۱)......(سیدنا عمر فاروقؓ) عن انس قال کان عمر اذااتی برجل قدطلق امراته ثلاثة فی مجلس اوجعه ضربًاو فرق بینهما (ص۱۱) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس جب کوئی ایسا آدمی لایا جاتا جس نے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوتیں، آپ اس آدمی کی پٹائی کر دیتے اور دونوں میاں بیوی کو الگ الگ کر دیتے۔

(۲)......عن زید بن وهب ان رجلا بطالا کان بالمدینة طلق امرته الفا فرجع الیٰ عمر فقال انما کنت العب فعلا عمر راسه بالدرة وفرق بینهما (ص۱۲) زید بن وہب سے روایت ہے کہ مدینے میں ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا تجھے ہزار طلاق، پھر حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا میں نے تو کھیل کھیل میں ایسا کہا، حضرت عمرؓ نے درہ سے اس کا سر اُٹھایا اور دونوں میں جدائی کرادی۔

(۳)......(سیدنا عثمانؓ) عن معاویة بن ابی یحییٰ قال جاء رجل الیٰ عثمان فقال اَنی طلقت امراتی مائةقال ثلاث تحرمها علیک سبع وتسعون عدوان (ص۱۳) حضرت معاویہ بن یحییٰ سے روایت کہ ایک مرد حضرت عثمان کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا تین نے اس کو حرام کر دیا اور باقی ستانوے عدوان میں ہیں۔

(۴)......(سیدنا علیؓ) جاء رجل الیٰ علیؓ فقال انی طلقت امراتی الفاًقال بانت منک بثلاث واقسم سائرها بین نسائک (ص۱۳) حضرت حبیب سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار

طلاق دی۔ آپ نے فرمایا تین طلاق سے وہ تجھ سے جدا ہوگئی اور باقی طلاقیں دوسری بیویوں پر تقسیم کرلے۔

(۵)......عن علی قال اذاطلق البکر واحد فقدبتهاواذاطلقها ثلاثًا لم تحل له حتی تنکح زوجًاغیره ...... حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب غیر مدخولہ بیوی کو ایک طلاق دے تو وہ بائن ہوگئی اور جب اس کو تین طلاقیں دیں (جو صرف ایک لفظ سے دی جاسکتی ہے کہ تجھے تین طلاق) تو اب وہ اس پر حلال نہیں جب تک وہ اس کے غیر سے نکاح کرے۔

(۶)......حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر بیوی کو یہ کہا کہ تجھے طلاق بتہ (یعنی ایک ہی کلمے سے) تو وہ تین طلاقیں شمار ہوگی۔ (ج۵ص۶۶)

(۷)......حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ بیوی کو کہا تو خلیة تو ایک کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہوگئی۔ (ص۶۹)

(۸)......حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ بیوی سے کہا تو البرتة۔ تو اس ایک کلمے سے تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ (ص۶۹)

(۹)......حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ کسی نے اپنی بیوی کو کہا......اَنْتَ عَلَیَّ حَرَجٌ۔ تو اس ایک کلمے سے تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ (ص۷۲)

(۱۰)......حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب اپنی بیوی کو کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے تو اس ایک کلمے سے تین طلاقیں واقع ہوگئیں (ص۷۲)

(۱۱)......حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ کسی نے اپنی بیوی کو کہا تجھے اتنی طلاق جو اونٹ کے بوجھ کے برابر ہو تو اس کلمے سے تین طلاقیں واقع ہوگئیں (ص۷۲)

(۱۲)...... حضرت عمران بن حصین ؓ صحابی رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی نے ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ فرمایا اس نے اپنے رب کا بھی گناہ کیا اور اس کی بیوی بھی اس پر حرام ہوگئی۔ (ایضاً)

(۱۳)...... حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ کسی نے رخصتی سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں (جو ایک ہی کلمہ سے تین طلاق دی جا سکتی ہے) تو وہ عورت اس مرد پر حرام ہے جب تک وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ (ایضاً)

(۱۴)...... حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو کہا کہ تجھے ننانوے طلاق۔ اب سب مفتی کہتے ہیں کہ بیوی تجھ پر حرام۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ بیوی تو تین سے ہی حرام ہوگئی باقی سارے گناہ ہی گناہ رہیں۔ (ص ۱۲)

(۱۵)...... حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ جس آدمی نے اپنی بیوی کو رخصتی سے پہلے ہی (ایک کلمہ سے) تین طلاقیں دیں...... **فلا تحل لہ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ** ...... اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے (ص ۲۲)

(۱۶)...... حضرت عبداللہ فرماتے ہیں اگر بیوی کو اپنے اوپر تین طلاق ڈالنے کا اختیار دے دیا اور اس نے اپنے نفس کے لئے تین اختیار کرلیں تو تین ہی طلاقیں واقع ہوئیں۔ (ص ۶۴)

نوٹ: یہ تمام حوالہ جات ہیں یہ "مصنف ابن ابی شیبہ" جلد پنجم کے ہیں۔

(۱۷)...... حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی وہ

اپنے رب کا بھی نافرمان ہوا، کیونکہ اکٹھی تین طلاقیں دینا گناہ اور اس کی بیوی بھی اس سے جدا ہوگئی۔

(۱۸)...... حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو کہا کہ تجھے سو طلاق۔ فرمایا تین طلاقوں سے وہ تجھ سے جدا ہوگئی (یہ تو دنیا کی سزا ملی) اور باقی ۹۷ کا حساب تجھ سے اللہ تعالیٰ قیامت میں لیں گے۔ (ص ۱۴)

(۱۹)...... حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں جس نے بیوی کو کہا **انت البریۃ**۔ اس ایک کلمے سے تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اب وہ کسی اور سے نکاح کے بغیر حلال نہیں۔

(۲۰)...... حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں جس نے اپنی بیوی کو کہا کہ تجھے کاٹ دینے والی طلاق، تو ایک ہی کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ (ص ۶۶)

(۲۱)...... حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں جس نے بیوی کو بائن کہا۔ اس ایک لفظ سے تین طلاقیں واقع ہوگئیں اب وہ حلال نہیں جب تک کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے (ص ۷۱)

(۲۲)...... حضرت محمد بن ایاس بن بکیر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو رخصتی سے پہلے ہی تین طلاقیں دیں۔ اور پھر اس کا دل چاہا کہ اسی عورت سے نکاح کرلے۔ اب وہ فتویٰ لینے گیا اور میں بھی اس کے ساتھ گیا۔ اس نے ابو ہریرہ ؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے پوچھا۔ دونوں نے کہا اب وہ تیرے لئے حلال نہیں جب تک وہ کسی اور سے نکاح نہ کرے، اس نے کہا میں نے تو ایک ہی دفعہ طلاقیں دی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا اب تیرے لئے کچھ نہیں بچا۔ حضرت امام محمد ؒ نے فرمایا کہ ہم اس فتویٰ کو لیتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ ؒ کا بھی یہی قول ہے اور ہمارے عام فقہاء یہی

کہتے ہیں، کیونکہ اس نے تین طلاقیں اکٹھی دیں اور اس پر اکٹھی ہی واقع ہو گئیں اور اگر الگ الگ دیتا تو ایسی عورت جس کی ابھی رخصتی نہیں ہوئی وہ ایک پہلی ہی طلاق سے الگ ہو جاتی ہے اور دوسری تیسری طلاق اس پر واقع نہیں ہوتی، کیونکہ ایسی عورت پر کوئی عدت نہیں تو طلاق کا محل ہی نہ رہی۔ (موطا محمد ص ۲۵۹)

(۲۴)...... حضرت عطا فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا تم میں سے ایک آدمی جاتا ہے اور اپنے آپ کو گندگی سے بھر لیتا ہے (کیونکہ تین طلاقیں گناہ ہیں) پھر ہمارے پاس آتا ہے۔ چلا جا کہ تو نے اپنے رب کی بھی نافرمانی کی (جس کی سزا تجھے آخرت میں ملے گی اور دنیا میں اس گناہ کی سزا یہ ہے کہ) تیری بیوی بھی تجھ پر حرام ہو گئی۔ اب وہ تیرے لئے ہرگز ہرگز حلال نہیں جب تک کہ وہ کسی اور سے نکاح نہ کرے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم اسی کو لیتے ہیں، اور یہی قول امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ہے اور اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ (کتاب الاثار)

(۲۵)...... حضرت مالک بن الحویرث فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا کہ بے شک میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ فرمایا بے شک تیرے چچا نے (اکٹھی تین طلاقیں دے کر) خدا کی نافرمانی کی (جس کی سزا آخرت میں ملے گی اور دنیا میں بھی) اس پر ایسی ندامت ڈال دی جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔

(۲۶)...... امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو کہا کہ میں۔ نے اپنی بیوی کو سو طلاق دی ہے اب میرے لئے کیا حکم

ہے؟ فرمایا تین طلاق سے وہ حرام ہو گئی (یہ دنیا کی سزا اور اکٹھی طلاقیں دیکر) ۹۷ بار مزید تو نے اللہ کی آیات کا استہزاء کیا۔ اس لئے آخرت میں اللہ ہی تجھ سے سمجھے گا۔

(موطا مالک ص ۵۱۰)

(۲۷)...... حضرت عنترہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہی مرتبہ کہا کہ تجھے سو طلاق، اب وہ تین طلاق کی وجہ سے مجھ پر حرام ہو گئی ہے یا اس کو ایک طلاق سمجھا جائے گا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں وہ تین طلاق کی وجہ سے تم سے جدا ہو گئی (یہ دینا کی سزا ہے) اور باقی ستانوے گناہوں کا بوجھ تم پر باقی رہا (جس کا عذاب آخرت میں ہو گا)

(ابن ابی شیبہ ص ۱۳)

(۲۸)...... حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو کہا کہ گیارہ سو طلاق۔ فرمایا کہ ان میں سے تین کی وجہ سے وہ تم پر حرام ہو گئی (یہ دنیا کی سزا ہے) اور باقی سب کا گناہ اور آیات اللہ سے جو استہزاء کیا، اس کا عذاب آخرت میں ہو گا۔ (ص ۱۳)

(۲۹)...... حضرت عمرو فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے ستاروں کی تعداد کے مطابق طلاق۔ تو آپ نے فرمایا اس بارہ میں رأس الجوزا کافی ہے (اس ستارے کے تین سینگ ہیں) (عبدالرزاق)

(۳۰)...... امام حکم روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دونوں نے اس شخص کے بارہ میں فرمایا جس نے اپنی بیوی کو رخصتی سے قبل ہی

(ایک کلمہ سے) تین طلاقیں دی تھیں، وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک وہ دوسرا نکاح نہ کرے۔ (ص۲۲)

(۳۱)......حضرت معاویہ انصاری فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ نے بھی اس شخص کے بارے میں یہی فرمایا (جس نے قبل رخصتی اپنی بیوی کو ایک کلمہ سے تین طلاقیں دی تھیں) کہ وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرئے (ص۱۱)

(۳۲)......حضرت عطاءؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی ایسی بیوی کو جس کی رخصتی نہیں ہوئی تین اکٹھی طلاقیں دیں، اب وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں جب تک وہ کسی دوسری جگہ نکاح نہ کرے اور اگر بیوی کو رخصتی سے قبل الگ الگ الفاظ سے کہا تجھے طلاق، طلاق، طلاق، تو وہ پہلی طلاق سے ہی بائن ہوگئی۔ (اس بات سے اب عدت بھی نہیں، اس لئے باقی دو لغو ہوگئیں کہ محل طلاق ہی نہ تھی) (ص۲۵)

(۳۳)......حضرت محمد بن ایاس روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے اپنی بیوی کو رخصتی سے قبل (ایک ہی کلمہ سے) تین طلاقیں دیں کہ وہ عورت اس کے لئے ہرگز حلال نہیں جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ (ص۲۳)

(۳۴)......حضرت منصور سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس آدمی کے بارے میں فرمایا جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں طلاق کا حق تجھے دیتا ہوں اس بیوی نے فوراً کہا تین طلاق، **فرمایا عورت چوک گئی، اگر عورت کہتی مجھے تین طلاق تو** تین ہی واقع ہو جاتیں۔ (ص۵۸)

(۳۵)......حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے ایک عزیز کو عاصم بن عمر اور عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس لائے کہ میرے اس عزیز نے رخصتی سے قبل ہی طلاق بتہ دے دی ہے۔ آپ دونوں اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کیا آپ کے نزدیک اس کے لئے اُسے پاس رکھنے کا کوئی طریقہ ہے؟ دونوں نے کہا نہیں، لیکن ہم ابھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کو حضرت عائشہؓ کے پاس چھوڑ کے آئے ہیں، ان سے پوچھ لو، اور واپسی پر ہمیں بھی بتا دینا۔ پس وہ ان کے پاس آئے اور حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا، اب یہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ نے بھی اس کی تائید فرمائی۔ (ج ۵، ص ۶۵)

(۳۶)......حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس تھا کہ ایک آدمی آیا، اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں (اکٹھی) دی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ خاموش رہے۔ میں سمجھا شاید اس کو رجوع کی اجازت دے دیں، لیکن آپ نے فرمایا تم حماقت پر سوار ہو کر (اکٹھی تین طلاقیں دے لیتے ہو، پھر آکر) کہتے ہوا ے ابن عباس! اے ابن عباس! بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی کی صورت نکال دیتے ہیں؟ بے شک تو اللہ سے نہیں ڈرا، اس لئے میں تیرے لئے (اس بیوی کو رکھنے کی) کوئی صورت نہیں پاتا تو نے (اکٹھی تین) طلاقیں دے کر اپنے خدا کی نافرمانی کر کے (آخرت برباد کر لی) اور بیوی بھی تجھ پر حرام ہو گئی (جس سے دنیا میں برباد ہو کر تو پورا...... **خسر الدنیا**

والاخرۃ کا مصدق بن گیا) (ابوداؤد ج۱، ص۲۹۹ طحاوی ج۲، ص۳۵، بیہقی ج۷، ص۳۳۷)

(۳۷)...... حضرت ابوسلمہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ دونوں نے اس آدمی کے بارے میں فرمایا جس نے اپنی بیوی کو رخصتی سے پہلے ہی تین طلاقیں (ایک کلمہ سے) دے دیں، اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ (طحاوی ج۴، ص۳۴)

(۳۸)...... حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیں۔ فرمایا تین ہو گئیں اور ۹۷ زیادتی ہیں۔

(بیہقی ج۷، ص۳۳۷)

(۳۹)...... حضرت مقسم فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک آدمی نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو کہا کہ جب رمضان کا مہینہ آئے تو تجھے تین طلاقیں۔ اب میں بہت شرمسار ہوں، رمضان آنے میں چھ مہینے باقی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ تم اب اس کو ایک طلاق دے دو تا کہ رمضان سے پہلے اس کی عدت بھی ختم ہو جائے، اس طرح رمضان گزرنے کے بعد تم اسی سے نکاح کر لینا (بیہقی ج۷، ص۳۱۷)

(۴۰)...... حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں میں نے کہا تیرے چچا نے (اکٹھی تین طلاقیں دے کر) خدا کی نافرمانی کی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو نادم کیا ہے۔ اس نے شیطان کی اطاعت کی ہے اس کے لئے اس بیوی کو رکھنے کی کوئی صورت نہیں۔ (بیہقی ج۷، ص۳۳۷)

(۴۱)...... حضرت نافع سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں

تین طلاقیں دیں۔ پھر اس نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا (اکٹھی تین طلاقیں دے کر) تو خدا کا نافرمان ہوا، عورت بھی جدا ہو گئی، اب وہ تیرے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ (عبدالرزاق ۶، ص۳۱۱)

(۴۲)...... حضرت ابووائل سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس عورت کے بارے میں فرمایا جس کو رخصتی سے پہلے (ایک ہی کلمہ سے) تین طلاقیں دی گئیں۔ اب پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں جب تک کہ دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ (ایضاً)

(۴۳)...... امام حکم روایت کرتے ہیں بے شک حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ تینوں نے فرمایا کہ بیوی کو رخصتی سے پہلے اگر اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں، اب وہ اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے سے نکاح کرے، الگ الگ طلاق، طلاق، طلاق کہے تو وہ پہلی طلاق سے بائن ہو گئی، باقی دو بے محل رہ گئیں۔ (عبدالرزاق ج۶، ص۳۳۶)

(۴۴)...... سیدہ عائشہؓ اس آدمی کے بارے میں فرماتی ہیں جس نے اپنی بیوی کو کہا تجھ ایک طلاق ہزار جیسی تو اب وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں، جب تک وہ عورت دوسری جگہ نکاح نہ کرے۔ (ابن ابی شیبہ ص۷۹۰)

(۴۵)...... ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ سے اس عورت کے بارے میں پوچھا گیا جس کو خاوند نے قبل رخصتی (ایک ہی کلمہ سے) تین طلاقیں دے دی۔ انہوں نے فرمایا کہ اب وہ اس خاوند کے لئے حلال نہیں جب تک وہ اور جگہ نکاح نہ کرے۔

(ابن ابی شیبہ ج۵، ص۲۲)

برادران اسلام! یہ فقہاء صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ آپ کے سامنے ہیں، جس

میں بالاتفاق ایک کلمہ کی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیا گیا اور دوسرے خاوند سے شادی کئے بغیر کسی نے بھی رجوع یا نکاح کا فتویٰ نہیں دیا۔ کسی ایک صحابی سے بھی اس کے خلاف فتویٰ ثابت نہیں ہوتا، اسی پر سب صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ ایک طرف صحابہ کرام کا اجماع دیکھئے، دوسری طرف، غیر مقلدین کے ''الدعوۃ'' کا جھوٹ کہ یہ صرف فقہ حنفی کا مسئلہ ہے اور اس کا یہ فتویٰ بھی پڑھیں ''غصے میں اگر ہزار طلاق دے دے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فعل غلط ہے مگر وہ طلاق ایک ہی ہے۔'' خوف خدا کا ان کے ہاں کوئی گزر نہیں۔ صحابہ کرامؓ کے ان اجماعی فتاویٰ کو ماننے والوں کو حلالی مولویوں کی پھبتی کس کر اپنے آپ کو حرامی مولویوں میں شامل کر رہے ہیں۔ اب تو بعض احباب کی یہ غلط فہمی دور ہونی چاہئے کہ یہ فرقہ صرف آئمہ کرام رحمہم اللہ کا مخالف نہیں اصل میں صحابہ کرامؓ کا دشمن ہے اور ائمہ کی مخالفت کی وجہ بھی یہی ہے، انہوں نے صحابہ کرامؓ کے دین کو محفوظ کیوں کرلیا، صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ کے خلاف ایک بھی آواز بھی نہ اُٹھائی گئی۔ آج جو غیر مقلدین یہ آواز اُٹھا رہے ہیں یہ کوئی دین اسلام کی خدمت نہیں بلکہ یہ یہودی لابی کی اس خواہش کی تکمیل کے لئے کوشاں ہیں کہ اسلامی عدالتوں میں اسلام کے قانون کا جو تھوڑا سا بچا کھچا حصہ ہے اس کو بھی ختم کر دیا جائے۔

محقق علی الاطلاق شیخ الاسلام والمسلمین علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ فقہا صحابہؓ میں ہم اکثر کی نقل صریح پیش کر چکے ہیں کہ وہ تین طلاق کے وقوع کے قائل ہیں، اور ان کا مخالف کوئی ظاہر نہیں ہوا۔ اب حق کے بعد باطل کے سوا کیا رہ جاتا ہے؟ اس بناء پر ہم نے کہا کہ اگر کوئی حاکم یہ فیصلہ دے کہ تین طلاق بلفظ واحد ایک ہوگی تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا، اس لئے کہ اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں، لہذا

یہ مخالفت ہے اختلاف نہیں، اسی طرح حافظ ابن رجب تحریر فرماتے ہیں: ''جاننا چاہئے کہ صحابہؓ، تابعینؒ اور آئمہ سلف سے جن کا قول حلال اور حرام کے فتویٰ میں لائق اعتبار ہے کوئی صریح چیز ثابت نہیں کی کہ تین طلاقیں دخول کے بعد ایک شمار ہونگی، جب کہ ایک لفظ سے دی گئی ہوں۔

اس مختصر مضمون میں زیادہ کی گنجائش نہیں ورنہ امام زہری، امام حسن بصری، امام ابن سیرین، امام ابراہیم نخعی، علامۃ التابعین امام شعبی، امام طاؤس، امام عطاء، امام قتادہ اور سب فقہاء تابعینؒ کے فتاویٰ مصنف ابن ابی شیبہ جلد پنجم میں موجود ہیں کہ ایک دفعہ کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں اور فقہائے تابعین میں سے کسی ایک نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی، جس سے ثابت ہوگیا کہ تابعین اور تبع تابعینؒ کا بھی اسی پر اجماع تھا اور امام نوویؒ نے صراحت فرمائی کہ حضرات آئمہ اربعہ کا بھی اسی پر اجماع ہے۔

غیر مقلدین کا پہلا فراڈ:

ایک شاذ روایت احمد سعد بن ابراہیم عن ابیہ محمد بن اسحاق، داؤد بن الحصین عکرمہ کی سند حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ اس کے بعد اس کو سخت غم لگا تو رسول ﷺ نے پوچھا، تو نے کیسے طلاق دی؟ اس نے کہ ایک مجلس میں طلاق، طلاق، طلاق کہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب ایک ہے تو تو اس سے رجوع کرلے، چنانچہ رکانہ نے رجوع کرلیا۔

(مسند احمد ج۱،ص ۲۶۵، بیہقی ج۷،ص ۳۳۹)

یہ وہ شاذ روایت ہے جس پر الدعوۃ والے کو بڑا ناز ہے۔ یہ ایسا ناز ہے جیسے قادیانی ......قولوا خاتم النبیین ولاتقولو الانبی بعدی ...... پر ناز کرتے ہیں

یا جیسے روافض وان کنتم فی ریب ممانزلنا علی عبدنا فی ولا یة علی کے آخری شاذ جملے پر ناز کرتے ہیں، لیکن پیتل کا ناز سونے کے مقابلہ کیا؟ انجام منہ کالا ہے۔

۱......اس کے پہلے راوی امام احمد ہیں۔ کاش اس غیر مقلد میں ذرا بھر بھی خدا کا خوف ہوتا تو بتا تا کہ امام احمد اس مسئلے کو ہر گز نہیں مانتے۔ چنانچہ انہوں نے جو خط مسدد بن مسرہد کو لکھا اس میں تحریر فرماتے ہیں: ''اور جس نے تین طلاقیں ایک لفظ میں دیں اس نے جہالت کا کام کیا، اور اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی اور وہ اس کے لئے کبھی حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ دوسری جگہ نکاح کرے۔'' (الاشفاق) اگر یہ بیوی خدا کے ہاں حلال تھی اور امام احمد نے حرام کردی تو کیا آپ ان کو احبار رہبان میں شامل کریں گے؟

۲......''الدعوۃ'' والے نے اس شاذ روایت پر بیہقی کا حوالہ بھی دیا ہے، لیکن خدا کا خوف اس کے قریب بھی نہیں پھٹکا، امام بیہقیؒ اس کے بعد فرماتے ہیں: یہ سند اس کے بعد ہرگز حجت نہیں، کیونکہ آٹھ ثقہ راویوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کے خلاف روایت کیا ثقات کے خلاف اگر کوئی ثقہ راوی ہو تو بھی روایت شاذ و مردود ہوتی ہے اور جب ثقات کے مخالف کذاب اور بدعتی کوئی شاذ قرأت بیان کرے، جیسے یاَیھا الرسول بلغ ما انزل الیک فی ولا یة علی والائمة (درمنشور) کا آخری فقرہ، ایسی شاذ روایت کوئی کذاب اور اہل بدعت ہی قبول کرسکتا ہے) پھر امام بیہقی فرماتے ہیں اس روایت کے شاذ و مردود ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ''اولا د رکانہؓ نے اس کے خلاف روایت کیا ہے کہ رکانہؓ نے ایک طلاق دی تھی۔'' لیجیے ساری بنیاد ہی ختم ہوگئی۔

۳......امام ابوداؤد نے بھی یہی فرمایا کہ صحیح یہی ہے کہ رکانہؓ نے ایک ہی طلاق دی تھی۔ رکانہ کے خاندان والے یہی بتاتے ہیں اور ایسے حالات خاندان والوں کو ہی صحیح یاد ہوتے ہیں، لیکن الدعوۃ والا شاید کہہ دے کہ رکانہؓ کا خاندان منزل من اللہ نہیں ہے۔

۴......دوسرا راوی سعد بن ابراہیم ہیں۔ یہ گانا گانے والا تھا، حتیٰ کہ حدیث سنانے سے پہلے گانا گاتا اور ساز کے ساتھ۔ دیکھئے الدعوۃ والے بھی ہر درس حدیث گانے بجانے سے شروع کرتے ہیں یا نہیں، میزان الاعتدال کے ایک نسخہ میں تو ہے...... **کان یجید الغناء**...... بہت اچھا گاتا تھا، ایک نسخہ میں ہے...... **یجیز الغناء**...... دوسروں کے لئے گانا بھی جائز جانتا تھا۔

۵......اس سند کا اگلا راوی محمد بن اسحاق ہے جسے امام مالکؒ نے دجال کہا، عروہ نے کذاب کہا، یہ تقدیر کا منکر تھا۔ اس پر اس کو سزا بھی ملی، تشیع کی طرف بھی مائل تھا، تدلیس بھی کرتا تھا۔ کسی حرام، حلال مسئلے میں تو کوئی محدث اس کی تحریر قبول نہیں کرتا۔ اگر یہ منفرد ہو اس کی حدیث بالاتفاق مردود ہے۔ یہاں یہ منفرد ہی نہیں، دوسری صحیح حدیث کے مخالف اور عبداللہ بن عباسؓ کے متواتر فتویٰ کے خلاف روایت کر رہا ہے۔ اس لئے اس کی روایت قطعاً منکر ہے۔ ہاں ''الدعوۃ'' والوں کے ہاں منزل من اللہ ہے۔

۶......اس کا استاد داؤد بن الحصین ہے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں عکرمہ سے منکر احادیث روایت کرتا ہے۔ یہ مذہباً خارجی بھی تھا۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہ حدیث بھی عکرمہ سے ہی ہے۔ علامہ ذہبی نے بھی اس کو مناکیر میں ہی ذکر کیا ہے۔ (میزان الاعتدال)

۷......اس کا استاد عکرمہ ہے۔ یہ بھی خارجی تھا۔ اس کو عبداللہ بن عباسؓ کے صاحبزادہ

ٹی خانہ کے پاس باندھ دیتے اور فرماتے یہ کذاب خبیث میرے باپ پر جھوٹ بولتا ہے۔ (عجیب بات ہے کہ یہ بھی اس نے عبداللہ بن عباسؓ پر ہی جھوٹ بولا ہے) امام سعید بن المسیب، امام عطاء، امام ابن سیرینؒ سب اس کو جھوٹا کہتے ہیں۔ یہ خارجی مذہب کا تھا۔ کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متشابہات نازل کر کے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ حاکم مدینہ نے اس کی طلبی کا حکم دیا تو یہ اپنے خارجی شاگرد داؤد بن الحصین کے پاس روپوش ہو گیا اور وہیں مر گیا۔ لوگوں نے اس کا جنازہ بھی نہ پڑھا۔

(میزان الاعتدال ج ۳، ص ۹۶)

۸...... آخر میں یہ عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب ہے جن سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ تین طلاقیں واقع ہونے کا فتویٰ دیتے تھے۔ اس شاذ بلکہ منکر روایت کو منزل من اللہ سمجھ کر کتاب اور سنت اور اجماع سے بغاوت کرنا کہاں کا دین ہے؟

۹...... جب حضرت رکانہؓ کی دوسری صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ کی قسم! میری نیت ایک طلاق کی تھی، تو اس کو بھی اس کے موافق کیوں نہ کر لیا جائے۔ ان دو فقروں میں غور فرمائیے۔ ایک آدمی کہتا ہے تین سانپ، وہ کبھی یہ قسم نہیں کھا سکتا کہ میری مراد ایک سانپ تھا۔ ہاں دوسری جگہ دوسرا آدمی شور مچا رہا ہے سانپ، سانپ، سانپ، تو اس سے پوچھا جا سکتا ہے بھئی کتنے سانپ ہیں؟ وہ کہہ سکتا ہے بھئی ایک سانپ ہے، باقی تو میں تاکید کے لئے بول رہا ہوں، اب کوئی یہ نہیں کہے گا کہ اس نے تین سانپوں کو ایک کر دیا، بلکہ یہی کہا جائے گا کہ اس نے ایک ہی سانپ کے بارے میں تاکید کے لئے بار بار کہہ دیا۔ اسی طرح حضرت رکانہؓ اگر کہتے تجھے تین طلاق تو وہ کبھی قسم نہ کھاتے کہ ایک طلاق مراد ہے۔ ہاں انہوں نے اتنا کہا کہ طلاق، طلاق، طلاق، اب ان سے

پوچھا جا سکتا ہے کہ مراد کتنی طلاق ہے؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا ایک مراد ہے تو آنحضرت ﷺ نے تین کو ایک قرار نہ دیا بلکہ ایک کو ایک ہی قرار دیا۔ اس شاذ و منکر روایت کو لے کر تین طلاقوں کو ایک کرنا اور حرام کو حلال کہنا اور ساری عمر کے لئے ان کو حرام کاری کی چھٹی دینا واقعی کسی حلالی کا کام نہیں ہو سکتا۔

غیر مقلدین کا دوسرا افراڈ:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں اور حضرت عمرؓ کے خلافت کے پہلے دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگوں نے ایک ایسے معاملہ میں جلد بازی سے کام لیا ہے جس میں ان کے لئے سوچ و بچار کی گنجائش تھی۔ اگر ہم ان تین طلاقوں کو ان پر نافذ کر دیں، تو انہوں نے تین طلاقوں کو نافذ قرار دیا۔

(صحیح مسلم ج ۱، ص ۴۷۸)

۱...... اس قول میں تین طلاق سے کیا مراد ہے؟ اگر ہر قسم کی طلاقیں مراد ہوں تو پھر تو جس نے تین طہر میں طلاقیں دیں وہ بھی ایک شمار ہوں گی، اس کو غیر مقلد بھی نہیں مانتے اس لئے غیر مقلدوں سے ہمارا یہی سوال ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں تین طہروں میں دیں، اس کے بعد پھر اپنی بیوی کو بغیر حلالہ شرعی کے رکھ لیا اور اسی قول کو وہ پیش کرتا ہے تو اس کو آپ کیا جواب دیں گے؟

۲...... الدعوۃ والوں نے اکٹھی تین طلاقوں کا جو ترجمہ کیا ہے یہ کس کا لفظ ہے؟ نہ ہی اس میں ایک مجلس کا لفظ ہے اور نہ جمیعًا کا۔

۳...... اکٹھی تین طلاقیں دینا اللہ تعالیٰ کی آیات سے استہزاء ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کی

ناراضگی ہے۔ کیا صحابہ کرامؓ بلا روک ٹوک دور نبوت، دور صدیقی اور دور فاروقی کے ابتدائی دو سالوں میں گناہ گرتے رہے اور بدعی طلاق دے کر بدعتی بنتے رہے ہیں؟ صحابہ کرامؓ کے بارہ میں یہ نظریہ رفض کا تو ہے، کیا غیر مقلدین کا بھی ہے؟

۴...... زید کو ایک مفتی نے یہ سنایا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں۔ اس نے اپنی بیوی کو کہہ دیا تھا کہ تجھے ۹ طلاق۔ اب زید اور مفتی صاحب میں جھگڑا ہے۔ زید کہتا ہے یہ تین ہیں مفتی صاحب کو حساب نہیں آتا، مفتی کہتا ہے ایک ہے۔ زید کہتا ہے کہ ۹ کے ایک ہونے کی حدیث دکھاؤ۔ آپ وہ حدیث دکھائیں۔

۵...... زید کو غیر مقلد مفتی نے یہ حدیث سنائی کہ اکٹھی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی ہیں۔ زید نے ایک طلاق صبح، ایک طلاق دوپہر اور ایک طلاق شام کو دے دی۔ غیر مقلد مفتی کہتا ہے کہ یہ ایک ہے، زید کہتا ہے صریح حدیث سناؤ کہ تین الگ الگ مجلس میں دی ہوئی طلاقیں ایک ہوتی ہیں۔ آپ وہ حدیث پیش کریں۔

۶...... زید نے ایک طلاق پیر کو، دوسری طلاق منگل کو اور تیسری طلاق بدھ کو دی۔ کوئی ایسی حدیث پیش فرمائیں کہ تین دن میں الگ الگ دی گئی تین طلاقیں ایک ہوتی ہے۔

۷...... زید نے ایک طلاق پہلے ہفتے، دوسری طلاق دوسرے ہفتے اور تیسری طلاق تیسرے ہفتے دی۔ وہ کہتا ہے ایسی حدیث دکھاؤ کہ تین الگ الگ ہفتوں میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک ہوتی ہے۔

۸...... زید نے اپنی بیوی کو ایک طلاق اس پاکی میں دی جس میں وہ دو دفعہ صحبت کر چکا تھا اور طلاق دینا حرام تھا۔ بیوی کو گھر سے نکال دیا، وہ اپنے ماموں کے ہاں چلی گئی، ایک ماہ کے بعد زید نے اُس کو دوسری طلاق بھیجی، وہ اس وقت حائضہ تھی۔ اس کے بعد جب تیسری طلاق بھیجی تو وہ اس وقت بھی حائضہ تھی، اس کے بعد دو سال گزر گئے۔ وہ ایک مفتی صاحب کے پاس گیا، اس نے کہا تینوں طلاقیں حرام تھیں، ایک بھی واقع نہیں ہوئی، اب وہ دونوں میاں بیوی کی طرح رہ رہے ہیں۔ اگر یہ فتویٰ درست ہے تو بھی صریح حدیث پیش فرمائیں اور اگر غلط ہے تو بھی صریح حدیث سے جواب ارشاد فرمائیں۔

۹...... صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی دور میں متعہ کر لیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ہمیں اس سے منع فرما دیا، اہل حدیث عالم کہتے ہیں کہ اس سے ثابت ہو کہ آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں جواز متعہ پر سب صحابہؓ کا اجماع تھا۔ حضرت عمرؓ کا روکنا ایک سیاسی حکم تھا، کوئی شرعی حکم نہیں تھا۔ اس لئے ابن عباسؓ نے ان سے اختلاف کیا اور پہلے اجماع پر قائم رہے۔ اس لئے جواز متعہ پر صحابہؓ کا اجماع ہے اور یہی اصل حکم شرعی ہے، تو اس عالم کا فتویٰ درست ہے یا نہیں؟ کیوں؟

۱۰...... غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اکٹھی تین طلاق کے بعد خدا اور رسول ﷺ کے نزدیک بیوی خاوند کے لئے حلال تھی۔ حضرت عمرؓ نے خدا اور خدا کے رسول ﷺ کے حلال کو حرام قرار دے دیا۔ حلال کو حرام قرار دینے والے احبار رہبان یہود کو قرآن نے ”اربابا من دون الله“ کہا ہے یا خلفائے راشدینؓ؟ جواب قرآن وحدیث سے دیں قیاس سے نہ دیں۔

۱۱...... کیا صدر مملکت کو حق ہے کہ سیاسی ضرورت کے ماتحت خدا کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار کردے؟

۱۲...... جب حضرت عمرؓ نے یہ اعلان فرمایا تو کتنے صحابہ کرامؓ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم پر قائم رہے اور کتنوں نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر عمرؓ کی شریعت کو مان لیا؟ جواب صحیح سندوں سے دیں۔

۱۳...... حضرت عمرؓ کے بعد دور عثمانی میں کتنے صحابہ کرامؓ اللہ اور رسول ﷺ کے ارشاد پر فتویٰ دیتے تھے اور کتنے حضرت عمرؓ کے قول پر؟ خود حضرت عثمان کس کے ساتھ تھے؟

۱۴...... حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں ان کا اپنا فتویٰ اور ان کے مفتیوں کا فتویٰ اللہ اور رسول ﷺ کی شریعت پر رہا یا عمرؓ کی؟

۱۵...... اہل سنت والجماعت کے چاروں امام اللہ اور رسول ﷺ کی شریعت پر فتویٰ دیتے رہے یا اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ کی شریعت پر؟ ہمیں یقین ہے کہ الدعوۃ والے ہرگز ہرگز ان سوالات کا جواب صرف قرآن وحدیث سے نہیں دیں سکیں گے۔ کیونکہ اس شاذ قول کا جو مطلب غیر مقلدین لیتے ہیں اس کے بعد صحابہ کرامؓ اور آئمہ اربعہ رحمہم اللہ کے بارے میں وہی ذہن بنتا ہے جو روافض کا ہے۔ خود ابن عباسؓ کا متواتر فتویٰ بھی اس شاذ قول کے خلاف ہے، الغرض روافض اور غیر مقلدین نے تو اس شاذ قول کا ایسا مطلب بیان کیا ہے جس سے آئمہ تو آئمہ، صحابہ کرامؓ بلکہ خلفائے راشدینؓ تک پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کے اعتراضات اور سیاسی اغراض کے لئے احکام شرعیہ سے خروج ثابت ہوتا ہے...... **العیاذ باللہ......**

ہاں اہل سنت والجماعت جو خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کو معیار حق مانتے ہیں قرآن پاک، احادیث متواترہ اور اجماع قطعی کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کی عظمتوں کا نقش ان کے دلوں میں ثبت ہے۔ وہ ایسے شاذ اقوال کی یا تو تاویل کرتے ہیں یا رد

کرتے ہیں۔

(۱)...... اس شاذ قول کا مدار طاؤس پر ہے۔ امام الحسین بن علی الکرابیسی اپنی کتاب "ادب القضاء" میں فرماتے ہیں...... **اخبرنا علی بن عبداللہ المدنی عن عبدالرزاق عن معمر عن ابن طاؤس انہ طاؤس انہ قال من حدثک عن طاؤس انہ کان یروی طلاق الثلاثہ واحدۃ کذابہ......** (الاشفاق)

یعنی طاؤس نے خود فرمایا کہ جو یہ کہے کہ طاؤس ایسی روایت کرتا ہے کہ تین طلاقیں ایک ہیں تو اس کو جھوٹا جان۔ جب طاؤس نے خود ہی اس شاذ قول کو جھٹلا دیا تو اس کو الدعوۃ والوں کے سوا کون قبول کر سکتا ہے جن کی فطرت ہی جھوٹ پسند ہے۔

۲...... اس شاذ قول کا دوسرا کردار ابو الصہبا ہے۔ یہ اگر مولیٰ بن عباس ہے تو ضعیف ہے، جیسا کہ نسائی نے کہا، اگر دوسرا ہے تو مجہول، آخر حرام کاری کے بیوپاریوں کے پاس کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع صحابہؓ اور ابن عباسؓ کے متواتر فتویٰ کے خلاف ضعیف اور مجہول راویوں کے شاذ قول کے سوا ہو بھی کیا سکتا ہے؟ ان بیچاروں کا اوڑھنا بچھونا ہی شاذ اقوال کے سہارے ہے، کتاب وسنت اور صحابہ کرامؓ سے بغاوت ہے۔

۳...... ابو الصہبا کے ان الفاظ پر بھی غور فرمالیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں...... **ھات من بنا تک** ...... یعنی قابل نفرت اور بری باتوں سے کچھ سنایئے، تو ابن عباسؓ یہ قول سنا دیتے ہیں جو ان کے نزدیک قبیح مردود اور قابل نفرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن عباسؓ فتویٰ ہمیشہ ان کے خلاف ہی دیتے رہے جو قول ابن عباسؓ بلکہ سب صحابہؓ کے ہاں قبیح اور قابل نفرت ہو، اس کو اگر غیر مقلد قبول نہ کریں تو اور کون قبول کرے گا؟ ان بیچاروں

کے دستر خوان پر یہ کچھ ملتا ہے۔ ایسے شاذ و قابل نفرت اقوال کے سہارے صحابہ کرامؓ کو شریعت کا مخالف قرار دینا ایسی ہی شاذ پسند طبیعتوں کا کام ہے جو...... مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّار...... سے نہیں ڈرتے۔

۴......امام بخاری اور امام مسلم کے استاد امام ابوبکر بن ابی شیبہ، پھر امام ابوداؤد اور امام بیہقی نے اس قول میں یہ بھی روایت کیا ہے کہ یہ اس عورت کے بارہ میں ہے جس کی رخصتی نہیں ہوئی۔ امام نسائی نے بھی اس پر یہ باب باندھا ہے اور ایسی عورت کے بارہ میں خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی وضاحت (ابن ابی شیبہ ج ۵، ص ۲۵ پر) موجود ہے کہ اگر اس کو یوں کہا جائے تجھے طلاق، طلاق، طلاق تو اس کو ایک ہی طلاق پڑتی ہے (اس صورت میں دوبارہ نکاح بغیر حلالہ شرعی کے جائز ہے اور سوچ و بچار کی گنجائش ہے) اور اگر یوں اس کو تین طلاقیں دی جائیں کہ تجھے تین طلاقیں تو اس کو تین طلاقیں ہی واقع ہو جاتی ہیں اب بغیر حلالہ شرعی کے اس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ جلد بازی ہے جس میں سوچ و بچار کا کوئی موقع نہیں رہتا۔

اب اس شاذ قول کا مطلب یہ بنا کہ رسول پاک ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں اگر رخصتی سے پہلے اگر کوئی طلاق دیتا تو وہ یوں کہتا طلاق، طلاق، طلاق۔ اس سے اس کو ایک ہی طلاق واقع ہوتی بعد میں سوچ و بچار کر کے نکاح کر سکتے تھے۔ اس کا حکم آج تک یہی ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں کثرت فتوحات سے بہت سے نومسلم ہوئے، بہت سی لونڈیاں آئیں نکاح طلاق کی کثرت ہوگئی تو بعض ناواقف لوگوں نے رخصتی سے قبل طلاق میں جلد بازی سے کام لینا شروع کر دیا اور ان کو یوں طلاق دینے لگے تجھے تین طلاق اب تینوں طلاقیں پڑ گئیں اور وہ عورت حرام ہوگئی، بغیر حلالہ شرعی کہ اب نکاح نہ کر سکتی تھی۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اعلان فرمادیا کہ جلد بازی کا طریقہ جو ہے اس کا حکم یہی ہے کہ تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ یا کسی بھی صحابی یا تابعی نے کوئی شرعی حکم نہیں بدلا۔ صرف طلاق دینے والوں نے طلاق کا طریقہ بدلا۔ جو پہلا طریقہ تھا اس کا آج بھی وہی حکم ہے جو بعد والا طریقہ ہے اس کا پہلے بھی وہی حکم تھا، اب نہ ہی کسی خلیفہ راشد پر اعتراض اور نہ ہی کسی صحابی پر۔

ہاں یہ بات ثابت ہوگئی کہ غیر مقلد نے یقیناً حکم شرعی بدل ڈالا اور حرام کو حلال کیا، یہی کام یہود کے احبار رہبان کرتے تھے۔ اور یہود ان کے کہنے سے خدا کے حرام کو حلال سمجھ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ یہود ان کو اربابًا من دون اللہ مانتے ہیں۔ اب بھی غیر مقلدین کی ہر مسجد اور ہر رسالے کے دفتر میں غیر مقلدین کے رب بیٹھے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال کرتے ہیں۔ ان کو جھوٹ کہہ کہہ کر کہ تین طلاقیں واقع نہیں ہوئیں سماعون للکذب کا کردار ادا کرتے ہیں اور ان سے حرام کاری کی دلالی کی فیس وصول کر کے اکالون للسحت سے اپنے پیٹ کا جہنم بھرتے ہیں! آہ انہوں نے کتنی عصمتوں کو تار تار کرایا، کتنے ایسے جوڑے ہیں جو ساری عمر حرام کاری کر کے اپنی اور ان کی قبروں کو جہنم کے گڑھے بنا رہے ہیں۔ حرام کاری کا ایک دلال مجھے کہنے لگا اصل بات تو یہی ہے کہ وہ عورت حرام ہے۔ لیکن اگر فتویٰ نہ بھی دیں تو بھی لوگ اس طرح اکٹھے رہتے ہیں۔ ہم فتویٰ دے کر کچھ فیس لے لیتے ہیں۔ میں نے کہا اگر تم حکم شرعی بدل کر فتویٰ نہ دیتے وہ پھر بھی اکٹھے رہتے تو یقیناً وہ گنہگار ہوتے اور اپنے آپ کو گنہگار سمجھ کر ہی گناہ کرتے۔ گناہ کو گناہ سمجھ کر کرنا گناہ ہی ہے مگر آپ کے فتویٰ

کے بعد وہ اس ساری عمر کے گناہ کو حلال سمجھ کر کر رہے ہیں۔ جس سے ایمان ہی رخصت ہو جاتا ہے۔ مگر غیر مقلدین کو ایمان کی کیا پرواہ؟ اصل تین طلاق کے مسئلہ میں نہ ان کے پاس قرآن ہے بلکہ ان کا مسئلہ قرآن کے بالکل خلاف ہے۔

"الطلاق مرتان" میں قرآن دو طلاقوں کو دو ہی کہتا ہے جب وہ دو دو ہیں تو تین تین ہی ہیں۔ مگر انہوں نے الطلاق مرتان کا مطلب یہ نکالا ہے کہ دو طلاقیں ایک ہیں، یہ بالکل جھوٹ ہے۔ قرآن کا انکار ہے۔ ان کے پاس صرف قیاس ہے کہ جب اس نے غلط طریقے سے طلاقیں دیں تو وہ واقع نہ ہوئیں مگر ان کا قیاس قرآن کے بھی خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی فرمایا ہے کہ جس نے حدود اللہ سے تجاوز کیا اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا، وہ خدا سے نہ ڈرا اب اس کے لئے کوئی صورت نہیں اس ندامت سے نکلنے کی یہ تب ہوگا کہ تینوں کو نافذ مانا جائے۔ غیر مقلدین کا یہ قیاس قرآن کے بھی خلاف ہوا اور احادیث جو اوپر درج ہو چکیں اور اجماع صحابہؓ کے خلاف ہوا اور امام طحاویؒ نے ثابت کر دیا کہ ان کا یہ قیاس بھی غلط ہے، کیوں کہ روافض کہتے ہیں جس طرح نکاح غلط طریقے سے نہیں ہو سکتا مثلاً عورت کسی کی عدت میں اور نکاح کرے تو نکاح نہ ہوگا۔ اسی طرح طلاق بھی غلط طریقے سے نافذ نہ ہوگی۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں یہ قیاس نصوص کے بھی خلاف ہے۔ حیض میں طلاق دینا گناہ ہے، مگر طلاق نافذ ہو جاتی ہے۔ ایسی پاکی میں طلاق دینا جس میں حقوق زوجیت ادا کر چکا ہو حرام ہے مگر نافذ ہو جاتی ہے۔ جس طرح تمھارا قیاس نصوص کے خلاف ہے اسی طرح خود بھی غلط ہے۔ دیکھو نماز میں داخل ہونے کے لئے صحیح طریقہ سے داخل ہونا ضروری ہے کہ نماز کی شرائط مکمل ہوں، پھر نماز میں تکبیر تحریمہ کہہ کر داخل ہو، لیکن نماز سے نکلنے کیلئے اگر صحیح

طریقے سے سلام پھیر کر نکلے گا تو یقیناً نماز سے نکل گیا اور کوئی گناہ نہ ہوا، لیکن اگر سلام پھیرنے کی بجائے بول چال شروع کر دی، اٹھ کر بھاگ کھڑا ہو، کچھ کھانا پینا شروع کر دیا تو بھی یقیناً نماز سے نکل گیا۔ ساتھ گناہ بھی ہوا۔ اسی طرح اگر طلاق صحیح طریقے سے دی تو ایسا ہے جیسے شرعی طریقہ سے نماز سے نکل گیا اور اگر طلاق غیر شرعی طریقے سے دی تو بھی طلاق ہو گئی، مگر ساتھ گناہ بھی ہوا، جیسے غیر شرعی طریقے سے نماز سے نکلنے والے کو گناہ ضرور ہوا، مگر نماز سے نکل گیا، بہر حال غیر مقلدین کا یہ مسئلہ کہ شرعی طلاق ایک نافذ نہیں ہوتی نہ قرآن میں ہے، نہ حدیث میں، نہ کسی صحابی کا مسلک، نہ مجتہد کا، یہود کے احبار رہبان کی طرح خدا اور رسول ﷺ سے بغاوت کر کے ان لوگوں نے شریعت کے حرام کو حلال کر رکھا ہے۔

نوٹ: ان شاذ اقوال کے سہارے کے لئے ایک اور جھوٹی کہانی گھڑی گئی کہ حضرت عمرؓ کو ان پر ندامت ہوئی تھی، اس کا گھڑنے والا خالد بن یزید ہے، امام ابن معین فرماتے ہیں کہ وہ اپنے باپ پر ہی جھوٹ نہ بولتا بلکہ صحابہ کرامؓ پر بھی جھوٹ بولتا تھا۔

(میزان الاعتدال ج ۱، ص ۶۴۵)

آخر حرام کاروں کو حرام کاری کے لئے ایسے کذابوں کے سہارے ہی ملیں گے۔

حلالہ شرعی:

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے تو وہ اس کے لئے حلال نہیں رہتی، یہاں تک کہ وہ عورت (عدت کے بعد) دوسرے شوہر سے نکاح (صحیح) کرے (اور نکاح کے بعد دوسرا شوہر اس سے صحبت کرے، پھر مر جائے یا از خود طلاق دے دے اور اس کی عدت گزر جائے تب یہ عورت پہلے شوہر کے

لئے حلال ہوگی اور وہ اس سے دوبارہ نکاح کر سکے گا) یہ حلالہ شرعی ہے۔

تین طلاق کے بعد عورت کا کسی سے اس شرط پر نکاح کر دینا کہ وہ صحبت کے بعد طلاق دے دے گا تو یہ شرط باطل ہے اور حدیث میں ایسا حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ تاہم ملعون ہونے کے باوجود اگر دوسرا شوہر صحبت کے بعد طلاق دے دے تو عدت کے بعد عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی اور اگر کسی دوسرے مرد سے نکاح کرتے وقت یہ نہیں کہا گیا کہ وہ صحبت کے بعد طلاق دے دے گا، لیکن اس شخص کا اپنا خیال ایسا ہو کہ وہ عورت کو صحبت کے بعد فارغ کر دے گا تو یہ صورت موجب لعنت نہیں۔ اسی طرح اگر عورت کی نیت ہو کہ وہ دوسرے شوہر سے طلاق حاصل کر کے پہلے شوہر کے گھر آباد ہونے کے لائق ہو جائے گی تب بھی گناہ نہیں۔ ہاں بغیر دوسرے خاوند سے نکاح کئے وہ پہلے مرد پر قطعاً حرام ہے۔

غیر مقلدین نے اس حرام کاری کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ وہ تین طلاق کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کئے بغیر پہلے مرد کے سپرد کر دیتے ہیں جو قرآن وسنت اور اجماع امت کے مطابق بالکل حرام ہے۔ آج اکثر جو لوگ غیر مقلدین بن رہے ہیں وہ اسی لئے کہ مذاہب اربعہ میں حرام کاری کی کوئی گنجائش نہیں اور ان غیر مقلدین کے ہاں یہ ساری عمر کی یہ حرام کاری پیشے کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ حرام کاری کے یہ دلال حلالہ کے خلاف خوب زور لگا رہے ہیں تا کہ ہمارے کاروبار حرام کاری پر پردہ پڑا رہے۔ انہیں اگر شرط حلالہ سے انکار ہے تو اس شرط کو احناف بھی ناجائز اور موجب لعنت کہتے ہیں۔ فقہ حنفی کو گالیاں دینے والے کیا اس کا جواز فقہ حنفی سے نکال سکتے ہیں، اور اگر وہ اس شرط والے حلالہ کے مخالف ہیں تو کیا وہ بلا شرط حلالہ کرواتے ہیں؟ اس کے کتنے سنٹر انہوں نے کھولے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے باوجود لعنت کرنے کے ان کو حلال کرنے والا فرمایا، حرام کرنے والا نہیں فرمایا اور جس کے لیے حلال کی گئی فرمایا، جس کے لئے حرام کی گئی نہیں فرمایا۔ غیر مقلدو! کتاب وسنت سے بغاوت کر کے کب تک شریف گھرانوں کو ساری عمر کی حرام کاری پر لگائے رکھو گے؟ الدعوۃ میں بھی یہ تو مانا ہے، البتہ یہ طے کئے بغیر اگر وہ خاوند اپنی مرضی سے طلاق دے تب پہلے خاوند سے نکاح ہو سکتا ہے اور یہی طریقہ قرآن میں جائز ہے۔ تم نے کہا کہ اس طریقے پر عمل کرایا! تم تو قرآن کے اس جائز طریقے کو توڑ کر ساری عمر کی حرام کاری لگا رہے ہو۔

اس مسئلہ میں یہ بغاوت تو قرآن وسنت، صحابہ کرامؓ اور آئمہ اربعہ رحمہم اللہ سے کر رہے ہیں مگر شور مچاتے ہیں کہ اللہ نے کسی متعین فقہ کے ماننے کا حکم نہیں دیا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر کسی متعین فقہ کو ماننے سے منع فرمایا ہو تو آیت اور حدیث ضرور پیش کریں۔ یہ دلائل نہیں آپ کی بوکھلاہٹ کے آثار ہیں۔ آپ کے بڑے بھائی اہل قرآن بھی اس قسم کی بہکی بہکی باتیں کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عربی قرآن نازل کیا تھا۔ یہ جو صحاح ستہ کے نام سے چھ عجمی قرآن بنا لئے گئے ہیں انکے ماننے کا اللہ تعالیٰ نے کہیں حکم نہیں دیا۔ اس فرقے کا بھی یہی حال ہے کہ دلائل سے خالی ہونے کی وجہ سے اپنے پریشانی کو چھپانے کے لئے فقہ کو گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ حلالہ کی شرط باطل ہے اور متعہ بھی حرام ہے، لیکن یہ لوگ جو بغیر کسی نکاح کے عورت کو پہلے مرد کے سپرد کر دیتے ہیں یہ ان دونوں گناہوں سے بڑا گناہ اور حرام ہے۔ ساری عمر کا گناہ اور ناجائز اولاد، اتنے بڑے حرام پر عمل کرنا اور شرط حلالہ کے خلاف شور مچانا ایسا ہی ہے کہ کوئی بدکار عورت برسر عام زنا میں مشغول ہو اور کسی گھر

ستن کو گالیاں دے رہی ہو کہ بڑے بے شرم ہو، دوپٹہ سرک گیا ہے اور اس کا کان غیر محرم کو نظر آ گیا ہے، یہی حال ان حضرت کا ہے، کبھی اپنے حرام کاروں کو یہ کہ کر تسلی دیتے ہیں کہ حلالہ سے بے حیائی اور بے شرمی پھیلے گی۔

یہ ایسے ہی ہیں جیسے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر چوروں کے ہاتھ کاٹنے کی حد نافذ ہو گئی تو سارا ملک ٹنڈا ہو جائیگا۔ اصل بے حیائی اور بے شرمی کی ذمہ داری تو ان پر ہی ہے جو بغیر دوسرے نکاح کے بیوی واپس کر دیتے ہیں۔ اس سے لوگوں میں تین طلاقیں دینے کی جرأت بڑھی ہے، اور حرام کاری عام ہو گئی ہے۔ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں ایک آدمی کو کہیں کہ قرآنی حکم کے مطابق دوسرے نکاح کے بغیر یہ (بیوی) تجھے نہیں مل سکتی اور اس عورت کا دوسرا نکاح ہو جائے تو اس ایک واقعہ کے بعد سالوں تک کوئی تین طلاق کا نام نہ لے گا۔ جس طرح چوروں پر حد نہ لگا کر چوروں کی جرأت بڑھائی گئی اس طرح اس مرد کو یہ سزا معاف کر کے مریض دلوں کو تین طلاقیں دینے کی آپ لوگوں نے جرات دلائی ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تمام فتنوں کے شر سے محفوظ فرمائیں...... آمین......

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ

(القرآن)

مطالعۂ غیر مقلدیت

موضوع

تحقیق مسئلہ رفع یدین

مکتبہ الحق
ماڈرن ڈیری جوگیشوری ممبئی ۱۰۲

پیش لفظ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

غیر مقلدین کا مجموعی مزاج یہ ہے کہ یہ حضرات فروعی مسائل میں بے انتہا شدت برتتے ہیں، یہ لوگ اپنی کتابوں اور رسالوں، تقریروں اور تحریروں میں فروعی مسائل پر بحث کرتے ہوئے قابو سے باہر ہو جاتے ہیں اور نہایت درشت اور کرخت لب ولہجہ اختیار کرتے ہیں، مقلدین حضرات کو کوستے ہیں، ان پر برستے اور تیز وتند انداز میں ان پر تنقید کرتے ہیں۔ ان کے مقررین فروعی مسائل (فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، آمین بالجہر اور تراویح وغیرہ) کو ہر جگہ جا کر ہوا دیتے۔ ان کو اچھالتے اور ان کو کفر وایمان کا مدار ومناط قرار دیتے ہیں۔ ہمارے اکابر واسلاف شروع سے ہی ان کو سمجھاتے آئے ہیں کہ ان فروعی مسائل کو کفر وایمان کا مدار نہ بنائیں۔ ان میں اتنی شدت نہ برتیں اور ان کی وجہ سے تکفیر وتفسیق اور تضلیل کے فتوے صادر نہ کریں۔ فضاء کو مسموم اور زہر آلود نہ کریں۔ لوگوں کو امن وامان سے رہنے دیں ان کو آپس میں نہ لڑائیں اور جنگ وجدل پر آمادہ نہ کریں۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ ان لوگوں کے اذہان وعقول میں یہ معمولی سی بات آج تک نہیں آئی۔ رواداری برتنا تو ان کی جبلت اور سرشت کے منافی ہے۔ ان کی طبیعتوں میں بے انتہا شدت، کرختگی خشکی اور سختی پائی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ غیر مقلدین بھی اس کا اقرار واعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔

چنانچہ مولانا داؤد غزنویؒ کی سوانح حیات میں تحریر ہے……

‘‘اہلحدیث حضرات عموماً نہایت متشدد ہوتے ہیں۔ تھوڑی سے تھوڑی چیز پر سخت سے سخت نکتہ چینی کے خوگر’’ (مولانا داؤد غزنوی مرتبہ ابوبکر غزنوی، ص ۱۸)

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر ہے……

‘‘ان کی تقریروں میں غلظت اور خشونت کا غلبہ ہوتا ہے’’ (ص ۸۶)

مسئلہ ‘‘رفع یدین’’ بھی ان فروعی مسائل میں سے ایک ہے جن پر بحث کرتے ہوئے ان کے قلم کار اور مقررین احناف کو بے نقط سناتے ہیں اور رفع یدین کو وجوب و فرضیت کا درجہ دیتے ہیں۔

چنانچہ بہاولپور کے ایک پروفیسر صاحب نے ‘‘رفع یدین’’ کے موضوع پر ایک رسالہ لکھ کر قادر بخش کے نام پر چھپوایا ہے، اس میں تہذیب و شرافت کی جو مٹی پلید کی ہے اور جو بازاری، سوقیانہ اور دل آزار زبان استعمال کی ہے، اسے پڑھ کر موصوف کے بارے میں اچھے تاثرات قائم نہیں ہوتے۔ احقر پروفیسر صاحب کے ‘‘بطور نمونہ مشتے خروارے’’ چند جملے نقل کرتا ہے، جس سے ناظرین اس جماعت کی تنگ نظری تنگ ظرفی اور تشدد کا کچھ اندازہ کر سکیں گے۔

پروفیسر صاحب اس رسالہ کے ص ۱۷ پر لکھتے ہیں……

‘‘میں کہتا ہوں مقلد کوئی بھی ہو جاہل ہوتا ہے۔ اگر جاہل نہ ہو تو تقلید کیوں کرے؟ تقلید ہے بھی جاہلوں کے لیے اور کرتا بھی جاہل ہی ہے جو علم و عقل والا ہو وہ تقلید کیوں کرے؟’’

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں……

‘‘لیکن آپ نے اندھے اماموں کی اندھی تقلید کی’’ (مسئلہ رفع یدین ص ۴۰)

اسی رسالہ میں ایک مقام پر لکھتے ہیں……

‘‘رہنمائی بیچارہ مقلد کیا کرے گا وہ تو خود اندھا ہے اور اندھا بھی دل کا۔’’ (مسئلہ رفع دیدین ص ۴۲)

ایک جگہ تحریر کرتے ہیں……

‘‘مقلد بصیرت کا اندھا تو ہوتا ہی ہے، اب معلوم ہو کہ اس کا ذوق بھی گندا ہوتا ہے’’ (ص ۵۲)

‘‘مقلد چونکہ بدنیت بھی ہوتا ہے اور مطلبی بھی، اس لیے حدیث کے معاملہ میں بدنصیب ہی رہتا ہے’’ (ص ۵۲، ۵۷)

غرضیکہ یہ اور اس قسم کے دلخراش اور متعفن جملے اور کلمے جگہ جگہ اس رسالہ میں آپ کو ملیں گے، جو پروفیسر صاحب کی فکر و نظر کی آلائشوں، قلب و ذہن کی مجنونانہ کیفیات اور اندرونی اضطراب و خلفشار کی بخوبی غمازی کرتے ہیں۔

بہرحال غیر مقلدین کے اس قسم کے رسائل پڑھ کر اور ان کے مقررین کی اشتعال انگیز تقاریر سن کر یہ خیال پیدا ہوا کہ مسئلہ رفع یدین پر احادیث کی روشنی میں ایک عام فہم رسالہ شائع کیا جائے جس کو عوام با آسانی سمجھ سکیں۔ الحمدللہ نعمان اکیڈمی کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ وہ اس موضوع پر ایک فیصلہ کن رسالہ شائع کر رہی ہے۔ متلاشیان حق کے لیے یہ رسالہ ‘‘مینارۂ نور’’ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر مسلمان کے پاس اس کا ہونا ضروری ہے۔

والسلام…… **محمد امین صفدر**

ترک رفع یدین احادیث کی روشنی میں

عَنْ جَابَرِ بِن سمرةؓ قال خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہ ﷺ فَقَالَ مَالِیَ اَرَاکُمْ رَافِعِیْ اَیْدِیْکُمْ کَاَ نَّھَا اَذْنَابُ خَیْلٍ شَمْسُ اُسْکُنُوافِی الصَّلٰوۃ......

(صحیح مسلم ج ۱، ص ۱۸۱، ابوداود ج ۱، ص ۱۰۔ نسائی ص ۱۷۲، طحاوی ج ۱، ص ۱۵۸، مسند احمد ج ۵ ص ۹۳ وسند صحیح جید)

''حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس (نماز پڑھنے کی حالت میں) تشریف لائے (اور ہم نماز کے اندر رفع یدین کر رہے تھے) تو بڑی ناراضگی سے فرمایا کہ میں تم کو نماز میں شریر گھوڑوں کی دم کی طرح رفع یدین کرتے کیوں دیکھتا ہوں؟ نماز میں ساکن اور مطمئن رہو''

نماز تکبیر تحریمہ سے شروع ہوتی ہے اور سلام پر ختم ہوتی ہے اس کے اندر کسی جگہ رفع یدین کرنا خواہ وہ دوسری، تیسری، چوتھی رکعت کے شروع میں ہو یا رکوع جاتے اور سر اٹھاتے یا سجدوں میں جاتے اور سر اٹھاتے وقت ہو۔ اس رفع یدین پر حضور ﷺ نے ناراضگی کا اظہار بھی فرمایا۔ اسے جانوروں کے فعل سے تشبیہ بھی دی، اس رفع یدین کو خلاف سکون بھی فرمایا اور حکم دیا کہ نماز سکون سے یعنی بغیر رفع یدین کے

پڑھا کرو۔

قرآن پاک میں بھی نماز میں سکون کی تاکید ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں......

قُوْ مُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْن......خدا کے سامنے نہایت سکون سے کھڑے ہو، دیکھئے خدا اور رسول نے نماز میں سکون کا حکم فرمایا اور آنحضرت ﷺ نے نماز کے اندر رفع یدین کو سکون کے خلاف فرمایا۔

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں......

۲۔ **قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلٰو تِہِمْ خَاشِعُوْن قال ابن عباسٍ اَلَّذِیْنَ لا یَرْفَعُوْنَ اَیْدِ یَھُمْ فِیْ صَلٰو تِہِمْ**

(تفسیر ابن عباسؓ ص ۳۲۳)

''کامیاب ہو گئے وہ مومن جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں'' حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یعنی جو نمازوں کے اندر رفع یدین نہیں کرتے۔

۳۔ **حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا وکیع ثنا سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمن بن السود عن علقمة قال قال ابن مسعود الا اصلی لکم صلوٰة رسول اللہ ﷺ قال فصلی فلم یرفع یدیہ الامرة......**

حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی طرح نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟ چنانچہ آپ نے نماز پڑھی اور صرف ایک مرتبہ رفع یدین کیا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۸، ۴۴۲)

۴۔ اَلَمْ تَرَاِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوا اَیْدِیَكُمْ وَاَقِیْمُو الصَّلٰوة.

اس آیت سے بھی بعض لوگوں نے نماز کے اندر رفع یدین کے منع پر دلیل لی ہے۔

۵۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاعالی ہے......اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ......

میرے ذکر کے لیے نماز قائم کر، زیر بحث مسئلہ رفع یدین اور جلسہ استراحت کے لیے شریعت مقدسہ میں کوئی ذکر مقرر نہیں ہے اس لیے یہ نماز سے غیر متعلق افعال ہوئے۔

۶۔ عن ابن عَبَّاسٍؓ عَنِ النَّبِی ﷺ قَالَ لا تُرفَعُ الاَ یْدِیْ اِلاَّ فِیْ سَبْعِ مَوَاطِنَ حِیْنَ یَفْتَتِحُ الصَّلٰوةَ وَحِیْنَ یَدْ خُلُ الْمَسْجِدَ الْحَرَام فَیَنْظُرُ اِلَی الْبَیْتِ وَحِیْنَ یَقُوْمُ عَلَی الصّفَاوَ حِیْنَ یَقُوْم عَلَی الْمَرْوَة وَحِیْنَ یقف مَعَ النَّاسِ عَشیة عَرَفَة وبجمع والمقامین حین یرمی الجمرة......

حضرت. عبداللہ بن عباسؓ رسول پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا رفع یدین نہ کرو مگر سات جگہ (۱) جب نماز شروع کی جائے (۲) جب مسجد حرام میں داخل ہوتے ہوئے بیت اللہ پر نظر پڑے (۳) جب صفا (۴) مروہ پر کھڑا ہو (۵) عرفات میں زوال کے بعد جب لوگوں کے ساتھ وقوف کرے (۶) مزدلفہ میں وقوف کے وقت (رمی جمار کے وقت)

(معجم کبیر طبرانی، ج ۱۱ ص ۳۸۵

۷۔ حدثنا ابو کریب محمد بن العلاء ثنا محمد بن عبد الرحمن بن محمد المحاربی ثنا ابن ابی لیلی عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس وعن نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال ترفع الایدی فی سبعة مواطن افتتاح الصلٰوة واستقبال البیت والصفا والمرو والموقفین وعند الحجر......

(کشف الاستار ج ۱ ص ۲۵۱، شرح معانی الآثار ج ۱، ص ۵۴)

حضرت عبداللہ بن عباس وحضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا رفع یدین سات مقامات پر کیا جائے۔ (۱) نماز کے شروع میں (۲) بیت اللہ کی زیارت کے وقت، (۳) صفا (۴) مروہ پر (۵) عرفات (۶) مزدلفہ میں وقوف کے وقت اور (۷) رمی جمار کے وقت۔

۸۔ حدثنا احمد بن شعیب ابو عبد الرحمن النسائی ثنا عمرو بن یزید ابو برید الجرمی ثنا سیف بن عبید الله ثنا ورقاء عن عطاء بن السائب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال السجود علی سبعة اعضاء الیدین والقدمین والرکبتین والجبهة ورفع الایدی اذا رأیت البیت وعلی الصفاو المروة وبعرفة وعند رمی الجمار واذا اقیمت الصلٰوة......

(معجم طبرانی کبیر ج ۱۱، ص ۴۵۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا سجدہ سات اعضاء پر کیا کرو، دونوں ہاتھوں، دونوں پاؤں، دونوں گھٹنوں اور پیشانی پر اور رفع یدین اس وقت کیا کر جب تو بیت اللہ کو دیکھے، اور صفا و مروہ پر، وقوف عرفہ کے وقت، رمی جمار کے وقت اور جب نماز کے لیے اقامت کہہ دی جائے۔

۹۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ خود بھی اس کے موافق فتویٰ دیا کرتے تھے۔

(زیلعی ج ۱ ص ۳۹۱)

حدثنا ابو بکر قال حدثنا ابن فضیل عن ابن ابی لیلیٰ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباسؓ قال لا ترفع الا یدی الا فی سبع مواضع ، اذا قمت الی الصلوۃ ویذاجئت من بلد واذا رأیت البیت واذا قمت علی الصفا و المروۃ ،وبعرفات ،ویجمع وعند الجمار……

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴، ص ۵۴۰)

ان احادیثؒ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے نماز کی پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرنے کا حکم فرمایا اور پہلی تکبیر کے بعد دوران نماز رفع یدین کرنے سے منع فرمایا۔ یہی ہمارا مسلک ہے۔

۱۰۔ عن عبداللہ بن عمرؓ قَالَ رَاَیۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰہ ﷺ اِذَا اِفۡتَتَحَ الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیۡہِ حَذۡوَ مَنۡکَبَیۡہِ وَاِذَا ۔اَرَادَ اَن یَّرۡ کَعَ وَ بَعۡدَ مَایَرۡفَعُ رَاۡسَہ، مِنَ الرُکُوۡعِ فَلا یَرۡ فَعُ

وَلا بَیۡنَ السَّجۡدَ تَیۡنِ…… (مسند حمیدی ج ۲ ص ۲۷۷، صحیح ابوعوانہ ج ۲ ص ۹۰)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین نہ کرتے اور نہ سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے۔

۱۱۔ وَعَنہ اَنَ لنَّبِی ﷺ کَانَ یَرۡفَعُ یَدَیۡہِ اِذَا اِفۡتَتَحَ الصَّلٰوۃَ ثُمَّ لا یَعُوۡدُ (بیہقی فی الخلافیات زیلعی ج ۱ ص ۴۰۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ہی روایت ہے کہ بے شک نبی پاک ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو رفع یدین کرتے پھر ساری نماز میں کسی جگہ بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۱۲۔ عن مُجَاھد قَالَ صَلَّیۡتُ خَلۡفَ اِبۡنِ عُمَرؓ فَلَمۡ یَکُنۡ یَرۡفَعُ یَدَیۡہِ اِلَّا فِیۡ التَّکۡبِیۡرَۃِ الۡاُ وۡلٰی مِنَ الصَّلٰوۃِ……

(ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۷ طحاوی)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی، پس آپ نماز میں صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے اس کے بعد نماز میں کسی جگہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۱۳۔ عنۡ عبدالعزیز بن حکیم قَالَ رَأیۡت اِبۡنِ عُمَرؓ یَرۡفَعُ یَدَیۡہِ حَذۡوَ اُذُنَیۡہِ فِي اَوَّلِ تَکۡبِیۡرَ ۃ اِفۡتَتَاحِ الصَّلٰوۃِ وَلَم یَرۡفَعۡھُمَا فِیۡمَا سِوٰی ذَالِکُ (موطا امام محمد ص ۹)

امام محمد مجتہد ہیں۔ انہوں نے اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے، پس حدیث صحیح ہے۔

عبدالعزیز بن حکیم سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں کو کانوں کے مقابل تک نماز کی پہلی تکبیر کے وقت اٹھاتے اور اسکے سوا کسی موقعہ میں نہ اٹھاتے تھے۔

فائدہ:

(۱) پہلی دونوں سنہری اور کھری وصحیح احادیث سے ثابت ہو کہ آنحضرت ﷺ پہلی تکبیر کے بعد نہ دوسری تیسری، چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے اور نہ ہی رکوع میں جاتے رکوع سے سر اٹھاتے اور سجدوں میں جاتے اور سجدوں سے سر اٹھاتے وقت کرتے تھے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر بھی ان مقامات پر رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(۳) ان دونوں حدیثوں کی سند کے مرکزی راوی سب مدنی ہیں۔ اور امام مالکؒ جو مدینہ منورہ کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بھر میں کسی کو نہیں پہچانا جو پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین کرتا ہو، آپ کی پیدائش ۹۰ھ میں ہوئی اور وفات ۱۷۶ھ میں ہوئی، یہ خیر القرون کا دور ہے اور امام مالکؒ مدینہ منورہ کے امام ہیں جہاں ہر ملک اور ہر جگہ کے لوگ روضہ رسول کی زیارت کے لیے آتے ہیں، لیکن امام مالکؒ کسی ایک شخص کو بھی نہیں پہچانتے جو رفع یدین والی نماز پڑھتا ہو۔ بلکہ برملا اس رفع یدین کو ضعیف فرماتے ہیں۔ (المدونہ الکبری ج ا ص ۷۱)

(۴) معلوم ہوا کہ خیر القرون میں رفع یدین کر کے نماز پڑھنے والا شخص عجائب گھر

میں رکھنے کے لیے بھی نہ ملتا تھا۔ اور رفع یدین کی تمام روایات اس پاک دور میں متروک العمل تھیں۔

۱۴۔ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُاللہ بِن مَسْعُودؓ اَلاَاُصَلّيِ بِکُمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَصَلّٰی فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا فِیْ اَوَّلِ مَرَّةٍ (ترمذی ج ا ص ۳۵) یہ حدیث صحیح ہے (محلی ابن حزم ج ۴ ص ۳۵۸)

اس کے سب راوی صحیح مسلم شریف کے راوی ہیں۔ (الجوہر النقی ج ا ص ۱۲۷)

حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں تم کو حضور ﷺ جیسی نماز نہ پڑھاؤں؟ اس کے بعد انہوں نے نماز پڑھائی اور پہلی مرتبہ کے بعد کسی جگہ رفع یدین نہ کی۔

امام ترمذی فرما رہے ہیں کہ بہت اسے اہل علم صحابہ کرام اور تابعین کا یہی مذہب ہے اور حضرت سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

(ترمذی ج ا ص ۳۵)

۱۵۔ عن عبداللہِ قَالَ اَلاَ اَخبِرُ کُمْ بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہ ﷺ قَالَ فَقَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ اَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ لَم يُعِدُ وَ فِیْ نسخة ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْ ...... (نسائی شریف ج ا ص ۱۵۸)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کیا میں تم کو رسول اللہ ﷺ کے نماز پڑھنے کا طریقہ نہ بتاؤں؟ پس آپ کھڑے ہوئے تو صرف پہلی دفعہ شروع نماز میں رفع یدین کیا اس کے بعد پوری نماز میں کسی جگہ رفع یدین نہ کیا۔

۱۶۔ عن عبدالله بن مسعودؓ اَنَّ رَسُولُ اللهﷺ کَانَ لا یَرْفَعُ یَدَیْهِ اِلَّا عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ ثُمَّ لا یَعُوْدُ……

(مسند امام اعظم ج ۱ ص ۳۵۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھاتے پھر کہیں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

یہ وہ حدیث شریف ہے جو سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ نے مناظرہ میں امام ابو زاعی کے سامنے بیان فرمائی تھی اور ثابت فرمایا کہ اس کی سند کا ہر راوی اپنے دور کا سب سے بڑا فقیہ ہے اور امام اوزاعی کو لاجواب ہو کر خاموش ہونا پڑا۔

۱۷۔ عن عبدالله بن مسعودؓ قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ النَّبِیﷺ وَاَبِیْ بَکْر وَ عُمَر فَلَمْ یَرْفَعُوا یَدیَهُمْ اِلَّا عِنْدَ التَّکْبِیْرَةِ الْاُوْلیٰ فِی اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ قال اسحاق به تاخذ فی الصلوت کلها……

(دار قطنی ج ۱ ص ۲۹۵، ابو یعلیٰ ج ۸ ص ۴۵۳)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں، یہ حضرات شروع نماز کے بعد کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

۱۸۔ عن الاَسْوَدِ قَالَ رَاَیْتُ عُمَر بن الخَطَّاب یَرْفَعُ یَدیْه فِیْ اَوَّلِ تَکْبِیْرَةٍ ثُمَّ لا یَعُوْدُ (طحاوی ج ۱ ص ۱۳۳) قَالَ اِبنِ حَجَر رجاله ثقات…… (الدرایہ ص ۸۵)

ابن حجر کہتے ہیں اس کے راوی معتبر ہیں۔

حضرت اسود سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطابؓ خلیفہ راشد کو دیکھا وہ اپنے ہاتھوں کو صرف پہلی تکبیر کے وقت اٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

۱۹۔ عَنِ الاَسْوَدِ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ عُمَرَ فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْهِ فِیْ شَیْئٍ مِن صَلٰوتِهٖ اِلَّا حِیْنَ اِفْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَاَیْتُ الشَّعْبِیُ وَاِبْرَاهِیْمَ وَاَبَا اِسْحَاقَ لا یَرْفَعُوْنَ اَیْدِهُم اِلَّاحین یَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوةَ…… (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۲۰)

حضرت اسودؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز ادا کی آپ پہلی تکبیر کے بعد کبھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۲۰۔ عَنْ علیؓ ان النبی ﷺ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ فِی التَّکْبِیْرَةِ الاُوْلیٰ اَلَّتِیْ یَفْتَتِحُ بِهِ الصَّلٰوةَ ثُمَّ لا یَرْفَعُهُمَا فِیْ شَیْئٍ مِنَ الصَّلٰوةِ …… (العلل دار قطنی ج ۴ ص ۲۶)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز کی پہلی تکبیر کے بعد ساری نمازی میں کہیں بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۲۱۔ عن عاصم بن کُلَیْب عَنْ اَبیهِ ان علیا کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ فِیْ اَوَّلِ تَکْبِیْرَةٍ مِنَ الصَّلٰوةِ ثُمَّ لا یَرْفَعُ بَعْدُ……

(طحاوی ج ۱ ص ۱۳۲ ا ز صحیح زیلعی ج ۱ ص ۲۱۱ رجاله ثقات الدرایه ص ۸۵)

عاصم بن کلیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نماز کی پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے، اس کے بعد ساری نماز

میں کبھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۲۲۔ وَعَنْہُ اَنَّ عَلِیًّا کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِذَا اِفْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ ......

(ابن ابی شیبہ ج۱ ص۱۲۱)

انہیں سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نماز کی پہلی تکبیر کے بعد کہیں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۲۳۔ عن علی بن اَبِیْ طَالِبٍ اَنَّہ، کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِیْ التَّکْبِیْرَۃِ الاُوْلٰی اَلَّتِیْ یَفْتَتِحُ بِھَا الصَّلٰوۃَ ثُمَّ لَا یَرْفَعُھُمَا فِیْ شَیْئٍی مِنَ الصَّلٰوۃِ......

(موطا امام محمد ص۵۵)

حضرت علیؓ نماز کی پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر ساری نماز میں کبھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۲۴۔ عن اَبِیْ اِسْحَاقَ قَالَ کَانَ اَصْحَابُ عَبْدِاللّٰہِ وَ اَصْحَابُ عَلیٍ لَا یَرْفَعُوْنَ اَیْدِیْھُمْ اِلَّا فِیْ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُوْنَ......

(ابن ابی شیبہ ج۱ ص۱۲۱) اسنادہ صحیح جلیل (الجوہر النقی ج۱ ص۱۳۹)

محدث ابو اسحاق روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے (سینکڑوں ساتھی اور حضرت علیؓ کے (ہزاروں) ساتھی سب پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

۲۵۔ عَنْ اِبِیْ بَکْرِ بْنِ عَیَّاشٍ قَالَ مَارَاَیْتُ فَقِیْھًا قَطُّ یَفْعَلُہ،

یَرْفَعُ یَدَیْہِ فِیْ غَیْرِ التَّکْبِیْرَۃِ الاُوْلٰی ......

(طحاوی شریف ج۱ ص۱۳۴)

محدیث ابوبکر بن عیاش (پیدائش ۱۰۰ھ وفات ۱۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے (خیر القرون میں) کسی بھی دین میں سمجھ رکھنے والے کو کہیں پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین نہیں کرتے دیکھا۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ رسول پاک ﷺ خلفائے راشدین، اکابر صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین رفع یدین نہ کرتے تھے اور خیر القرون میں کسی مسجد میں نماز میں رفع یدین کرنے والا کوئی آدمی نہ آتا تھا، نیز خلفائے راشدین، اکابر صحابہؓ وتابعین و رتبع تابعین رفع یدین کی روایات کو بالکل متروک العمل سمجھتے تھے۔

۲۶۔ عن بَرَاءِ بْنِ عَازِبٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِذَ اِفْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ ثُمَّ لَا یَرْفَعُھُمَا حَتّٰی یَنْصَرِفُ

(المدونہ الکبری ج۱ ص۶۹، ابن ابی شیبہ ج۱ ص۱۲۱)

حضرت براء بن عازبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صرف پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی جگہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۲۷۔ عن براء بن عازبؓ قال کان النبی صلی اللہ ﷺ اِذَا کَبَّرَ لِاَفْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یَکُوْنَ اِبْھَا مَاہُ قَرِیْبًا مِنْ شَحْمَتَیْ اُذُنَیْہِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ

(طحاوی ج۱ ص۱۳۲، ابوداؤد ج۱ ص۷۶، دار قطنی ج۱ ص۱۱۰ اعبدالرزاق)

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ جب

نماز شروع کرنے کے لیے پہلی تکبیر کہتے تو اپنے کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھاتے پھر ساری نماز میں دوبارہ ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

۲۸۔ **عن ابی حنیفه یقول الشعبی یقول سمعت البراء بن عاذب یقول کان رسول ﷺ اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه حتیٰ بما ذی منکبیه لا یعود رفعها حتیٰ یسلم من صلوته**...... (مسند امام اعظم ص ۱۵۶ از محدث نعیم)

۲۹۔ حضرت عمرو بن مرہؓ نے مسجد کوفہ میں حضرت وائلؓ بن حجر کی رفع یدین والی روایت بیان کی تو حضرت امام ابرہیم نخعیؒ نے فرمایا۔

مَا اَدْرِیْ لَعَلَّهُ لَمْ یَرَ النَّبِی ﷺ اِلا ذٰلِکَ الْیَوْمَ فَحَفِظَ هٰذَا مِنْهُ وَلَمْ یَحْفظ ابن مسعودٍ وَاَصْحَابُه' مَا سَمِعْتُه' مِنْ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اِنَّمَا کَانُوْا یَرْفَعُوْنَ اَیْدِیَهُمْ فِیْ بَدْءِ الصَّلٰوةِ حِیْنَ یُکَبِّرُوْنَ...... (موطا امام محمد ص ۵۴)

میں نہیں جانتا کہ شاید حضرت وائل بن حجرؓ نے صرف ایک اسی دن حضور ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور اسی رفع یدین کو یاد رکھا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دوسرے صحابہ (جو ہمیشہ نبی پاک ﷺ کے ساتھ رہنے والے تھے) ان میں سے کسی ایک نے بھی رفع یدین کا مسئلہ یاد نہ رکھا۔ میں نے ان میں سے کسی ایک شخص سے بھی رفع یدین کا مسئلہ سنا تک نہیں وہ تو صرف پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خیر القرون میں نہ کوئی رفع یدین کرتا تھا۔ بلکہ عمل کرنا تو کجا، صحابہ وتابعین نے کبھی یہ مسئلہ سنا تک نہیں تھا۔

دوسری روایت میں ہے......

۳۰۔ **فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لاِبْرَاهِیْمَ فَغَضِبَ قَالَ رَاٰهُ هُوَ وَلَمْ یَرَه' اِبْنُ مَسْعُوْدٍ وَلَا اَصْحَابُه'**...... (طحاوی ج ۱ ص ۳۱۲)

یعنی جب میں نے رفع یدین کی روایت بیان کی تو علامہ ابرہیم نخعی سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ (عجیب بات ہے کہ حضرت وائلؓ بن حجر جو صرف ایک آدھ دن کے لئے حضور ﷺ کے پاس آئے) انہوں نے تو رفع یدین دیکھی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ (جو ساری عمر حضور ﷺ کے ساتھ رہے) انہوں نے آپ کو رفع یدین کرتے نہ دیکھا۔

۳۱۔ حضرت مغیرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب حضرت وائل بن حجرؓ کی رفع یدین والی روایت حضرت امام ابراہیم نخعیؒ کے سامنے بیان فرمائی تو آپ نے فرمایا......

فان وَائِلَ رَآهُ مَرَّةً یفْعَلُ ذٰلِکَ فَقَدْ رَاٰهُ عَبْدُاللّٰهِ خَمْسِیْنَ مَرَّةً لا یَفْعَلُ ذٰلِکَ...... (طحاوی ج ۱ ص ۳۱۶)

حضرت وائلؓ نے ایک دفعہ یہ کرتے دیکھا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے پچاسوں مرتبہ دیکھا کہ حضور ﷺ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

۳۲۔ **حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ اَنَّه' قَالَ فِیْ وَائِلِ بِن حُجْرٍ اَعْرَابِیٌّ لَمْ یُصَلِّ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ صَلٰوةً قَبْلَهَا قَطُّ اَهُوَ اَعْلَمُ**

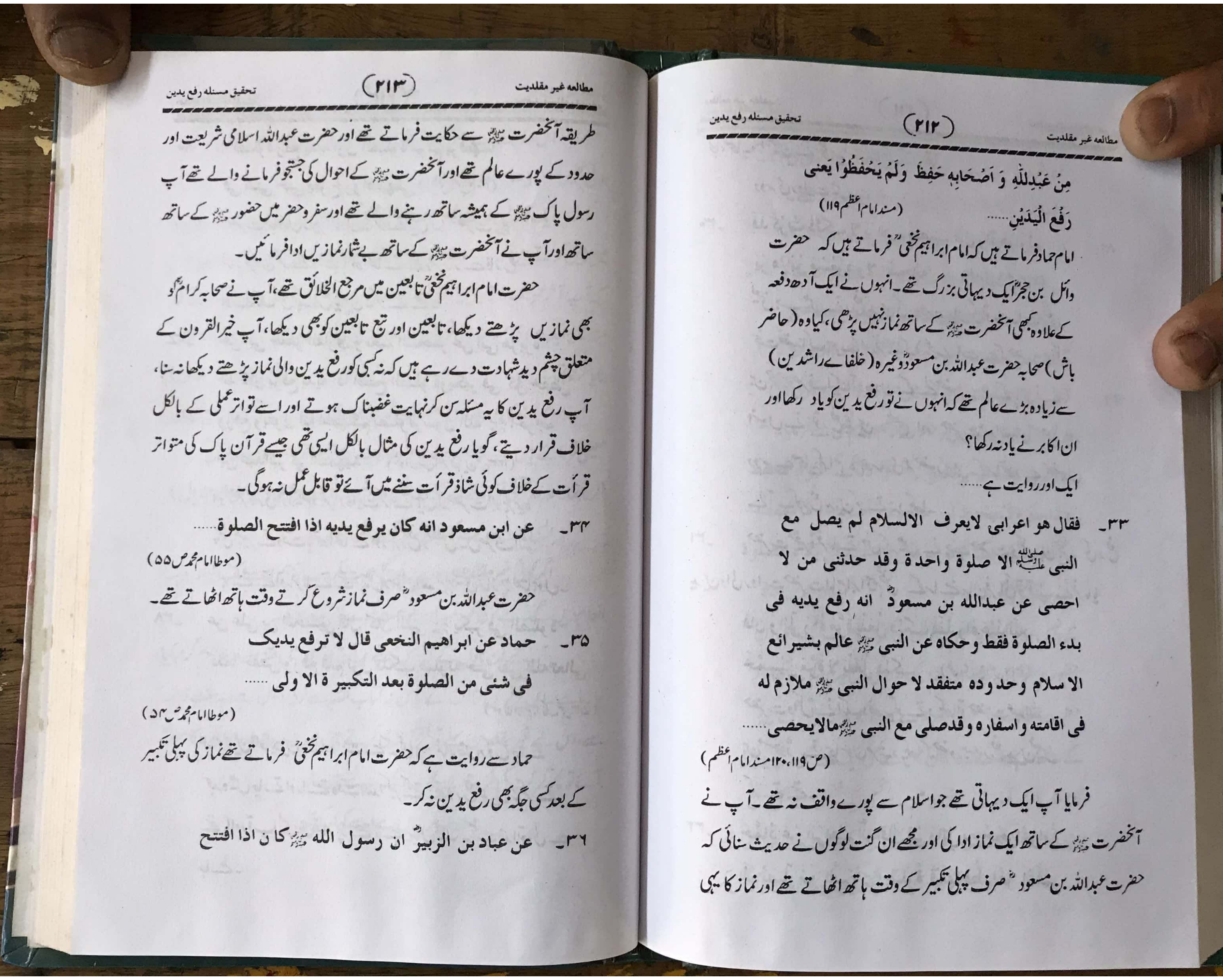

مِنْ عَبْدِاللّٰہِ وَ اَصْحَابِہٖ حِفْظَ وَلَمْ یَحْفَظُوْا یعنی رَفْعَ الْیَدَیْنِ...... (مسند امام اعظم ۱۱۹)

امام حماد فرماتے ہیں کہ امام ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت وائل بن حجرؓ ایک دیہاتی بزرگ تھے۔ انہوں نے ایک آدھ دفعہ کے علاوہ کبھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی، کیا وہ (حاضر باش) صحابہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ (خلفاے راشدین) سے زیادہ بڑے عالم تھے کہ انہوں نے تو رفع یدین کو یاد رکھا اور ان اکابر نے یاد نہ رکھا؟

ایک اور روایت ہے......

۳۳۔ فقال هو اعرابی لایعرف الالسلام لم یصل مع النبی ﷺ الا صلوة واحدة وقد حدثنی من لا احصی عن عبدالله بن مسعودؓ انه رفع یدیه فی بدء الصلوة فقط وحکاه عن النبی ﷺ عالم بشیرائع الا سلام وحدوده متفقد لا حوال النبی ﷺ ملازم له فی اقامته واسفاره وقدصلی مع النبی ﷺ مالایحصی......

(ص ۱۱۹، ۱۲۰ مسند امام اعظم)

فرمایا آپ ایک دیہاتی تھے جو اسلام سے پورے واقف نہ تھے۔ آپ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک نماز ادا کی اور مجھے ان گنت لوگوں نے حدیث سنائی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صرف پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے اور نماز کا یہی

طریقہ آنحضرت ﷺ سے حکایت فرماتے تھے اور حضرت عبداللہ اسلامی شریعت اور حدود کے پورے عالم تھے اور آنحضرت ﷺ کے احوال کی جستجو فرمانے والے تھے آپ رسول پاک ﷺ کے ہمیشہ ساتھ رہنے والے تھے اور سفر و حضر میں حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ اور آپ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ بے شمار نمازیں ادا فرمائیں۔

حضرت امام ابراہیم نخعیؒ تابعین میں مرجع الخلائق تھے، آپ نے صحابہ کرامؓ کو بھی نمازیں پڑھتے دیکھا، تابعین اور تبع تابعین کو بھی دیکھا، آپ خیر القرون کے متعلق چشم دید شہادت دے رہے ہیں کہ نہ کبھی کو رفع یدین والی نماز پڑھتے دیکھا نہ سنا، آپ رفع یدین کا یہ مسئلہ سن کر نہایت غضبناک ہوتے اور اسے تواتر عملی کے بالکل خلاف قرار دیتے، گویا رفع یدین کی مثال بالکل ایسی تھی جیسے قرآن پاک کی متواتر قرأت کے خلاف کوئی شاذ قرأت سننے میں آئے تو قابل عمل نہ ہوگی۔

۳۴۔ عن ابن مسعود انه کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوة......

(موطا امام محمد ص ۵۵)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صرف نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔

۳۵۔ حماد عن ابراهیم النخعی قال لا ترفع یدیک فی شئی من الصلوة بعد التکبیرة الا ولی ......

(موطا امام محمد ص ۵۴)

حماد سے روایت ہے کہ حضرت امام ابراہیم نخعیؒ فرماتے تھے نماز کی پہلی تکبیر کے بعد کسی جگہ بھی رفع یدین نہ کر۔

۳۶۔ عن عباد بن الزبیرؓ ان رسول الله ﷺ کا ن اذا افتتح

الصلوۃ رفع یدیہ اول الصلوۃ ثم لم یرفعھما فی شئی حتی یفرغ رواہ بیہقی (زیلعی ا ص۴۰۴)

حضرت عباد بن زبیرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی جگہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۳۷۔ **عن ابی جعفر القاری و نعیم المجمر عن ابی ھریرۃؓ انہ کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰۃ ویکبر فی کل خفض ورفع ویقول انہ اشبھکم بصلوۃ رسول اللہ ﷺ اخرجہ ابن عبدالبر فی التمھید**..... (بحوالہ نیل الفرقدین ص۱۲۳)

ابوجعفر قاری اور نعیم المجمر روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے اور ہر رفع وخفض میں صرف اللہ اکبر کہتے تھے اور فرماتے تھے میں رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھتا ہوں۔

۳۸۔ **عن علی بن الحسین قال کان النبی ﷺ یکبر فی الصلوۃ کلما خفض ورفع فلم تزل تلک صلوتہ حتی لقی اللہ تعالیٰ**

(موطا امام مالک ص۷۳)

امام زین العابدین سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز میں رکوع جاتے سجدہ میں جاتے اور اٹھتے وقت اللہ اکبر کہتے تھے (رفع یدین نہ کرتے تھے) اور آپ ایسی ہی نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ خدا تعالیٰ سے جا ملے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کی آخری عمر کی نمازیں بغیر رفع یدین کے ہوتی تھیں...... **وھو المطلوب**

ایک جھوٹی حدیث غیر مقلدین بھی بیہقی کے حوالہ سے رفع یدین کے بارے میں پیش کرتے ہیں کہ...... **فما زالت تلک صلوتہ حتی لقی اللہ تعالیٰ**...... کہ آپ آخر عمر تک رفع یدین والی نماز پڑھتے رہے۔ لیکن یہ جھوٹی روایت ہے اس کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن قریش ہے علامہ سلیمانی فرماتے ہیں کہ وہ جھوٹی حدیثیں بنایا کرتا تھا۔ (میزان الاعتدال)

اس سند کا دوسرا راوی عصمہ بن محمد الانصاری ہے، اس کے متعلق امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں...... **کذب یضع الحدیث** بڑا جھوٹا تھا اور جھوٹی حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ علامہ عقیلی فرماتے ہیں کہ وہ باطل حدیثیں روایت کرتا تھا (میزان الاعتدال)

ایسی جھوٹی حدیث کو بیان کرنا بھی بالکل حرام ہے۔

اگر کوئی غیر مقلد اس حدیث کو صحیح ثابت کردے تو ہم اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ ہے کوئی مرد میدان جو ہمت کرے؟ دیدہ باید۔

آپ حیران ہوں گے کہ جس مسئلے پر آج ہر مسجد میں فتنہ وفساد کا جہنم گرم کیا جارہا ہے۔ اس پر فریق مخالف کے پاس نہ کتاب اللہ سے کوئی دلیل ہے، نہ سنت قائمہ سے، اس لیے غیر مقلدین پہلے تو چیلنج بازی کرتے ہیں اور جب بحث ومناظرہ کا موقع آئے تو پھر گرگٹ کی طرح ایسے عجیب رنگ بدلتے ہیں......

؎ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کہا کہیے

کتمان حق:

سب سے پہلے تو یہ یاد رکھیں کہ غیر مقلدین کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ وہ دلائل تو کیا اپنا اصل مسلک بھی لوگوں کے سامنے صحیح بیان نہیں کرتے ۔ ان کا اصل مسلک جس پر وہ آج کل عمل پیرا ہیں یہ ہے۔

(الف) پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے سنت موکدہ ہیں، حضور ﷺ ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے، اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین خلاف سنت ہے۔ حضور ﷺ نے کبھی یہاں رفع یدین نہیں کیا۔

(ب) رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ حضور ﷺ ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے، اور سجدوں میں جاتے اور سجدوں سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرنا خلاف سنت ہے۔ حضور ﷺ نے یہاں کبھی رفع یدین نہیں کیا۔

یہ ہے غیر مقلدین کا اصل دعویٰ! لیکن غیر مقلد مناظروں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ موت کو تو قبول کرتے ہیں مگر یہ دعویٰ کبھی لکھ کر نہیں دیتے۔

سنت سے بغاوت:

شریعت اور قانون عدالت کا یہی اصول ہے کہ گواہ اور دلیل مدعی سے طلب کی جاتی ہے نہ کہ منکر سے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے...... **البینة علی المدعی** ...... کہ دلیل مدعی کے ذمہ ہے۔ مگر غیر مقلد اس کے برخلاف رفع یدین کے انکار کرنے والوں سے دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں، ہمارا چیلنج ہے کہ غیر مقلدین ایک حدیث ایسی پیش کریں جس میں حضور ﷺ نے فرمایا ہو کہ انکار کرنے والے سے دلیل کا مطالبہ کرو تو ہم غیر مقلدین کو ایک ہزار روپیہ نقد انعام دیں گے ورنہ وہ اس خلاف سنت طریق بحث سے توبہ کریں۔

عقل و نقل سے انحراف:

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ پہلے تو یہی غلط تھا کہ انکار کرنے والے سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے، لیکن غیر مقلدین نے خلاف اصول دلیل خاص کا مطالبہ شروع کر دیا۔

شریعت و عدالت کے موافق مدعی سے صرف دلیل و گواہ کا مطالبہ ہوتا ہے اور مدعی علیہ کو اس گواہ دلیل پر جرح کا حق ہوتا ہے۔ اگر جرح نہ ہو سکے تو دعویٰ کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

لیکن گواہ خاص کا مطالبہ نہیں ہوتا کہ خاص صدر یا وزیر اعظم یا کمشنر یا ڈی سی صاحب اگر گواہی دیں تو ہم مانیں گے ورنہ نہیں مانیں گے، اگر یہ انداز اختیار کیا جائے تو کوئی عدالت اپنا کام نہیں کر سکتی، نہ ہی دنیا میں کوئی مقدمہ کامیاب ہو سکتا ہے۔

اسی طرح مدعی کے ذمہ دلیل شرعی ہے، خواہ وہ آیت محکمہ پیش کرے یا سنت قائمہ یا فریضہ عادلہ یعنی اجماع و قیاس۔

مدعی سے خاص دلیل کا مطالبہ کرنا کہ یہ خاص قرآن سے دکھاؤ یا خاص ابوبکرؓ عمر فاروقؓ کی حدیث سے دکھاؤ یا خاص فلاں فلاں کتاب سے دکھاؤ، یہ محض دھوکا اور فریب ہے، کتاب و سنت نے دلیل خاص کی ہرگز پابندی عائد نہیں کی۔ ان پڑھ لوگوں سے اس قسم کی شرائط پر دستخط لیے جاتے ہیں جو شرعاً باطل ہے، بلکہ خالص مرزا قادیانی کی سنت ہے، افسوس کہ غیر مقلدین نے بھی مرزا کی سنت پر دھونی رمالی ہے۔

انعامی چیلنج:

مرزا قادیانی اس پرفریب طریق کا بانی ہے کہ کچھ خود ساختہ شرطیں لگا کر سوال بنایا، اور موافق شرائط جواب دینے پر انعام کا وعدہ کر لیا۔ غیر مقلدین نے بھی مرزا جی کی

تقلید شخصی میں اس انداز کو اپنایا اور ان پڑھ لوگوں پر رعب جمانے کے لیے یہ فریب کاری کرتے ہیں۔

چونکہ غیر مقلد اس اصول پر بہت نازاں ہیں اس لیے ان کے غرور کو خاک میں ملانے کے لیے ہم بھی الزاماً یہی انداز اختیار کریں گے۔

ترتیب دلائل:

حدیث معاذؓ میں مجتہد کے لیے دلائل کی ترتیب یہ آئی ہے……

(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ (۳) اجتہاد مجتہد۔

آپ یقین جانیں کہ غیر مقلدین کتاب اللہ سے ایک بھی آیت محکمہ پیش نہیں کر سکتے جو ان کے دعویٰ کے مطابق ہو۔

رفع یدین کے مسئلہ میں غیر مقلدین نے ترقی کر کے اس کے واجب ہونے کا دعویٰ کیا جیسا کہ ''مسئلہ رفع یدین'' (جو پروفیسر عبداللہ نے لکھ کر علامہ قادر بخش کے نام سے شائع کیا ہے) کے ص ۱۰۵ پر تحریر ہے کہ ''یعنی رفع یدین واجب ہے''

پس حدیث معاذؓ کے موافق پہلے قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی پیش کریں جس سے رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کا وجوب ثابت ہو اور سجدوں میں جاتے اٹھتے وقت اسی طرح دوسرے انتقالات میں رفع یدین جائز ہو۔

سنت قائمہ :

آپ حیران ہوں گے یہ مسئلہ آنحضرت ﷺ کے پورے تیئس ۲۳ سالہ دور نبوت میں ایک منٹ کے لیے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر نہیں آیا۔ آپ نے

مبارک زبان سے جب بھی ارشاد فرمایا تو یہی فرمایا کہ نماز کی پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرو اور نماز کے اندر کسی جگہ بھی رفع یدین نہ کرو۔ لیکن آپ نے ایک دفعہ یہ نہیں فرمایا کہ پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرو اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین نہ کرو، رکوع کے شروع و آخر میں **رفع یدین** کرو اور سجدہ کے شروع اور آخر میں رفع یدین نہ کرو۔

اگر کوئی غیر مقلد ہمت اور جرات کر کے صرف **ایک صرف ایک** اور صرف ایک ہی قولی حدیث پیش کر دے جس میں ان کا مدعی بطور نص موجود ہو یعنی پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کا حکم ہو اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین سے منع کیا ہو، تو ہم مبلغ دس ہزار روپیہ انعام دیں گے اور رفع یدین کرنا شروع کر دیں گے، ہے کوئی مرد میدان جو صرف ایک ہی حدیث قولی صحیح صریح سند سے پیش کر کے انعام حاصل کرے؟ دیدہ باید……

؎ نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

کیا رفع یدین مستحب ہے؟

اگر کوئی غیر مقلد رفع یدین مذکورہ مقامات کی قولی حدیث سے سنت ثابت نہ کر سکے اور قیامت تک نہ کر سکے گا تو کم از کم آنحضرت ﷺ کے ارشادات عالیہ سے زیر بحث رفع یدین کا اتنا ہی ثواب ثابت کر دے جتنا اشراق کی نماز، تحیۃ الوضو اور مسواک کا ثواب ہے، آپ یقین کریں کہ دنیا کا کوئی غیر مقلد آنحضرت ﷺ کے ارشاد عالی سے رفع یدین کی اتنی ترغیب بھی نہیں دکھا سکتا۔ اگر کسی میں ہمت ہے تو میدان

میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے رفع یدین کا مسواک جتنا ثواب ثابت کر دے۔

کفن باندھے ہوئے سر سے
میں صدقے دست قاتل کے میرے قاتل نکل گھر سے

قولی و فعلی سنت میں فرق:

عقود دو قسم کے ہوتے ہیں، قولی اور فعلی، قولی میں دوام ہوتا ہے، جیسے اسلام اور نکاح کہ انسان زبان سے اسلام قبول کرتا ہے، اس کا اسلام دائمی ہوتا ہے جب تک کلمہ کفر نہ کہے اسی طرح نکاح زبانی وعدہ ہے وہ نکاح دائمی ہوتا ہے جب تک طلاق نہ ہو، اس طرح اگر رفع یدین قول رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوتی تو دوام ثابت ہو جاتا۔ چونکہ ان کے پاس قولی حدیث نہیں اس لیے دوام ثابت نہیں کر سکتے۔

صرف فعل سے دوام اور سنت ثابت نہیں ہوتی:

قول کے مقابلہ میں فعل ذاتی طور پر دوام پر دلالت نہیں کرتا، مثلاً ......

(۱) حدیث میں ہے کان یطوف علی نساء بغسل واحد کہ آنحضرت ﷺ اپنی سب بیویوں کے پاس جاتے اور آخر میں صرف ایک دفعہ غسل فرماتے لیکن حسب تحقیق محدثین یہ واقعہ صرف ایک مرتبہ ہوا اس لیے نہ سنت ہے نہ مستحب۔

(۲) آنحضرت ﷺ کا کھڑے ہوکر پیشاپ کرنا۔ حالت جنابت میں سونا، روزے کی حالت میں ازواج سے بوس و کنار کرنا، قبلہ کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت فرمانا، نماز میں کن اکھیوں سے ادھر ادھر دیکھنا، وضو کے بعد بیویوں کا بوسہ لینا، نماز پڑھتے ہوئے دروازہ کھول دینا، بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنا وغیرہ بہت سے افعال آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں مگر نہ ان کو کوئی سنت سمجھتا ہے نہ مستحب نہ ہی کوئی ان کے

دوام کا قائل ہے، ساری عمر میں ایک دفعہ بھی اگر کوئی شخص یہ کام نہ کرے تو کوئی اس کو خلاف سنت کا طعنہ نہ دے گا، نہ اس کو کوئی مناظرے کا چیلنج دے گا۔

ان افعال کا ایک آدھ دفعہ کرنا تو آنحضرت ﷺ سے یقیناً ثابت ہے لیکن ان کا سنت یا مستحب ہونا بھی یقیناً غلط ہے۔

بالکل یہی حال رفع یدین کا ہے، یعنی فعلی روایات سے اسکا ایک آدھ مرتبہ کرنا ثابت تو ہے لیکن نہ اس کا سنت ہونا ثابت ہے اور نہ مستحب ہونا۔ یہی بات حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمائی ہے کہ حضرت وائلؓ نے صرف ایک دفعہ حضور ﷺ کو رفع یدین کرتے دیکھا جس سے سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ سنت وہی ہے جو باقی حاضر باش صحابہ نے روایت کی اور اس پر وعمل فرمایا یعنی رفع یدین نہ کرنا۔

غیر مقلد جو فعلی احادیث پیش کرتے ہیں ان میں بھی کسی ایک حدیث میں بھی ان کا مکمل دعویٰ موجود نہیں ہے، ہم نے بار ہا مناظرہ میں ان کو پر زور چیلنج دیا کہ ایک ہی صحیح صریح فعلی حدیث ایسی دکھا دیں جس میں یہ پوری تفصیل ہو، آنحضرت ﷺ ہمیشہ ایک نماز میں پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں کبھی ایک دفعہ بھی رفع یدین نہیں کی اور رکوع سے پہلے اور رکوع سے اٹھ کر ہمیشہ ساری عمر رفع یدین کرتے تھے اور سجدہ میں جاتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت ساری عمر میں ایک دفعہ بھی رفع یدین نہیں کیا لیکن آج تک غیر مقلد منہ چھپاتے پھر رہے ہیں۔ اس لیے غیر مقلدوں کا حال یہی ہے......کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا ......

اب ہم غیر مقلدوں کے مسلک اور عمل کا نمبروار جائزہ لیں گے۔

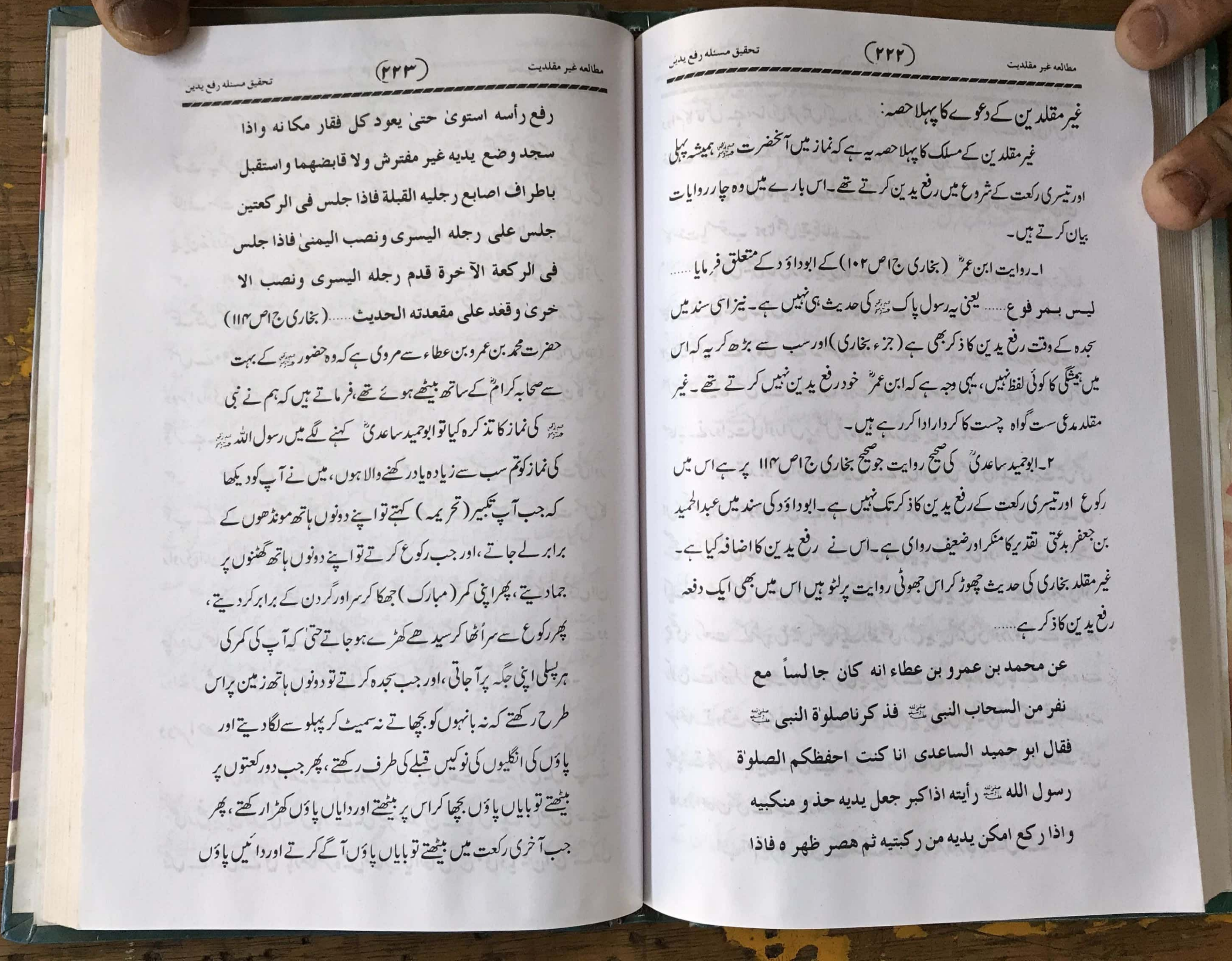

غیر مقلدین کے دعوے کا پہلا حصہ:

غیر مقلدین کے مسلک کا پہلا حصہ یہ ہے کہ نماز میں آنحضرت ﷺ ہمیشہ پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے۔ اس بارے میں وہ چار روایات بیان کرتے ہیں۔

ا۔ روایت ابن عمرؓ (بخاری ج ا ص ۱۰۲) کے ابوداؤد کے متعلق فرمایا...... لیس بمر فوع...... یعنی یہ رسول پاک ﷺ کی حدیث ہی نہیں ہے۔ نیز اسی سند میں سجدہ کے وقت رفع یدین کا ذکر بھی ہے (جزء بخاری) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں ہمیشگی کا کوئی لفظ نہیں، یہی وجہ ہے کہ ابن عمرؓ خود رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ غیر مقلد مدعی سست گواہ چست کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

۲۔ ابوحمید ساعدیؓ کی صحیح روایت جو صحیح بخاری ج ا ص ۱۱۴ پر ہے اس میں رکوع اور تیسری رکعت کے رفع یدین کا ذکر تک نہیں ہے۔ ابوداؤد کی سند میں عبدالحمید بن جعفر بدعتی تقدیر کا منکر اور ضعیف روای ہے۔ اس نے رفع یدین کا اضافہ کیا ہے۔ غیر مقلد بخاری کی حدیث چھوڑ کر اس جھوٹی روایت پر لٹو ہیں اس میں بھی ایک دفعہ رفع یدین کا ذکر ہے......

عن محمد بن عمرو بن عطاء انه كان جا لساً مع نفر من السحاب النبى ﷺ فذ كرنا صلوٰة النبى ﷺ فقال ابو حميد الساعدى انا كنت احفظكم الصلوٰة رسول الله ﷺ رأيته اذا كبر جعل يديه حذ و منكبيه واذا ركع امكن يديه من ركبتيه ثم هصر ظهر ہ فاذا

رفع رأسه استوىٰ حتىٰ يعود كل فقار مكا نه واذا سجد وضع يديه غير مفترش ولا قابضهما واستقبل باطراف اصابع رجليه القبلة فاذا جلس فى الركعتين جلس على رجله اليسرى ونصب اليمنىٰ فاذا جلس فى الركعة الآ خرة قدم رجله اليسرى ونصب الا خرىٰ وقعد على مقعدته الحديث......(بخاری ج ا ص ۱۱۴)

حضرت محمد بن عمرو بن عطاء سے مروی ہے کہ وہ حضور ﷺ کے بہت سے صحابہ کرامؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی ﷺ کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابوحمید ساعدیؓ کہنے لگے میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو تم سب سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوں، میں نے آپ کو دیکھا کہ جب آپ تکبیر (تحریمہ) کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں کے برابر لے جاتے، اور جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر جما دیتے، پھر اپنی کمر (مبارک) جھکا کر سر اور گردن کے برابر کر دیتے، پھر رکوع سے سر اُٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جاتے حتیٰ کہ آپ کی کمر کی ہر پسلی اپنی جگہ پر آ جاتی، اور جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھ زمین پر اس طرح رکھتے کہ نہ بانہوں کو بچھاتے نہ سمیٹ کر پہلو سے لگا دیتے اور پاؤں کی انگلیوں کی نوکیں قبلے کی طرف رکھتے، پھر جب دو رکعتوں پر بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے، پھر جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں آگے کرتے اور دائیں پاؤں

کو کھڑا کر کے سرین۔ کے بل بیٹھتے۔

نوٹ: یہ طریقہ نماز غیر مقلدوں کے سامنے بیان کریں تو فوراً کہیں گے کہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔ لیکن صحابہ کرامؓ سے کسی نے یہ نہ فرمایا کہ اس میں رکوع میں رفع یدین مذکور نہیں، جو سنت ہے، اور قاعدہ ہے **السکوت فی معرض البیان بیان**

۳۔ ابو ہریرہؓ ان کی صحیح حدیث بخاری ص۱۱۰ پر ہے جس میں رفع یدین کا ذکر تک نہیں لیکن ابو داؤد کی سند میں رفع یدین کا ذکر ہے۔ لیکن راوی ابن جریج ہے جس نے ۹۰ عورتوں سے متعہ کیا۔ (میزان الاعتدال ج۱ ص۱۵۱)

دوسرا راوی یحییٰ بن ایوب ہے جو ضعیف ہے، نیز اس میں سجدہ کی رفع یدین کا بھی ذکر ہے۔

۴۔ حضرت علی: ان کی صحیح روایت میں رفع یدین کا ذکر نہیں ہے خود حضرت علیؓ اور آپ کے ہزاروں ساتھی رفع یدین نہ کرتے تھے، البتہ ایک ضعیف روایت جس کا راوی ابن ابی الزناد ہے اس میں رفع یدین کا ذکر ہے۔

ان چاروں ضعیف روایتوں میں بھی ہمیشہ رفع یدین کرنے کا ذکر نہیں ان چاروں صحابہ میں سے ایک صحابی بھی ہمیشہ رفع یدین نہیں کرتا تھا۔ ان میں سے دو روایتوں میں سجدہ کی رفع یدین کا بھی ذکر ہے جس پر غیر مقلدین عمل نہیں کرتے۔

دوسرا حصہ:

دعویٰ کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں آپ نے کبھی رفع یدین نہیں کی۔ اس بارے میں غیر مقلدین کے پاس ایک بھی صریح حدیث نہیں ہے، میں نے کئی بار مناظرہ میں مطالبہ کیا انعامی چیلنج بھی دیا لیکن آج تک کوئی

مائی کا لعل غیر مقلد ایسی صریح حدیث پیش نہیں کر سکا۔

فائدہ: حضرت عبید اللہ بن عمیرؓ (ابن ماجہ ص۶۲) عبد اللہ بن عباسؓ (ابن ماجہ ۶۲) عبد اللہ عمرؓ (فتح الباری ج۲ ص۱۵۲) حضرت ابو ہریرہؓ (تخلیص الحبیر) عبد اللہ بن زبیرؓ (ابو داؤد ج۱ ص۷۵) حضرت جابرؓ (مجمع الزوائد ج۱ ص۱۸۲) ان چھ روایات کی سندوں کا حال بھی رکوع والی روایات جیسا ہی ہے۔

ان چھ احادیث میں ہر تکبیر کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے اور ماضی استمراری بھی ہے، ان روایات سے صاف معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کبھار دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کیا۔ لیکن غیر مقلدین ان احادیث پر عمل نہیں کرتے، آخر وجہ فرق بتائیں؟ ماضی استمراری بھی ہے، متاخر اسلام صحابی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت بھی ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ روایات متروک العمل ہیں، نہ ان کے راویوں نے ان پر عمل کیا نہ خلفائے راشدین نے نہ خیر القرون میں ان پر عمل ہوا۔ البتہ غیر مقلدین کے اصول پر ان چھ احادیث سے دوسری اور چوتھی رکعت کے ابتدا میں رفع یدین سنت ثابت ہوتی ہے۔ اور ایک بھی حدیث سے صراحتاً ان دو جگہوں میں نہی یا نفی ثابت نہیں، غیر مقلد ان احادیث کے منکر اور اس سنت کے تارک ہوئے، جواب سوچ کر دیں محض عورتوں کی طرح طعنے بازی نہ ہو۔

دعویٰ کا تیسرا حصہ:

دعویٰ کا تیسرا حصہ یہ ہے کہ رکوع جاتے اور سر اٹھاتے وقت حضور ﷺ ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے اور سجدوں کے وقت کبھی رفع یدین نہ کیا۔ اس حصہ کے لیے غیر

مقلد مالک بن الحویرث، وائل بن حجر کی روایت پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دونوں صحابہ آخری عمر میں اسلام لائے انہوں نے حضور ﷺ کو رفع یدین کرتے دیکھا اس سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ آخری عمر تک رفع یدین کرتے رہے، مگر اس بارے میں وہ کئی باتیں چھپاتے ہیں۔

۱۔ مالک بن الحویرث کی حدیث کی ایک سند میں ابو قلابہ ہے جو ناصبی مذہب کا تھا اور اس کا شاگرد خالد ہے جس کا حافظہ صحیح نہ رہا تھا۔ دوسری سند میں نصر بن عاصم ہے جو خارجی مذہب کا تھا، نیز نسائی نے اس سے سجدہ کی رفع یدین بھی روایت کی ہے تو اب غیر مقلد کا آدھی حدیث کا ماننا اور آدھی کو چھوڑنا ...... اَفَتُؤمِنُونَ بِبَعْضِ الْکِتَابِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ...... کا مصداق ہے۔

۲۔ وائل بن حجرؓ کی روایت بھی دو طریق سے ہے ایک طریق میں سجدہ کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے۔ (ابوداؤد ج۱ ص ۷۳) جس کو غیر مقلد چھپاتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے۔ اس طرح آدھی حدیث کو مانا آدھی سے روگردانی کی۔

دوسرے طریق میں خود حضرت وائلؓ نے وضاحت فرمادی کہ جب دوسری دفعہ حضور ﷺ کی خدمت میں آیا تو حضور ﷺ اور صحابہ پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے بعد کی کسی رفع یدین کا ذکر نہیں فرمایا (ابوداؤد ج ۱ ص ۷۳) اور کسی ایک صحابی کو بھی مستثنیٰ نہ فرمایا، گویا تمام صحابہ آخری عہد نبوی میں رفع یدین کے تارک تھے لیکن غیر مقلد عوام کے سامنے یہ بات بالکل بیان نہیں کرتے۔

فائدہ: عبید بن عمیرؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، مالک بن الحویرثؓ، وائل بن حجرؓ، انس بن مالک یہ آٹھ صحابہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ

سجدے کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ اور صرف ایک روایت میں ہے کہ نہیں کرتے تھے یہ روایت ابن عمرؓ کی ہے اور بوجہ تعارض ساقط ہے۔

باقی صحابہ کی روایات پر غیر مقلد عمل نہیں کرتے یہاں ماضی استمراری بھی ہے اور حضرت وائل اور مالک بن الحوایرثؓ جیسے متاخر الاسلام راوی بھی ہیں پھر نامعلوم کیا وجہ ہے کہ غیر مقلد رکوع وسجود کی روایات میں کیوں فرق کرتے ہیں؟ خلاصہ یہ کہ چھ احادیث سے ہر تکبیر کے وقت رکوع یدین کرنے کا ذکر ماضی استمراری کے صیغہ سے ثابت ہے گویا چار رکعتوں میں ۲۳ بار مگر غیر مقلد ان احادیث پر عمل نہیں کرتے۔

ایک صحابی ابن عمرؓ سے سجدہ کی رفع یدین متعارض آئی ہے، ایک روایت میں ہے کرو اور ایک روایت میں ہے نہ کرو۔ اس لیے وہ ساقط الاعتبار ہوگئی۔

باقی سات صحابہ سے سجدہ کی رفع یدین آئی ہے ماضی استمراری بھی ہے۔ اور وائلؓ، مالک بن الحویرثؓ، ابو ہریرہؓ جیسے متاخر الاسلام صحابہ سے مروی بھی گویا چار رکعات میں ۲۸ مرتبہ رفع یدین سنت ہے مگر غیر مقلدین ان روایات پر بھی عمل نہیں کرتے۔

غیر مقلدین سے ایک سوال:

بعض غیر مقلدین سجدہ کی رفع یدین کو سنت کہتے ہیں۔ جیسا کہ ابوحفص عثمانی وغیرہ اور عام غیر مقلدین اس کے سنت ہونے کے منکر ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ سنت کا منکر بھی لعنتی ہوتا ہے اور غیر سنت کو سنت کہنے والا بھی لعنتی ہوتا ہے۔ اس لیے بتایا جائے دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق کتاب وسنت کے مخالف ہے؟

وجوہ ترجیح:

(۱) مذہب احناف سے واقفیت رکھنے والے اشخاص اس سے بخوبی واقف ہیں

کہ مسلک احناف کا یہ اصول ہے کہ جب روایات کسی مسئلہ میں مختلف ہوں تو احناف کثر اللـه سوادهم ان روایات کو لیا کرتے ہیں یعنی معمول بہا اقرار دیتے ہیں جو قرآن کریم کے ساتھ مطابقت رکھیں۔

مسئلہ رفع یدین میں بھی وہ روایات جو ترک رفع یدین کو بیان کرتی ہیں، وہ قرآن کریم کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں آتا ہے قو مو لله قانتين......

(۲) رفع یدین کی بعض قسمیں وہ ہیں جو بالا تفاق متروک ہیں جیسے دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کرنا، یہ اس بات پر قرینہ ہے کہ اس میں نسخ واقع ہو چکا ہے لہذا متفق علیہ کو لینا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے۔

(۳) نماز میں حرکات سے سکون کی طرف انتقال واقع ہوتا رہا ہے جیسا کہ ابتداء اسلام میں نماز میں چلنا پھرنا، بات چیت کرنا، سلام کا جواب دینا جائز تھا، جب اس بارہ میں روایتوں میں تعارض ہوا تو احناف نے ان روایات کو لیا جو سکون پر دلالت کرتی ہیں

(۴) جب قولی اور فعلی روایات میں تعارض ہو جائے تو قولی روایات کو ترجیح دی جاتی ہے، احناف کی روایات قولی ہیں اور غیر مقلدین کی فعلی ہیں۔ لہذا احناف کی تائید کرنے والی روایات راجح قرار پائیں گی۔

(۵) فعلی روایات متعارض ہیں اور قولی رایات تعارض سے خالی ہیں۔ لہذا فعلی روایات کی حجت تعارض کی وجہ سے باقی نہ رہے گی اور قولی روایات حجت رہیں گی۔

(۶) ترک رفع کی روایات کے راوی وہ صحابہ ہیں جو معمر اور فقیہ تھے اور پہلی صف میں کھڑے ہوا کرتے تھے۔ بخلاف رفع یدین کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہ وہ

بچے تھے۔ جو نو عمری کی وجہ سے غزوہ احد میں شرکت سے محروم رہے۔ سب سے پہلے جس جنگ میں یہ شریک ہوئے وہ غزوہ خندق ہے۔

(۷) تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مواضع میں رفع یدین کرنا تعارض روایات کی وجہ سے سنیت اور نسخ سنیت میں دائر ہے۔ اور جب کوئی چیز سنت اور بدعت میں دائر ہو یعنی اس کے سنت یا بدعت ہونے میں شبہ ہو تو اسکے بدعت ہونے کے پہلو کو راجح قرار دیا جاتا ہے۔ اس لیے ہمیشہ محرم کو مبیح پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ لہذا تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مقامات میں اس کے بدعت ہونے کے پہلو کو ترجیح دی جائے گی۔

(۸) ترک رفع یدین کے راوی زیادہ فقیہ ہیں، اس لیے ان کی روایات راجح ہیں

(۹) رفع یدین نہ کرنے کی روایات واحادیث پر خلفائے راشدین کا عمل ہے۔ اس لیے وہ راجح ہیں۔

(۱۰) رفع یدین نہ کرنے کی احادیث پر صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا متواتر عمل ہے۔ اس لیے وہی راجح ہیں۔

......تلک عشرة کاملة......

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ (القرآن)

مطالعہ غیر مقلدیت

موضوع

مُناظرہ کوہاٹ کی جھلکیاں

مکتبہ الحق
ماڈرن ڈیری جوگیشوری ممبئی ۱۰۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید:

آج سے چند سال قبل کوہاٹ میں ایک مناظرہ ہوا تھا۔ جس میں غیر مقلدین کی طرف سے یہ شور اور دعویٰ تھا کہ اہل سنت والجماعت حنفی جو نماز پڑھتے ہیں وہ قرآن وحدیث سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں۔ ہم صرف قرآن اور حدیث کو مانتے ہیں، جب کہ یہ لوگ امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ ہم بالترتیب چار دلائل شرعیہ کو تسلیم کرتے ہیں:

(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول ﷺ (۳) اجماع (۴) قیاس

مگر اولیت ہمارے ہاں بھی کتاب وسنت کو ہی حاصل ہے۔ جب مسئلہ کتاب وسنت سے صراحتاً مل جائے تو ہم کسی اور طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ اس لیے اگر آپ نماز کی مکمل ترتیب اور مسائل کی مکمل تفصیل ہمیں صرف قرآن وحدیث سے صراحتاً دکھا دیں گے تو ہم وہی نماز پڑھنا شروع کر دیں گے۔ اور اگر آپ مکمل نماز ثابت نہ کر سکے اور ہرگز نہ کر سکیں گے تو آپ دنیا میں بھی مجرم ہوں گے کہ قرآن، حدیث کا نام محض دعوے کے لئے لیتے ہو، نہ قرآن وحدیث سے تمہارا نام اہل حدیث ثابت ہوتا ہے۔

تمہاری نماز، اور تم آخرت میں بھی مجرم ہو گے، جب ہم استغاثہ کریں گے کہ اے اللہ ان لوگوں نے ہمیں قرآن وحدیث سے مکمل نماز نہیں دکھائی تھی۔ مناظرہ شروع ہو گیا تو اہل سنت والجماعت مناظر نے کہا کہ ہمارے نزدیک نماز کی حسب ذیل سات شرائط ہیں……

۱۔ بدن کا پاک ہونا۔
۲۔ کپڑوں کا پاک ہونا۔
۳۔ جگہ کا پاک ہونا۔
۴۔ ستر کا چھپانا۔
۵۔ وقت کا ہونا۔
۶۔ قبلہ کی طرف منہ ہونا۔
۷۔ نیت کرنا۔
(تعلیم الاسلام ص ۴۴)

جب کہ اہل حدیث کہلانے والے ان شرائط کو نہیں مانتے، چنانچہ نواب صدیق حسن تحریر فرماتے ہیں۔ گندگی سے آلودہ جسم سے نماز پڑھنا گناہ ہے۔ لیکن اس طرح پڑھی ہوئی نماز باطل نہیں (بدور الاہلہ ص ۳۸) اُن کے صاحبزادے میر نور الحسن صاحب فرماتے ہیں ’’جو شخص ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھے گا یا بالکل ننگا نماز پڑھے گا اس کی نماز صحیح ہے (عرف الجادی ص ۲۲) اور فرماتے ہیں اگر عصر کے وقت فٹ بال کھیلنا ہو تو عصر کی نماز وقت سے پہلے ہی ظہر کے ساتھ ادا کرلے (فتاویٰ ثنائیہ) تو آپ قرآن و حدیث سے ان شرائط کا غلط ہونا ثابت کردیں۔

اہل سنت والجماعت کا مطالبہ یہ تھا کہ آپ کسی آیت یا حدیث سے ان شرائط کا غلط ہونا ثابت کردیں۔ ہم ان شرائط کو غلط مان لیں گے ان سے توبہ کرلیں گے۔ لیکن چونکہ نماز پھر بھی فرض ہی رہے گی۔ اس لیے اس کی ادائیگی کے لیے نماز کی صحیح شرائط کا جاننا اور ان کے مطابق نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اس لیے آپ پھر ہمیں نماز کی شرائط اسی

عام فہم ترتیب سے قرآن پاک یا حدیث صحیح سے دکھا دیں تاکہ ہم ان کے مطابق نماز ادا کرلیا کریں۔ مگر غیر مقلد مناظر شیر سرحد ابو عمر عبد العزیز نورستانی پوری نماز تو کیا ثابت کرتا۔ نماز کی شرئط بھی دکھانے سے عاجز رہا۔ اور آج تک عاجز ہے اور رہے گا۔

مناظرہ کا اثر:

الحمدللہ اس مناظرہ کا اثر ملک گیر رہا۔ پورے ملک میں غیر مقلدین نے کان پکڑ پکڑ کر توبہ کی کہ آئندہ کبھی ہم اس بات پر مناظرہ نہیں کریں گے کہ اپنی مکمل نماز کی ترتیب و تفصیل قرآن وحدیث سے ثابت کریں۔ اس کے بعد لاہور، اوکاڑہ، گوجرانوالہ، وہاڑی، مظفر گڑھ، جہلم، گجرات وغیرہ مختلف شہروں میں اہل سنت و الجماعت نے ان سے مطالبہ کیا کہ آپ اپنی نماز مکمل ترتیب و تفصیل سے ثابت کردیں مگر……

ؔ زمین جنبد نہ جنبد نورستانی والا معاملہ

ان حضرات کو غلط بیانی کرتے وقت کبھی فکر آخرت کا خیال نہیں آتا۔ اگر یہ لوگ اس کے خلاف بات کریں کہ فلاں فلاں جگہ اہل سنت والجماعت کو شکست ہوئی تو ہم صرف ایک ہی مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک اور صرف ایک مناظرے کی کیسٹیں مہیا کی جائیں جس میں غیر مقلد مناظر نے اپنی نماز کی مکمل ترتیب اور تفصیل صرف قرآن و حدیث سے ثابت کردی ہو۔ تو ہم آپ کی فتح اور حقانیت کے قائل ہو جائیں گے، لیکن

ؔ نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

مناظرے سے فرار کا طریقہ:

جب شیر سرحد ابو عمر عبد العزیز نورستانی (سفید ڈھری پشاور) نماز کی شرائط بھی نہ بتا سکے تو اب مناظرہ کی بجائے ہنگامہ آرائی پر اتر آئے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قوت حاصل کرنے کے لیے شراب پینا جائز ہے۔

اہل سنت والجماعت کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ شراب بھی عربی لفظ ہے۔ ہر پینے والی چیز کو شراب یا مشروب کہتے ہیں۔ ہاں جس کو ہم اپنی زبان میں شراب کہتے ہیں اس کو عربی میں خمر کہتے ہیں۔ اگر نورستانی صاحب خمر کا لفظ دکھا دیں کہ امام صاحب نے فرمایا ہو کہ قوت حاصل کرنے کے لیے خمر کا پینا جائز ہے تو ہم شکست تسلیم کر لیں گے بلکہ لکھ دیں گے۔

ڈھٹائی کی حد:

نورستانی نے ترمذی شریف کے ساتھ لگی ہوئی تقریر ترمذی جو حضرت شیخ الہندؒ کی طرف منسوب ہے اور اس کے مرتب کرنے والے کا نام وہاں نہیں ہے میں سے ایک عبارت پڑھی کہ خمر کا لفظ مل گیا اور سب غیر مقلد مولویوں نے شور مچا دیا کہ ہم جیت گئے، مسلک اہل حدیث زندہ باد کے نعرے لگاتے رہے مگر حوالہ ہمیں نہیں دکھاتے تھے، جب نعرہ بازی سے تھک گئے تو ہم نے حوالہ دکھانے کا مطالبہ کیا تو وہاں خمر کی بجائے ''ماسوی الخمر'' کا لفظ تھا کہ امام صاحبؒ خمر کے علاوہ مشروبات پینے کی اجازت دیتے ہیں۔ خدا ضد کا ستیاناس کرے غیر مقلدی کہنے لگے اگر چہ پورا ''ماسوی الخمر'' ہے مگر اس میں ''خمر'' کا لفظ بھی تو آ گیا ہے جب پوچھا گیا کہ اہل سنت اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور غیر مقلدین ماسوی اللہ کی ہی عبادت کرتے ہیں تو اب شیر سرحد پر موت کی سی خاموشی طاری تھی۔ گویا منہ میں زبان نہیں اور آیت

کریمہ ...... صم بکم عمی فهم لا یعقلون ...... ان کے لیے ہی نازل ہوئی ہے، اس کے بعد شیر سرحد کی زبان پر مناظرہ کا لفظ تک نہ آیا مگر مسلمانوں میں یہ لوگ اگر انتشار پیدا نہ کریں تو ان کا کھانا ہضم نہیں ہوتا، اتنے دنوں کے بعد پیٹ اپھر گیا تھا اب یہ شور مچا دیا کہ اہل سنت والجماعت جو تقلید شخصی کرتے ہیں یہ شرک اور بدعت ہے اور یہ سب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی مشرک ہیں۔

دوسرا مناظرہ:

یہ مناظرہ ۲۰ اگست ۱۹۹۳ء کو ہونا طے پایا تھا۔ ہم اہل سنت والجماعت چونکہ مسائل اجتہادیہ میں تقلید کے مدعی ہیں اور ہر عدالت میں پہلے مدعی اپنا دعویٰ پیش کرتا ہے۔ اس دعویٰ کی پوری تنقیح ہوتی ہے۔ پھر عدالت میں بحث کا آغاز ہوتا ہے۔ اگر دعویٰ کی ہی وضاحت نہ ہو تو بحث سننے والے ہر گز فیصلہ نہیں کر سکتے کہ دلائل دعویٰ کے موافق تھے بھی یا نہیں، اور دعویٰ ثابت ہوا یا نہیں، اس لیے اہل سنت والجماعت کی طرف سے صبح سات بجے اپنا دعویٰ اور شرائط غیر مقلدین کو بھیج دی گئیں۔

شرائط مناظرہ مابین اہل سنت والجماعت وغیر مقلدین

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

ا۔ دلائل :

غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ وہ صرف قرآن اور حدیث کو دلیل مانتے ہیں۔ اس لیے غیر مقلد مناظر قرآن کی آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث کے علاوہ کچھ نہیں کہے گا۔ اگر کہے گا تو اس کا جواب نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ انتظامیہ اسے روکے گی۔ اگر نہ

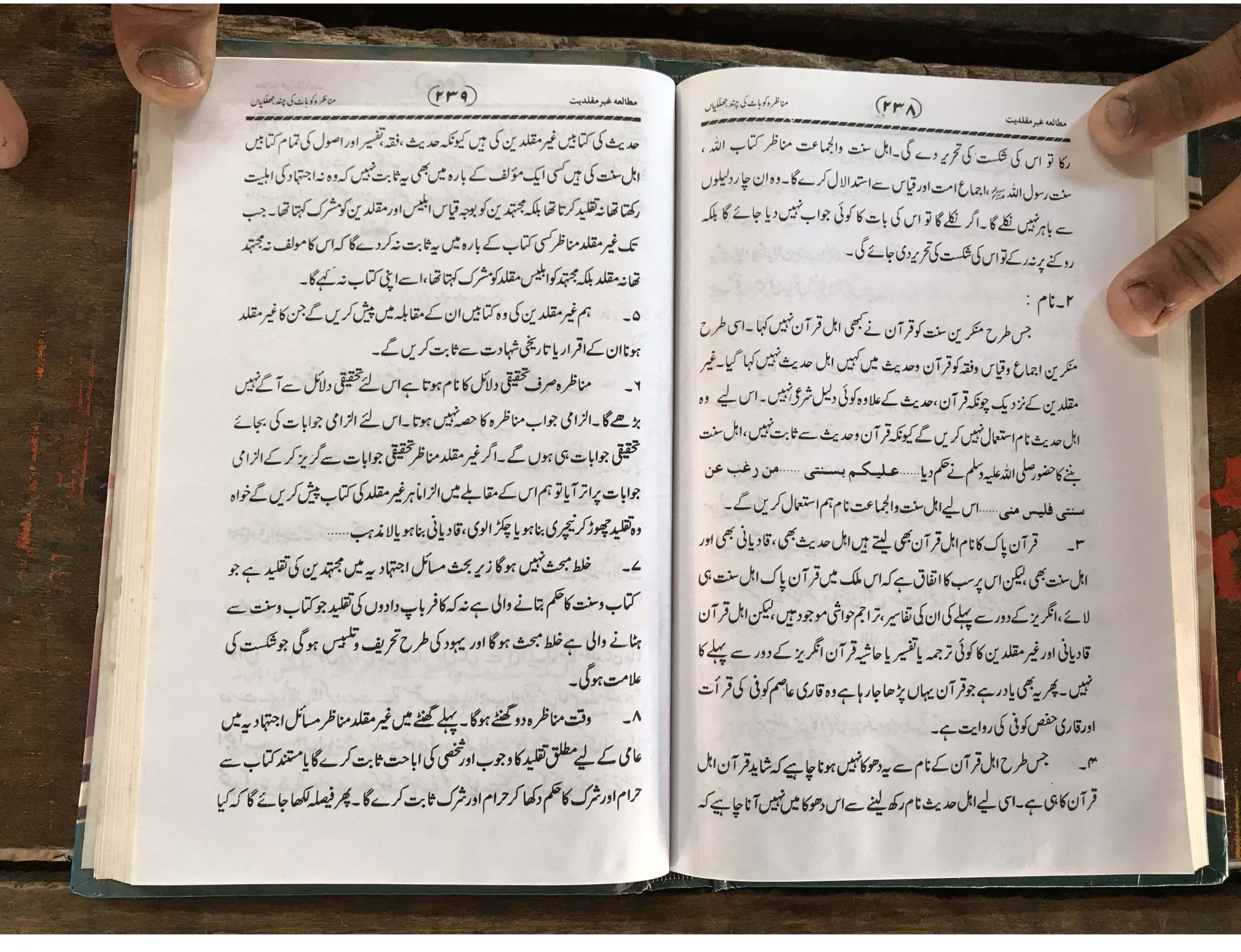

رکا تو اس کی شکست کی تحریر دے گی۔ اہل سنت والجماعت مناظر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع امت اور قیاس سے استدلال کرے گا۔ وہ ان چار دلیلوں سے باہر نہیں نکلے گا۔ اگر نکلے گا تو اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا جائے گا بلکہ روکنے پر نہ رکے تو اس کی شکست کی تحریر دی جائے گی۔

۲۔ نام :

جس طرح منکرین سنت کو قرآن نے کبھی اہل قرآن نہیں کہا۔ اسی طرح منکرین اجماع وقیاس وفقہ کو قرآن وحدیث میں کہیں اہل حدیث نہیں کہا گیا۔ غیر مقلدین کے نزدیک چونکہ قرآن، حدیث کے علاوہ کوئی دلیل شرعی نہیں۔ اس لیے وہ اہل حدیث نام استعمال نہیں کریں گے کیونکہ قرآن وحدیث سے ثابت نہیں، اہل سنت بننے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا...... **علیکم بسنتی** ...... **من رغب عن سنتی فلیس منی** ...... اس لیے اہل سنت والجماعت نام ہم استعمال کریں گے۔

۳۔ قرآن پاک کا نام اہل قرآن بھی لیتے ہیں اہل حدیث بھی، قادیانی بھی اور اہل سنت بھی، لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس ملک میں قرآن پاک اہل سنت ہی لائے، انگریز کے دور سے پہلے کی ان کی تفاسیر، تراجم حواشی موجود ہیں، لیکن اہل قرآن قادیانی اور غیر مقلدین کا کوئی ترجمہ یا تفسیر یا حاشیہ قرآن انگریز کے دور سے پہلے کا نہیں۔ پھر یہ بھی یاد رہے جو قرآن یہاں پڑھا جا رہا ہے وہ قاری عاصم کوفی کی قرأت اور قاری حفص کوفی کی روایت ہے۔

۴۔ جس طرح اہل قرآن کے نام سے یہ دھوکا نہیں ہونا چاہیے کہ شاید قرآن اہل قرآن کا ہی ہے۔ اسی لیے اہل حدیث نام رکھ لینے سے اس دھوکا میں نہیں آنا چاہیے کہ

حدیث کی کتابیں غیر مقلدین کی ہیں کیونکہ حدیث، فقہ، تفسیر اور اصول کی تمام کتابیں اہل سنت کی ہیں کسی ایک مؤلف کے بارہ میں بھی یہ ثابت نہیں کہ وہ نہ اجتہاد کی اہلیت رکھتا تھا نہ تقلید کرتا تھا بلکہ مجتہدین کو بوجہ قیاس ابلیس اور مقلدین کو مشرک کہتا تھا۔ جب تک غیر مقلد مناظر کسی کتاب کے بارہ میں یہ ثابت نہ کر دے گا کہ اس کا مولف نہ مجتہد تھا نہ مقلد بلکہ مجتہد کو ابلیس مقلد کو مشرک کہتا تھا، اسے اپنی کتاب نہ کہے گا۔

۵۔ ہم غیر مقلدین کی وہ کتابیں ان کے مقابلہ میں پیش کریں گے جن کا غیر مقلد ہونا ان کے اقرار یا تاریخی شہادت سے ثابت کریں گے۔

۶۔ مناظرہ صرف تحقیقی دلائل کا نام ہوتا ہے اس لئے تحقیقی دلائل سے آگے نہیں بڑھے گا۔ الزامی جواب مناظرہ کا حصہ نہیں ہوتا۔ اس لئے الزامی جوابات کی بجائے تحقیقی جوابات ہی ہوں گے۔ اگر غیر مقلد مناظر تحقیقی جوابات سے گریز کر کے الزامی جوابات پر اتر آیا تو ہم اس کے مقابلے میں الزاماً ہر غیر مقلد کی کتاب پیش کریں گے خواہ وہ تقلید چھوڑ کر نیچری بنا ہو یا چکڑالوی، قادیانی بنا ہو یا لامذہب......

۷۔ خلط مبحث نہیں ہوگا زیر بحث مسائل اجتہادیہ میں مجتہدین کی تقلید ہے جو کتاب وسنت کا حکم بتانے والی ہے نہ کہ کافر باپ دادوں کی تقلید جو کتاب وسنت سے ہٹانے والی ہے خلط مبحث ہوگا اور یہود کی طرح تحریف وتلبیس ہوگی جو شکست کی علامت ہوگی۔

۸۔ وقت مناظرہ دو گھنٹے ہوگا۔ پہلے گھنٹے میں غیر مقلد مناظر مسائل اجتہادیہ میں عامی کے لیے مطلق تقلید کا وجوب اور شخصی کی اباحت ثابت کرے گا یا مستند کتاب سے حرام اور شرک کا حکم دکھا کر حرام اور شرک ثابت کرے گا۔ پھر فیصلہ لکھا جائے گا کہ کیا

واقعی قرآن اور اپنی حدیث کی کتاب سے اس نے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا۔ دوسرے گھنٹے میں اہل مناظر ثابت کرے گا کہ مسائل اجتہادیہ میں عامی کے لئے مجتہد کی تقلید مطلق واجب بالذات اور شخصی واجب بالغیر ہے۔ پھر فیصلہ لکھا جائے گا کہ اہل سنت مناظر نے اپنا دعویٰ کر دیا یا نہیں...... **فقط**

☆☆☆☆☆☆☆

موضوع بحث منجانب اہل سنت والجماعت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مسائل اجتہادیہ میں جو شخص خود اجتہاد کر سکتا ہو اسے مجتہد کہتے ہیں اس پر اجتہاد کرنا واجب ہے۔ جو شخص اجتہاد نہ کر سکتا ہو اس پر تقلید واجب ہے جو شخص خود اجتہاد کی اہلیت نہ رکھتا ہو نہ تقلید کرے اس پر تعزیر واجب ہے اس کو غیر مقلد کہتے ہیں۔

۱۳۲۵ھ میں علمائے حرمین شریفین نے علمائے دیوبند سے چند سوالات پوچھے جن میں سوال نمبر ۸، اور ۹ یہ تھا۔

سوال...... تمام اصول وفروع میں چار اماموں میں سے کسی ایک امام کا مقلد بن جانا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو مستحب ہے یا واجب، اور تم کس امام کے مقلد ہو؟

الجواب...... اس زمانہ میں نہایت ضروری ہے کہ چار اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کی جائے بلکہ واجب ہے کیونکہ ہم نے تجربہ کیا ہے کہ آئمہ کی تقلید چھوڑنے اور

اپنے نفس وہوا کی اتباع کرنے کا انجام الحاد وزندقہ کے گڑھے میں جا گرنا ہے۔ اللہ پناہ میں رکھے اور بایں وجہ ہم اور ہمارے مشائخ تمام اصول وفروع میں امام المسلمین ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں۔ خدا کرے اسی پر ہماری موت ہو، اور اسی زمرہ میں ہمارا حشر ہو۔ (المھند علی المفند یعنی عقائد علمائے اہل سنت دیوبند صفحہ ۴۳) اس پر چوبیس متقدمین علمائے اہل سنت دیوبند اور سینتیس (۳۷) متاخرین علماء اہل سنت دیوبند کے دستخط ہیں۔ اس کے بعد اس جواب پر علمائے حرمین شریفین، علمائے مصر، علمائے شام کی بھی تصدیقات لکھی گئیں اور سب نے علمائے دیوبند کو اہل سنت قرار دیا۔

بعد ازاں جب حرمین شریفین میں موجودہ سعودی حکومت قائم ہوئی تو اس حکومت نے بھی تقلید کے خلاف کوئی حکم نافذ نہ فرمایا بلکہ حضرت امام عبداللہ بن شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ نے مکہ مکرمہ میں اعلان فرمایا کہ ہم فروعی مسائل میں امام احمد بن حنبلؒ کے طریقہ پر ہیں چونکہ آئمہ اربعہ (ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کا طریقہ منضبط ہے۔ اس لیے ہم ان کے کسی مقلد پر انکار نہیں کرتے ان کے سوا چونکہ اور لوگوں مثلاً روافض۔ زیدیہ امامیہ وغیرہ کے مذاہب منضبط نہیں ہیں، اس لیے ہم ان کو تسلیم نہیں کرتے۔ ہم لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ چاروں آئمہ میں سے کسی ایک کی تقلید کریں

(الھدایۃ السنیہ مؤلفہ علامہ سلیمان بن سحمان نجدی کا اردو ترجمہ تحفہ وہابیہ اسماعیل غزنوی ص ۶۱)

حرم پاک مکہ مکرمہ میں جب چار مصلے تھے تو بھی غیر مقلدین کا مصلی وہاں نہ تھا اب ایک مصلیٰ ہے تو بھی حنابلہ کا نہ کہ غیر مقلدین کا۔ غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی کی معیار الحق (بار دوم ۱۲۹۷ھ) ص ۴۲ پر ہے کہ عامی پر مجتہد اہل سنت کی مطلق تقلید واجب ہے اور شخصی مباح۔ مولانا محمد حسین بٹالوی (۱۳۳۸ھ) نے اشاعۃ

السنہ میں، مولانا ثناء اللہ امرتسری (۱۹۴۸ء) نے اخبار اہل حدیث، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی (۱۹۵۶ء) نے تاریخ اہل حدیث میں، مولانا سید محمد داؤد غزنوی (۱۹۶۳ء) نے (داؤد غزنوی) میں اسی بات کو دہرایا گویا جماعت اہل حدیث کے پنج تن پاک کا ۱۹۶۳ء تک مطلق تقلید کے واجب اور شخصی کے مباح ہونے پر اتفاق رہا ہے۔ جس طرح ہم نے اپنا مسلک اپنی مستند کتاب کے حوالہ سے لکھا آپ بھی اپنی مستند کتاب کے حوالہ سے تقلید کے بارہ میں تحریر کر کے بھیج دیں۔ اور یہ بھی وضاحت کریں کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے جن علماء نے المهند پر تصدیق لکھی اور موجودہ سعودی حکومت کا مسلک اور مذکورہ پانچ اہل حدیثوں کا مسلک مشرکانہ ہے یا نہیں۔

فقط، محمد امین صفدر عفی اللہ عنہ

۱۹۹۳_۸_۲۰ صبح سات بجے

نوٹ:

آپ کی جماعت کی مستند کتاب کے حوالہ کے بغیر کوئی تحریر متعلق حکم تقلید مطلق وتقلید شخصی ہرگز مقبول نہ ہوگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

غیر مقلدین نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ صرف شور مچایا کہ ہم ان کا جواب اتنی جلدی کیسے لکھ سکتے ہیں؟ آخر اہل سنت والجماعت نے کہا کہ اگر جواب لکھنے میں زیادہ وقت صرف ہونے کا اندیشہ ہے تو آپ ان کا جواب ٹیپ کروا دیں۔ مگر ان کو جواب آتا تو

ٹیپ کرواتے ۔نہ جواب آیا نہ ٹیپ کروا سکے، بالآخر تقریباً نو بجے مناظرہ کے لیے بیٹھے۔

اہل سنت والجماعت کی طرف سے احقر (محمد امین صفدر) مناظر تھا لیکن شیر سرحد نورستانی اب باوجود موجود ہونے کے مناظرہ کرنے کو تیار نہ ہوا۔ اس نے اپنی طرف سے اسلام آباد زرعی یونیورسٹی کے لیکچرار طالب الرحمٰن زیدی کو مناظرہ کے لیے بٹھایا۔ جو ہارون آباد میں اپنی نماز کا مکمل طریقہ ثابت کرنے سے عاجز رہا تھا۔ اہل سنت والجماعت کی طرف سے مناظرہ ہارون آباد کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے مگر طالب الرحمٰن نماز کے بارہ میں سوالات کا آج تک جواب شائع نہ کر سکا۔

اہل سنت والجماعت مناظر نے ابتداء کی اور لوگوں کو سمجھایا کہ پہلے یہ سمجھیں کہ اہل سنت اور غیر مقلدین میں اختلاف کیا ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری غیر مقلد حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے تقلید کی تعریف یوں نقل فرماتے ہیں ”تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلا دے گا اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا (الاقتصاد ص ۱۷) اس سے صاف معلوم ہوا کہ مقلدین جن مسائل میں تقلید کرتے ہیں وہ مسائل یقیناً بادلیل ہیں کوئی ایک مسئلہ بھی بے دلیل نہیں۔ البتہ عوام کے لئے مسائل جان کر ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ ان مسائل کے دلائل کا مطالبہ ضروری نہیں۔

وضاحت:

(۱) اسلام واقعتاً حق اور سچا دین ہے مگر آج کل کے اکثر مسلمان ایسے ہیں جو اسلام کو حق مانتے ہیں لیکن اس کی حقانیت کے دلائل کفار کے سامنے بیان نہیں کر سکتے۔

ایسے اسلام کو تقلیدی اسلام کہا جاتا ہے، ہم اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ یہ لوگ اسلام کو حق ماننے کی وجہ سے مسلمان ہیں غیر مقلدین کہتے ہیں کہ دلیل تفصیلی نہ جاننے کی وجہ سے مشرک ہیں، ہرگز ہرگز مسلمان نہیں۔ حالانکہ اکثر غیر مقلدین بھی اسی طرح کے مسلمان ہیں اور اپنے آپ کو غلطی سے مسلمان سمجھتے بھی ہیں، اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اصول دین میں تقلید کر کے مسلمان ہیں مشرک نہیں تو پھر فروعی مسائل میں تقلید کیسے شرک ہو جائے گی۔

(۲) حاجی صاحب جو بانی مناظرہ ہیں یہ حج کر کے آئے ہیں مگر حج کا طریقہ اب بھی قرآن وحدیث سے نہیں نکال سکتے۔ یہ دوسروں کو دیکھ کر حج کر آئے ہیں جو تقلید ہے۔ اہل سنت کے نزدیک یہ حاجی صاحب کہلائیں گے جب کہ ان غیر مقلدین کے نزدیک یہ مکہ مدینہ شرک کرتے رہے اور اب بھی حاجی نہیں بلکہ مشرک ہیں۔

(۳) حاجی صاحب جب تلاوت قرآن پاک کرتے ہیں تو قرآن پاک کے اعراب اور اوقاف کے دلائل ان کو ہرگز یاد نہیں۔ مگر یہ اس حسن ظن پر تلاوت کرتے ہیں کہ اگرچہ مجھے ان کے دلائل یاد نہیں مگر قرآن پاک میں ایک زبر اور ایک زیر بھی بغیر دلیل کے نہیں اس تلاوت کو تقلیدی تلاوت کہتے ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک حاجی صاحب کو اس تلاوت پر ثواب ملے گا۔ لیکن غیر مقلدین کے نزدیک یہ تقلیدی تلاوت کی وجہ سے مشرک ہے تلاوت کا ثواب کیا ملتا۔ اس شرک کی وجہ سے باقی نیکیاں بھی برباد ہو گئیں۔ نکاح بھی ٹوٹ گیا۔

(۴) آج جو لوگ نماز پڑھتے رہے ہیں اور ان کو ہر ہر مسئلے کی دلیل تفصیلی قرآن وحدیث سے معلوم نہیں وہ تقلیدی نماز پڑھ رہے ہیں صرف اس حسن ظن پر کہ اگرچہ ان

مسائل کے تفصیلی دلائل یاد نہیں مگر اس نماز کا ایک مسئلہ بھی بے دلیل نہیں تمام مسائل با دلیل ہیں۔ اہل سنت اس نماز کو صحیح مانتے ہیں، غیر مقلدین اس نماز کو شرک قرار دیتے ہیں۔ غیر مقلدین سو فیصد یہی تقلیدی نماز پڑھتے ہیں اور اپنے عقیدے کے مطابق مشرک بنتے ہیں افسوس کہ تقلید کا نام چھوڑا مگر شرک ان کی جان نہیں چھوڑتا۔

(۵) ایک شخص ہمارے پاس آتا ہے جو عیسائی ہے اس کا نام رحمت مسیح ہے اور کہتا ہے کہ میں اسلام قبول کرنے آیا ہوں ہم نے اسے مسلمان کر لیا۔ اس کا نام رحمت اللہ رکھ دیا۔ اس نے نہ ہی عیسائیت کا جھوٹا ہونا ہمارے سامنے کسی دلیل سے ثابت کیا بلکہ بلا ذکر دلیل عیسائیت چھوڑ دی۔ اور نہ ہی اسلام کی حقانیت کے دلائل کا ہم سے مطالبہ کیا۔ مگر اسلام قبول کر لیا صرف اس حسن ظن پر کہ اسلام یقیناً سچا دین ہے۔ اور اس کی صداقت دلائل سے ثابت ہے اگرچہ میں نے وہ دلائل نہیں پوچھے اب اہل سنت کے نزدیک یہ آیا تو کافر تھا اور گیا مسلمان ہو کر۔ مگر غیر مقلدین کے نزدیک وہ کافر آیا تھا اور کافر ہی رہا بلکہ اس پر ہر دو شرک اور سوار ہو گئے عیسائیت کو بھی تقلیداً چھوڑا جو شرک ہے اور اسلام بھی تقلیداً قبول کیا جو دوسرا شرک ہے۔

اہل سنت والجماعت مناظر نے جب اس عام فہم طریقہ سے نقطہء اختلاف سمجھایا۔ تو شیر سرحد نورستانی اور طالب الرحمٰن کے جسم پر لرزہ اور زبان پر سکتہ طاری تھا اور پورے مناظرے میں ان کا جواب نہیں دے سکے۔ اور اپنے غیر مقلد حاجیوں، قاریوں اور نمازیوں کو شرک کی دلدل سے نہیں نکال سکے۔

دلائل کی وضاحت:

مسئلہ کی وضاحت کے بعد دلائل کی وضاحت ضروری تھی کہ کون مناظر کون

سے دلائل سے استدلال کرسکتا ہے۔ اہل سنت والجماعت مناظر نے بتایا کہ ہم اہل سنت والجماعت بالترتیب چار دلائل کو مانتے ہیں، کتاب اللہ، سنت رسولؐ، اجماع اور قیاس، اور مثال سے سمجھایا کہ دیکھو ہم نماز میں رکوع کرتے ہیں اس کا حکم قرآن پاک میں ہے۔ مگر رکوع جاتے وقت اللہ اکبر کہنا۔ رکوع میں ''**سبحان ربی العظیم**'' پڑھنا، رکوع سے اٹھتے وقت'' **سمع الله لمن حمده، ربنا لک الحمد** ''پڑھنا قرآن پاک سے ثابت نہیں۔ یہ سب سنت سے ثابت ہے۔ اب تینوں اذکار کا آہستہ پڑھنا نہ قرآن پاک میں صراحتاً ہے نہ کسی حدیث میں صراحتاً ہے۔ البتہ اس پر امت کا اجماع ہے۔ پھر اگر بھول کر رکوع میں ''**سبحان ربی العظیم**'' کی بجائے ''**سبحان ربی الاعلیٰ**'' پڑھ لیا جائے تو نماز فاسد ہوگئی یا سجدہ سہو لازم ہوگیا یا کیا حکم ہوگا اس کا جواب سوائے قیاس کے کہیں نہیں ملے گا کہ یہ ترک سنت ہے اور سنت کے ترک سے نماز رفاسد ہوتی ہے نہ سجدہ سہو لازم آتا ہے نماز ہوگئی۔ اس مسئلہ میں ہم نے اپنے امام کی تقلید کی اگر آپ اس مسئلہ کا حکم صراحتاً قرآن وحدیث میں نہ دکھا سکے تو آپ یہ مسئلہ کہاں سے لیں گے؟ افسوس کہ نورستانی اور اس کے مناظر نے پورے مناظرے میں اس مسئلے کا حکم قرآن وحدیث سے نہ دکھایا نہ اس کا کوئی متبادل حل پیش کیا۔

اس کے بعد اہل سنت والجماعت مناظر نے کہا کہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ وہ صرف قرآن اور حدیث کو مانتے ہیں، وہ قرآن اور حدیث کے علاوہ کوئی بات نہیں کرے گا۔ مگر افسوس کہ تقریباً تین گھنٹے کے مناظرہ میں ایک آدھ آیت پڑھی وہ بھی مسئلہ سے بے تعلق۔ نہ کوئی حدیث بیان کی جس سے سب نے جان لیا کہ مناظرہ کے وقت نورستانی صاحب اور ان کے مناظر اہل حدیث ہرگز نہیں رہتے۔ سارا وقت احادیث نفس بیان کرنے میں ضائع کرتے ہیں۔

لیکن اس مناظرہ میں نورستانی اور اس کے مناظرہ نے اجماع امت اور اجتہاد کو صراحتاً دلیل شرعی مان لیا۔ اس پر ان سے تین سوالات پوچھے گئے:

(۱) کہ اہل سنت والجماعت حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، چار دلائل کو مانتے ہیں تو ان کی فقہ کی مستقل کتابیں ہیں، جن میں کتاب، سنت، اجماع، قیاس کے تمام مسائل آسان اور عام فہم ترتیب سے درج ہوتے ہین آپ بھی اپنے فرقہ کی ایسی مستند، مکمل اور مدون کتاب بتائیں؟ لیکن وہ پورے مناظرے میں ایسی کتاب کا نام نہ بتا سکے اور نہ ہی پیش کر سکے، معلوم ہوا کہ یہ لوگ جان چھڑانے کے لیے اجماع اور اجتہاد کو ماننے کا اقرار کرتے ہیں اس پر قائم نہیں رہتے ورنہ ضرور مذاہب اربعہ کی طرح ان کی مکمل کتابیں جن میں اجماعی اور قیاسی مسائل جمع ہوتے موجود ہوتیں۔ (یہ دلیل قابل غور ہے)

(۲) دوسرا سوال یہ پوچھا گیا کہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، ان چاروں دلائل کو مانتے ہیں تو ان کو آپ اہل حدیث نہیں مانتے، بلکہ اہل الرائے کہتے ہیں اب آپ نے بھی یہ چاروں دلیلیں مان لیں تو آپ بھی اہل حدیث نہیں رہے بلکہ اہل الرائے بن گئے ہیں۔ آئندہ اپنے کو اہل حدیث کہہ کر کسی کو دھوکہ نہ دینا۔ اس سوال کا جواب بھی پورے مناظرے میں نہیں دیا۔

(۳) تیسرا سوال یہ تھا کہ جب آپ اجتہاد کرتے ہیں (باوجود اہل ہونے کے) تو اس کے بارہ میں کہتے ہیں کہ یہ اجتہاد کتاب وسنت کی روشنی میں ہے۔ اس لئے'' **ماانزل الله**'' میں شامل ہیں لیکن آئمہ مجتہدین نے جو اجتہادات کئے ان کا اعلان ہوتا

ہے ”القیاس مظھر لا مثبت“ ۔ کہ ہم قیاس سے کوئی مسئلہ گھڑتے نہیں بلکہ کتاب و سنت کے ہی پوشیدہ مسئلہ کو ظاہر کرتے ہیں جو یقیناً ”ماانزل اللہ“ ہے۔ آپ ان آئمہ کے مسائل کو ”ماانزل اللہ“ میں شامل نہیں کرتے بلکہ ”ولا تتبعوا من دونہ اولیاء“ کے تحت لاتے ہیں۔ یہ عجیب اندھیرا ہے کہ جن آئمہ کا مجتہد ہونا دلیل شرعی (اجماع امت) سے ثابت ہو ان کے اجتہادات کو ”ماانزل اللہ“ میں شامل نہ کیا جائے اور جو شخص اجتہاد کجا تقلید کی تعریف سے بھی جاہل ہو، جو بے چارہ خطاء کا ترجمہ ”جان بوجھ کر غلطی کرنا“ کرتا ہو۔ جس کی جہالت عالم آشکار ہو جو فرمان رسول ﷺ ”کہ آخری زمانہ میں لوگ جاہلوں کو اپنا دینی پیشوا بنالیں گے وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے خود گمراہ ہوں گے، دوسروں کو گمراہ کریں گے“ (متفق عالیہ) کا کامل ترین مصداق ہو اس کی جہالت کو ”ماانزل اللہ“ کا درجہ دیا جائے۔ آخر یہ فرق کہ جو اجتہاد کے اہل ہیں ان کے اجتہادات ”ماانزل اللہ“ میں شامل نہیں اور جو نا اہل ہوں ان کی جہالت ”ماانزل اللہ“ میں شامل ہیں کس قرآن وحدیث میں ہے؟ افسوس کہ نورستانی اور اس کے مناظر نے آخر تک اس سوال کا جواب نہیں دیا۔

غیر مقلدین کا دعویٰ کہ تقلید شخصی شرک ہے:

یہ دعویٰ جو غیر مقلدین نے ثابت کرنا تھا مگر نورستانی کے مناظر نے پہلے تو یہ شور مچایا کہ یہ دعویٰ نہیں، بلکہ جواب دعویٰ ہے اس جہالت پر نورستانی نے اپنے مناظر کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ جس سے علماء سمجھ گئے کہ بے چارہ نورستانی بھی دعویٰ کی تعریف نہیں جانتا۔ جب اسے بانی مناظرہ نے خود بھی کہا کہ یہ آپ کا دعویٰ ہے۔ آپ تمام حنفیوں، شافعیوں، مالکیوں، حنبلیوں کو روزانہ مشرک کہتے ہیں۔ اب یہ ثابت کرو کہ اجتہادی

مسائل میں عوام کے لیے مجتہد کی تقلید شخصی شرک ہے۔ اب نورستانی کے مناظر کا فرض تھا کہ وہ ایک آیت یا ایک حدیث پڑھ دیتا کہ اجتہادی مسائل میں عوام پر مجتہد کی تقلید شرک ہے۔ یا ناکامی اور مایوسی کا ہی ذکر اس شعر میں کر دیتا......

ے اے میرے باغ آرزو کیسا ہے باغ ہائے تو
کلیاں تو گو ہیں چار سو کوئی کلی کھلی نہیں

الٹی گنگا:

نورستانی کے مناظر نے کہا کہ اہل سنت مناظر پہلے تقلید شخصی کا لفظ قرآن میں دکھائے پھر تقلید شخصی کی تعریف قرآن سے دکھائے۔ پھر واجب کی تعریف قرآن سے دکھائے۔ پھر اس تقلید شخصی کا واجب ہونا قرآن سے دکھائے۔

اہل سنت مناظر:

اصطلاحات کی تعریفیں قرآن پاک میں نہیں ہوتیں۔ جیسے اصول حدیث کی کسی اصطلاح کی کوئی جامع مانع تعریف قرآن میں نہیں۔ اگر آپ کا عقیدہ یہی ہے کہ تمام اصطلاحات اور احکامات کی تعریفیں قرآن پاک میں ہوتی ہیں۔ تو آپ اپنے اس خود ساختہ اصول پر تقلید شخصی کا لفظ قرآن پاک سے دکھا دیں۔ تو ہم اپنا غلط ہونا مان لیں گے اپنے دعویٰ سے دست بردار ہو جائیں گے، کیونکہ قرآن پاک کا ہمارے نزدیک بھی دلائل میں پہلا نمبر ہے۔ اس پر بانی مناظر اور دیگر سامعین نے بھی اہل سنت مناظر کی تائید کی اور کہا کہ سارا جھگڑا اسی سے چلا ہے کہ حنفی مشرک ہیں اور شرک نا قابل معافی گناہ ہے، اس لیے آپ یہ ثابت کر دیں۔ بات ختم ہو جائے گی۔

پہلی دلیل :

نورستانی کے مناظر نے یہ آیت پڑھی ''اتبعو ماانزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء '' اتباع کرو صرف اس چیز کی جو اللہ نے اتاری اور وہ قرآن وحدیث ہے، اور نہ تقلید کر اس کے سوا اولیاء کی یہ آئمہ اربعہ کی فقہ ہے اور کہا کسی ولی کو نہ مانو۔

جواب:

اہل سنت مناظر نے کہا کہ اس آیت میں ہے کہ جو اللہ نے اتارا اس کی تابعداری کرو اس کے علاوہ کسی ولی من دون اللہ کی تابعداری نہ کرو۔ آپ کے بڑے بھائی اہل قرآن کہتے ہیں کہ'' ما انز اللہ'' صرف قرآن ہے۔ صحاح ستہ ''ماانزل اللہ'' نہیں بلکہ ''من دونہ اولیاء'' میں شامل ہیں۔ آپ کی طرف سے جواب یہ ہوتا ہے۔ کہ رسول دین میں اپنی طرف سے کچھ کہتا نہیں ''وما ینطق عن الھوی ان ھوا الا وحی یوحی '' وہی کہتا ہے جو خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس لیے وہ بھی ''ماانزل اللہ '' میں شامل ہے۔ ہم اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ مجتہدین کا بھی یہی اعلان ہوتا ہے کہ'' القیاس مظھر لا مثبت '' کہ ہم دین کا کوئی مسئلہ از خود نہیں گھڑتے، بلکہ کتاب وسنت کی روشنی سے ہی اخذ و استنباط کرتے ہیں۔ اس لیے کتاب وسنت سے نکالا ہوا حکم ''ماانزل اللہ'' میں ہی شامل ہے، جیسا کہ آپ اپنے اجتہادات کو''ماانزل اللہ'' ہی مانتے ہیں۔ نیز اہل سنت مناظر نے کہا

کہ اس آیت میں نہ تقلید شخصی کا لفظ، نہ تقلید شخصی کا ذکر نہ تعریف نہ حکم، نورستانی صاحب نے بھی نہیں کہا کہ بیٹا مناظر بن بیٹھے ہو، دلیل اور دعویٰ کی مطابقت ضروری ہے، اس آیت کا دعویٰ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

اہل سنت والجماعت کی پہلی دلیل:

اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن پاک میں اپنی اتباع کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اتباع بلا مطالبہ دلیل ہوتی ہے۔ اسی طرح رسول پاک ﷺ کی اتباع کا حکم ہے ......قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعو نی ...... کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اور ظاہر ہے کہ رسول اقدس ﷺ کی پیروی بھی بلا مطالبہ دلیل ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اجماع کی اتباع کا بھی حکم دیا ہے...... ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نو لہ ما تولیٰ ونصلہ جھنم وساء ت مصیرًا ......اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے رستہ کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے اس کو وہی طرف جو اس نے اختیار کی، اور ڈالیں گے اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ پہنچا۔ اکابر علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ اجماع کا مخالف اور منکر جہنمی ہے، یعنی اجماع امت کو ماننا ضروری فرض ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کا ہاتھ ہے مسلمانوں کی جماعت پر جس نے جدا راہ اختیار کی وہ دوزخ میں جا پڑا۔ (تفسیر عثانی ص ۱۲۵)

اجماع کے بعد منیب کی اتباع کا بھی حکم دیا...... واتبع سبیل من اناب الی ......اور تقلید کر اس کے مذہب کی جو رجوع ہوا میری طرف......

مجتہد کتاب وسنت کی طرف ہی رجوع کر کے احکام شرعیہ کا استنباط کرتا ہے۔

ان چار اتباعوں میں ظاہر ہے کہ خدا کی اتباع احکام اجماعیہ میں ہوگی اور مجتہد کی تقلید احکام اجتہادیہ میں ہوگی۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ غیر مجتہد کو احکام اجتہادیہ میں مجتہد کی تقلید کا حکم دے رہا ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ پس خدا، رسول ﷺ اور اجماع کی اتباع فرض ہوئی کیونکہ یہ تینوں خطا سے معصوم ہیں۔ اور مجتہد خطاء سے معصوم نہیں اگرچہ اس کی خطاء پر بھی اللہ تعالیٰ اجر عطا فرماتے ہیں اس لیے وہ معصوم تو نہیں لیکن مطعون بھی نہیں بلکہ ہر حال میں ماجور ہے اس لیے اس کی تقلید واجب ہوئی۔ آیت کریمہ میں ”من“ ہے جو جنس کے لیے ہے جو ایک مجتہد اور ایک سے زیادہ کو برابر شامل ہے اور جس ملک میں ایک ہی مجتہد کا مذہب متواتر ہو وہاں تکوینیاً اسی کی تقلید شخصی متعین ہے، جیسے یمن میں جس تواتر اور یقین کے ساتھ حضرت معاذؓ کے اجتہادی احکام ملتے تھے، اس تواتر کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ وغیرہ ھما کے فتاویٰ نہیں ملتے تھے، اس لیے یمن کے سب لوگ حضرت معاذؓ کی ہی تقلید شخصی کرتے تھے۔ اسی طرح اس ملک میں درساً افتاءً وعملاً صرف اور صرف مذہب حنفی ہی متواتر ہے۔ اس لیے اس ملک میں اس حکم خداوندی کا پورا کرنا صرف امام صاحبؒ کی تقلید سے ہوسکتا ہے اس کے علاوہ اس آیت پر عمل ممکن ہی نہیں۔

غیر مقلد مناظر کا واویلا:

اس قرآنی دلیل سے سب سامعین مسئلہ کو مان گئے مگر غیر مقلدین نے شور وغوغا شروع کر دیا۔ انہیں سمجھایا گیا کہ قرآن پاک سن کر شور مچانا ابوجہل کی تقلید ہے، آپ تو مجتہد کی تقلید کو شرک کہتے ہیں۔ ابوجہل کی تقلید کب سے آپ پر فرض ہوگئی ہے؟

لفظی چکر:

نورستانی اور اس کے مناظر نے کہا کہ اتباع کا معنی تقلید کرنا تحریف قرآن ہے۔ اتباع کہتے ہیں قرآن وحدیث کی بات ماننے کو، جب کہا گیا کہ یہ قرآن وحدیث سے دکھادیں تو مناظر صاحب کی بولتی بند ہوگئی، وہ یہ فرق قرآن وحدیث سے نہ دکھا سکا۔ وہ تو یہیں بند تھا پھر جب اہل سنت مناظر نے کہا کہ تمہیں تو قرآن پاک کی کبھی ہوا بھی نہیں لگی، قرآن پاک میں ہے کہ مشرکین مکہ کہا کرتے تھے ہم اپنے باپ دادا کی اتباع کرتے ہیں۔ (۲۔۱۷۰) کیا یہاں اتباع کا معنی قرآن وحدیث کرتے ہو؟ اسی طرح قرآن نے شیطان کی اتباع سے منع کیا ہے۔ (۲/۱۶۸، ۲/۲۰۸، ۶/۱۴۲، ۲۴/۱۲۱) کیا ان کی شہوات کا نام قرآن وحدیث تھا۔ پھر قرآن میں بعض کے بارے میں آتا ہے ” فاتبعوا امر فرعون“ (۱۱۔۹۷) کیا فرعون قرآن وحدیث سناتا تھا کہ اس کی بات ماننے کو اتباع کہا گیا ہے، اب فرمایئے تحریف آپ کر رہے ہیں یا ہم ...... اب تو نورستانی اینڈ کمپنی پر موت کی سی خاموشی طاری تھی۔ اور دنیا دیکھ رہی تھی کہ ان کی باتیں قرآن پاک کی صریح آیات کے خلاف ہیں۔ اب لوگوں کا خیال تھا کہ یہ لوگ قرآن کی صریح مخالفت سے توبہ کرلیں گے۔ مگر ضد کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ نورستانی مناظر نے ان آیات کو ماننے کی بجائے یہ مطالبہ کر دیا کہ یہ ثابت کرو کسی اصولی نے تقلید اور اتباع کو ہم معنیٰ قرار دیا ہو۔ آہ قرآن سے تسلی نہ ہوئی اب کسی امتی کے قول کی ضرورت پیش آرہی ہے۔ چنانچہ منکرین قرآن کو گھر تک پہنچانے کے لیے

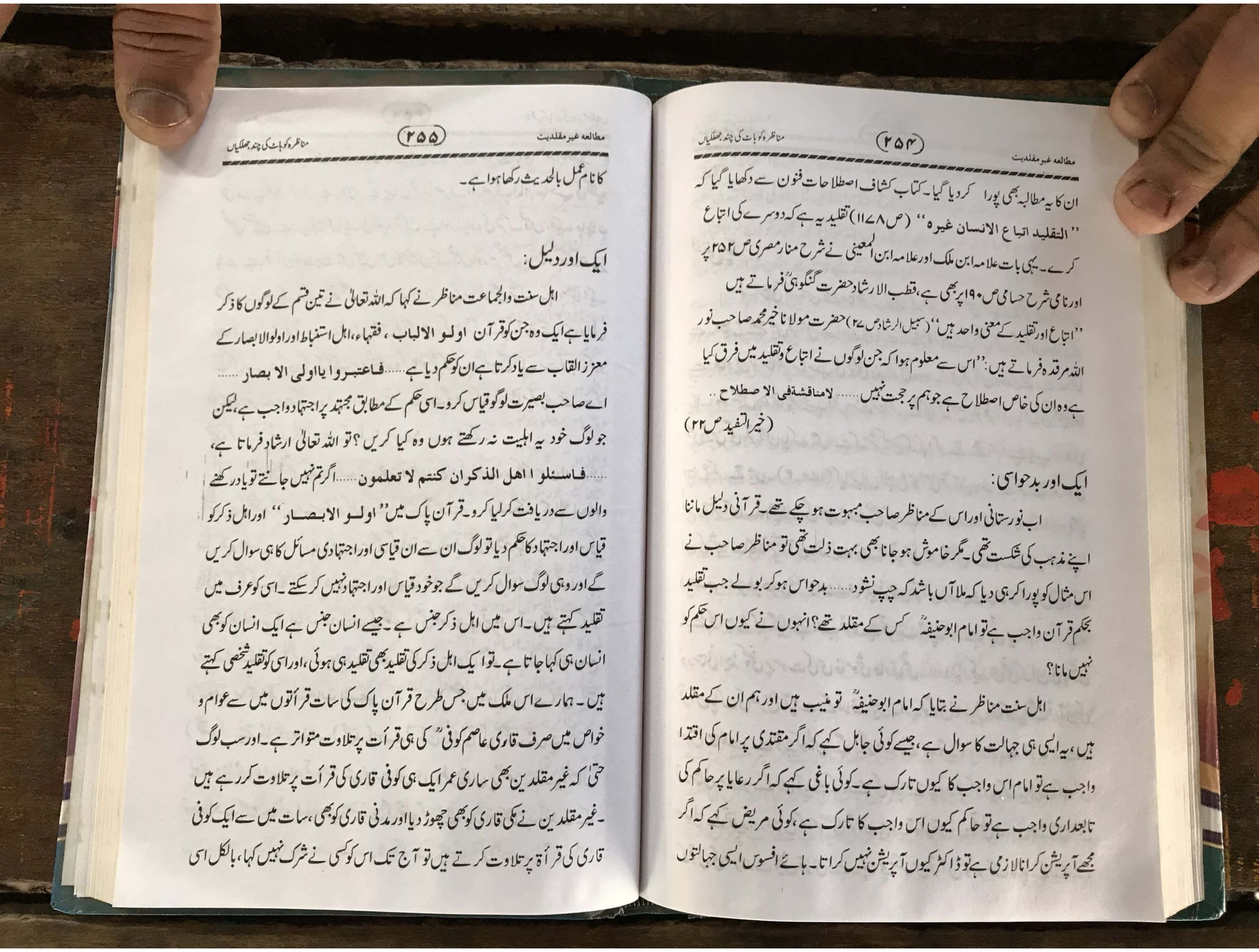

ان کا یہ مطالبہ بھی پورا کردیا گیا۔ کتاب کشاف اصطلاحات فنون سے دکھایا گیا کہ ’’التقلید اتباع الانسان غیرہ‘‘ (ص ۱۱۷۸) تقلید یہ ہے کہ دوسرے کی اتباع کرے۔ یہی بات علامہ ابن ملک اور علامہ ابن المعینی نے شرح منار مصری ص ۲۵۲ پر اور نامی شرح حسامی ص ۱۹۰ پر بھی ہے، قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں ’’اتباع اور تقلید کے معنی واحد ہیں‘‘ (سبیل الرشاد ص ۲۷) حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: ’’اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اتباع وتقلید میں فرق کیا ہے وہ ان کی خاص اصطلاح ہے جو ہم پر حجت نہیں...... لامناقشة فی الاصطلاح .. (خیر التفید ص ۲۲)

ایک اور بدحواسی:

اب نورستانی اور اس کے مناظر صاحب مبہوت ہو چکے تھے۔ قرآنی دلیل ماننا اپنے مذہب کی شکست تھی۔ مگر خاموش ہو جانا بھی بہت ذلت تھی تو مناظر صاحب نے اس مثال کو پورا کر ہی دیا کہ ملا آں باشد کہ چپ نشود...... بدحواس ہو کر بولے جب تقلید بحکم قرآن واجب ہے تو امام ابو حنیفہؒ کس کے مقلد تھے؟ انہوں نے کیوں اس حکم کو نہیں مانا؟

اہل سنت مناظر نے بتایا کہ امام ابو حنیفہؒ تو منیب ہیں اور ہم ان کے مقلد ہیں، یہ ایسی ہی جہالت کا سوال ہے، جیسے کوئی جاہل کہے کہ اگر مقتدی پر امام کی اقتدا واجب ہے تو امام اس واجب کا کیوں تارک ہے۔ کوئی باغی کہے کہ اگر رعایا پر حاکم کی تابعداری واجب ہے تو حاکم کیوں اس واجب کا تارک ہے، کوئی مریض کہے کہ اگر مجھے آپریشن کرانا لازمی ہے تو ڈاکٹر کیوں آپریشن نہیں کراتا۔ ہائے افسوس ایسی جہالتوں

کا نام عمل بالحدیث رکھا ہوا ہے۔

ایک اور دلیل:

اہل سنت والجماعت مناظر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے ایک وہ جن کو قرآن اولو الالباب، فقہاء، اہل استنباط اور اولوالابصار کے معزز القاب سے یاد کرتا ہے ان کو حکم دیا ہے...... فاعتبروا یااولی الابصار ...... اے صاحب بصیرت لوگو قیاس کرو۔ اسی حکم کے مطابق مجتہد پر اجتہاد واجب ہے، لیکن جو لوگ خود یہ اہلیت نہ رکھتے ہوں وہ کیا کریں؟ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، ...... فاسئلوا اھل الذکران کنتم لا تعلمون ...... اگر تم نہیں جانتے تو یاد رکھنے والوں سے دریافت کرلیا کرو۔ قرآن پاک میں ’’اولو الابصار‘‘ اور اہل ذکر کو قیاس اور اجتہاد کا حکم دیا تو لوگ ان سے ان قیاسی اور اجتہادی مسائل کا ہی سوال کریں گے اور وہی لوگ سوال کریں گے جو خود قیاس اور اجتہاد نہیں کر سکتے۔ اسی کو عرف میں تقلید کہتے ہیں۔ اس میں اہل ذکر جنس ہے۔ جیسے انسان جنس ہے ایک انسان کو بھی انسان ہی کہا جاتا ہے۔ تو ایک اہل ذکر کی تقلید بھی تقلید ہی ہوئی، اور اسی کو تقلید شخصی کہتے ہیں۔ ہمارے اس ملک میں جس طرح قرآن پاک کی سات قرائتوں میں سے عوام و خواص میں صرف قاری عاصم کوفیؒ کی ہی قرأت پر تلاوت متواتر ہے۔ اور سب لوگ حتیٰ کہ غیر مقلدین بھی ساری عمر ایک ہی کوفی قاری کی قرأت پر تلاوت کر رہے ہیں۔ غیر مقلدین نے مکی قاری کو بھی چھوڑ دیا اور مدنی قاری کو بھی، سات میں سے ایک کوفی قاری کی قرأۃ پر تلاوت کرتے ہیں تو آج تک اس کو کسی نے شرک نہیں کہا، بالکل اسی

طرح اس ملک میں آئمہ اربعہ کے مذاہب میں سے صرف حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ہی مذہب عملاً متواتر ہے۔ اسی لیے یہاں تکونیا صرف اور صرف امام صاحب کی تقلید شخصی متعین ہے۔ یہ کہنا کہ ایک کی تقلید شرک ہے اور زیادہ کی شرک نہیں، ایک جاہلانہ بات ہے۔ قرآن وحدیث میں کہیں اس کا نشان تک نہیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ جو چیز شرک ہے وہ ایک کے ساتھ بھی شرک ہے اور دس کے ساتھ بھی شرک ہے، مثلاً ایک بت کو سجدہ کرنا اگر شرک ہے تو دس بتوں کو بھی سجدہ کرنا شرک ہے، آج تک کسی جاہل نے بھی یہ بات نہیں کہی کہ ایک بت کو سجدہ کرنا تو شرک ہے لیکن صبح ایک بت کو سجدہ کرو دوپہر دوسرے بت کو سجدہ کرو۔ سہ پہر تیسرے بت کو سجدہ کرو اور شام کو چوتھے بت کو سجدہ کرو تو تم مشرک نہیں رہو گے بلکہ اہل حدیث بن جاؤ گے۔

تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو نہ تو خود اجتہاد کی اہلیت رکھتے ہوں اور نہ ہی مجتہدین کی تقلید کریں ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں آتا ہے...... **اولئک کالانعام بل هم اضل** ...... وہ چوپایوں سے بھی گمراہ تر ہیں اور قبر میں فرشتہ قیامت تک ان کی پٹائی یہ کہہ کر کرے گا کہ ”**لا دریت ولا تلیت**“ (بخاری ج ۱ ص ۱۷۸) نہ تو خود صاحب درایت تھا اور نہ کسی صاحب درایت کی تقلید کی تھی اور جب قبروں سے اٹھیں گے تو روتے ہوئے دوزخ کو جا رہے ہوں گے اور یہ پکار رہے ہوں گے ...... **لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر** ...... گر ہم (عقل والوں کی بات) سن لیتے (تقلید کر لیتے) یا خود صاحب (مجتہد) ہوتے تو آج دوزخ کی آگ میں نہ جلتے۔ کیونکہ دنیا میں ہدایت اور قبر وحشر میں نجات ان ہی دو طریقوں پر منحصر ہے۔ یا انسان خود صاحب بصیرت ہو یا صاحب بصیرت کی تقلید کر لے، یہ بات کتاب وسنت کے

علاوہ بھی ایک عالمگیر حقیقت ہے۔ ہر فن میں نہ جاننے والے ماہرین فن کی تقلید کرتے ہیں۔ فرشتے کی پٹائی سے بھی ثابت ہوا ہے کہ غیر مقلد پر تعزیر واجب ہے۔

قرآن کی تحریف معنوی:

اس واضح دلیل کے بعد اگر قرآن پاک کی عظمت ذرا بھر بھی دل میں ہوتی تو نورستانی کو مان لینا چاہیے تھا کہ تقلید واجب ہے مگر ان کے مناظر نے شور مچا دیا کہ سنی مناظر نے قرآن میں تحریف کر دی ہے سورۃ النمل میں اس آیت کے بعد...... **بالبینات والزبر** ...... ہے کہ سوالات با دلیل پوچھا کرو۔ سنی مناظر نے یہ الفاظ نہیں پڑھے اس پر وہاں موجود علماء تو توبہ توبہ کر رہے تھے کہ قرآن پر اتنا بڑا جھوٹ کیونکہ ”**بالبینات والزبر**“ کا تعلق ”**ارسلنا**“ کے ساتھ ہے، ہم نے رسولوں کو دلائل اور کتابیں دے کر بھیجا لیکن نورستانی کا مناظر یوں ترجمہ کر رہا تھا کہ سوال کرنے والا دلائل اور کتابوں کے ساتھ سوال کرے اس صورت میں تو کلام کا مطلب ہی فوت ہو جائے گا بلکہ بالکل بے معنی ہو جائے گا کیونکہ سائل کو مسائل کے دلائل بھی یاد ہیں تو اس کو پوچھنے کی کیا ضرورت؟ افسوس کہ نورستانی اور اس کے ساتھی علماء اس غلط ترجمہ پر خوش ہو رہے تھے نہ خدا کا خوف تھا نہ انسانوں کی شرم اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس قرآنی دلیل سے فرار کے لیے فوراً یہ مطالبہ شروع کر دیا کہ کوئی حنفی اپنے امام سے بھی تقلید کا واجب ہونا ثابت نہیں کر سکتا اگر ہمت ہے تو ثابت کر دکھاؤ۔

آئمہ اور تقلید:

اہل سنت مناظر نے بتایا کہ جس طرح صحابہ کے زمانہ میں تقلید متواتر تھی۔ اسی طرح آئمہ سے بھی تقلید تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ حدیث کی کتاب مصنف ابن

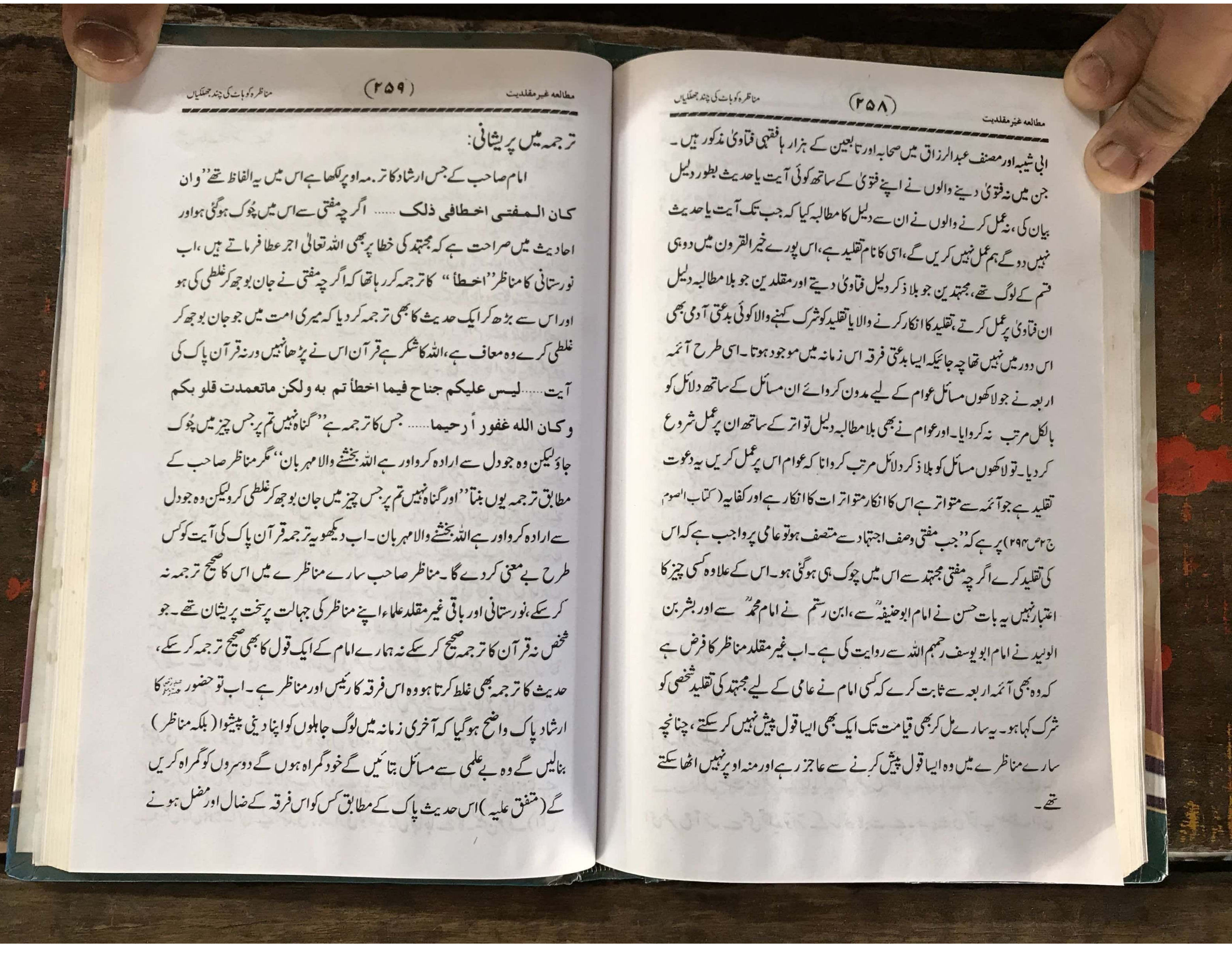

ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں صحابہ اور تابعین کے ہزار ہا فقہی فتاویٰ مذکور ہیں۔ جن میں نہ فتویٰ دینے والوں نے اپنے فتویٰ کے ساتھ کوئی آیت یا حدیث بطور دلیل بیان کی، نہ عمل کرنے والوں نے ان سے دلیل کا مطالبہ کیا کہ جب تک آیت یا حدیث نہیں دو گے ہم عمل نہیں کریں گے، اسی کا نام تقلید ہے، اس پورے خیر القرون میں دو ہی قسم کے لوگ تھے، مجتہدین جو بلا ذکر دلیل فتاویٰ دیتے اور مقلدین جو بلا مطالبہ دلیل ان فتاویٰ پر عمل کرتے، تقلید کا انکار کرنے والا یا تقلید کو شرک کہنے والا کوئی بدعتی آدمی بھی اس دور میں نہیں تھا چہ جائیکہ ایسا بدعتی فرقہ اس زمانہ میں موجود ہوتا۔ اسی طرح آئمہ اربعہ نے جو لاکھوں مسائل عوام کے لیے مدون کروائے ان مسائل کے ساتھ دلائل کو بالکل مرتب نہ کروایا۔ اور عوام نے بھی بلا مطالبہ دلیل تواتر کے ساتھ ان پر عمل شروع کر دیا۔ تو لاکھوں مسائل کو بلا ذکر دلائل مرتب کروانا کہ عوام اس پر عمل کریں یہ دعوت تقلید ہے جو آئمہ سے متواتر ہے اس کا انکار متواترات کا انکار ہے اور کفایہ (کتاب الصوم ج ۲ ص ۲۹۴) پر ہے کہ "جب مفتی وصف اجتہاد سے متصف ہو تو عامی پر واجب ہے کہ اس کی تقلید کرے اگرچہ مفتی مجتہد سے اس میں چوک ہی ہو گئی ہو۔ اس کے علاوہ کسی چیز کا اعتبار نہیں یہ بات حسن نے امام ابو حنیفہؒ سے، ابن رستم نے امام محمدؒ سے اور بشر بن الولید نے امام ابو یوسف رحمہم اللہ سے روایت کی ہے۔ اب غیر مقلد مناظر کا فرض ہے کہ وہ بھی آئمہ اربعہ سے ثابت کرے کہ کسی امام نے عامی کے لیے مجتہد کی تقلید شخصی کو شرک کہا ہو۔ یہ سارے مل کر بھی قیامت تک ایک بھی ایسا قول پیش نہیں کر سکتے، چنانچہ سارے مناظرے میں وہ ایسا قول پیش کرنے سے عاجز رہے اور منہ اوپر نہیں اٹھا سکتے تھے۔

ترجمہ میں پریشانی:

امام صاحب کے جس ارشاد کا ترجمہ اوپر لکھا ہے اس میں یہ الفاظ تھے "**وان كان المفتي اخطافي ذلك** ...... اگرچہ مفتی سے اس میں چُوک ہوگئی ہو اور احادیث میں صراحت ہے کہ مجتہد کی خطا پر بھی اللہ تعالیٰ اجر عطا فرماتے ہیں، اب نورستانی کا مناظر "**اخطأ**" کا ترجمہ کر رہا تھا کہ اگرچہ مفتی نے جان بوجھ کر غلطی کی ہو اور اس سے بڑھ کر ایک حدیث کا بھی ترجمہ کر دیا کہ میری امت میں جو جان بوجھ کر غلطی کرے وہ معاف ہے، اللہ کا شکر ہے قرآن اس نے پڑھا نہیں ورنہ قرآن پاک کی آیت ...... **ليس عليكم جناح فيما اخطأ تم به ولكن ماتعمدت قلوبكم وكان الله غفوراً رحيما** ...... جس کا ترجمہ ہے "گناہ نہیں تم پر جس چیز میں چُوک جاؤ لیکن وہ جو دل سے ارادہ کرو اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان" مگر مناظر صاحب کے مطابق ترجمہ یوں بنتا "اور گناہ نہیں تم پر جس چیز میں جان بوجھ کر غلطی کرو لیکن وہ جو دل سے ارادہ کرو اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔ اب دیکھو یہ ترجمہ قرآن پاک کی آیت کو کس طرح بے معنی کر دے گا۔ مناظر صاحب سارے مناظرے میں اس کا صحیح ترجمہ نہ کر سکے، نورستانی اور باقی غیر مقلد علماء اپنے مناظر کی جہالت پر سخت پریشان تھے۔ جو شخص نہ قرآن کا ترجمہ صحیح کر سکے نہ ہمارے امام کے ایک قول کا بھی صحیح ترجمہ کر سکے، حدیث کا ترجمہ بھی غلط کرتا ہو وہ اس فرقہ کا رئیس اور مناظر ہے۔ اب تو حضور ﷺ کا ارشاد پاک واضح ہو گیا کہ آخری زمانہ میں لوگ جاہلوں کو اپنا دینی پیشوا (بلکہ مناظر) بنا لیں گے وہ بے علمی سے مسائل بتائیں گے خود گمراہ ہوں گے دوسروں کو گمراہ کریں گے (متفق علیہ) اس حدیث پاک کے مطابق کس کو اس فرقہ کے ضال اور مضل ہونے

میں شک ہو سکتا ہے؟

تقلید کی تعریف میں ایک اور چکر:

قرآن وحدیث کا نام لے کر تقلید کو شرک کہنے والوں کا جھوٹ اور فریب آج روز روشن کی طرح عیاں ہو چکا تھا، قرآن وحدیث اس مسئلہ میں ان کو دھتکار چکے تھے۔ اب وقت پورا کرنا تھا۔ پھر تقلید کی تعریف کا نیا چکر ڈال دیا تا کہ عوام کے ذہن کا الجھایا جا سکے نورستانی کے مناظر کے پاس نہ قرآن کی آیت تھی نہ نبی ﷺ کا ارشا۔ بزعم خود دس کتابوں کی عبارتیں تقلید کی تعریف پر پڑھ ڈالیں، کتاب التعریفات کو بڑے فخر سے پیش کیا مگر اس کی تین چوتھائی عبارت چھوڑ دی۔ تعصب اور ضد کا خدا ستیاناس کرے نورستانی خود دیکھ رہا تھا مگر اس نے بالکل نہیں کہا کہ بیٹا رسول اکرم ﷺ نے خیانت کو منافق کی نشانی فرمایا ہے۔ ''اہل حدیث کی نشانی نہیں فرمایا'' تم ایسی خیانتیں کر کے ساری جماعت کو بدنام کر رہے ہو، مگر نورستانی اس کو اس بد حرکت سے تب ٹوکتا اس میں اگر ذرہ بھر بھی دیانت ہوتی '' اذلیس فلیس '' بات صرف اتنی تھی کہ بعض کتابوں میں تقلید کے بیان میں لکھا تھا کہ تقلید حقیقی یہ ہے کہ ایسی بات کو ماننا جو بے دلیل ہو۔ اس تعریف کے مطابق نبی ﷺ اور اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں کیونکہ اس کی طرف رجوع کرنا دلیل کی طرف رجوع کرنا ہے اور اس تعریف کے مطابق عوام کا مفتی مجتہد کی طرف رجوع کرنا یا قاضی کا عادل گواہوں کی طرف رجوع کرنا بھی تقلید نہیں کیونکہ اس رجوع کو نص نے واجب قرار دے دیا ہے اور مجتہد کا قول دلیل پر مبنی ہوتا ہے بے دلیل نہیں ہوتا۔ اس لیے مجتہد کی تابعداری کو تقلید نہیں کہا جائے گا۔ لیکن عرف (اہل

اسلام اور اہل اصول) کی یہ مجتہد کی تابعداری کو باوجود دلیل ہونے کے تقلید کہا جاتا ہے اور یہی اہل اصول میں مشہور اور قابل اعتماد ہے (مطلب عبارت فواتح الرحموت) بلکہ غزالی، آمدی اور ابن حاجب نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر رسول ﷺ اور اجماع کی پیروی کو بھی تقلید کہا جائے تو کوئی حرج نہیں (معیار الحق) خلاصہ اس کا یہی ہے کہ اگر تقلید کا معنی بے دلیل بات کو مان لیا جائے تو نبی ﷺ کی پیروی، اور اجماع کی پیروی کی طرح مجتہد کی پیروی کو بھی تقلید نہیں کہا جائے گا کیونکہ ان کی پیروی دلیل کی پیروی ہے، اور اگر تقلید کا معنی یہ لیا جائے کہ کسی با دلیل بات کو بلا مطالبہ دلیل مان لیا جائے تو اس کے موافق نبی ﷺ، اجماع اور مجتہد سب کی پیروی کو تقلید کہا جائے گا مگر عرف میں مجتہد کی پیروی کو تقلید کہا جاتا ہے۔ جیسے حمد اور نعت دونوں لفظوں کا معنی تعریف ہے مگر عرف میں حمد کا لفظ خدا کی تعریف کے لئے اور نعت کا لفظ نبی ﷺ کی تعریف کے لیے خاص ہو گیا ہے، اب اگر کوئی کہے کہ فلاں شخص نے خدا کی نعت پڑھی یا فلاں نے نبی ﷺ کی حمد پڑھی تو دانشور لوگ اس کو پسند نہیں فرمائیں گے، اسی طرح عرف میں مجتہد کی با دلیل بات کو بلا مطالبہ دلیل ماننے کو تقلید کہتے ہیں۔ لیکن لا مذہب مناظر یہی جھوٹ بولتا رہا کہ نبی ﷺ کی با دلیل بات کو ماننا تقلید نہیں اور امام کی بے دلیل بات کو ماننا تقلید ہے۔ حالانکہ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے، اہل سنت کی کسی ایک کتاب میں بھی یہ نہیں ہے کہ مجتہد کی بات بے دلیل ہوتی ہے۔

حوالے کا مطالبہ اور منہ کی کھانا:

نورستانی کے مناظر نے جب دیکھا کہ الفاظ کے چکر سے بھی جان نہیں چھوٹی تو کہا کہ بخاری کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ فرشتہ اس لیے پٹائی کرے گا کہ تو

نے تقلید نہیں کی تھی۔ اس میں لفظ ''لا تلیت'' کا مطلب بیان کیا ہے کہ تو نے تقلید نہ کی اگر یہ مطلب آج سے پہلے کسی شارح حدیث نے بیان کیا ہو تو میں اپنی شکست لکھ دوں گا۔ ایک حوالہ پیش کرو۔ تمہاری فتح میری شکست، مناظر اہل سنت نے فوراً قسطلانی شارح بخاری کی عبارت حاشیہ بخاری سے دکھا دی...... **لا اتبعت العلماء بالتقليد فيما يقولون** ...... یعنی فرشتہ قیامت تک مارتا رہے گا اور کہتا رہے گا تو نے تقلید نہیں کی تھی، بہت سے سامعین نے اٹھ کر عبارت دیکھی۔ تو ہر طرف سے آوازیں آ رہی تھیں کہ مسئلہ ثابت ہو گیا، بانی مناظرہ نے کہا لکھنے لکھوانے کو رہنے دو بات صاف ہو گئی ہے، یہ عجیب لطف رہا کہ اہل سنت مناظر کے دلائل سے سامعین مطمئن تھے، اس لیے کسی نے نہیں کہا کہ آپ وجوب ثابت کر دیں کیونکہ سب دلیل کو سمجھ چکے تھے مگر نورستانی کے مناظر کو بار بار لوگ کہتے تھے کہ مجتہد کی تقلید شخصی کا شرک ہونا قرآن و حدیث سے ثابت کرو۔ پھر لوگوں نے کہا کہ وقت ضائع نہ کرو اور قرآن و حدیث سے مجتہد کی تقلید شخصی کا شرک ہونا ثابت کرو۔

آخری دلیل:

آخر مجبور ہو کر اس نے اپنے معدے کی ساری غلاظت منہ کے ذریعے اگل دی اور جواب آخرت اور خوف خدا سے بے نیاز ہو کر احبار و رہبان والی آیت آئمہ اربعہ پر چسپاں کر دی۔ جبکہ قرآن نے ان احبار اور رہبان کو کہیں مجتہد نہیں کہا بلکہ حرام خور، پرلے درجہ کے جھوٹے، خدا کے احکام کو بدلنے والے، جھوٹی کتابیں لکھ کر خدا کے ذمہ لگانے والے بتایا ہے۔ آئمہ اربعہ کو ان حرام خوروں پر قیاس کرنا دین سمجھانے والوں کو دین مٹانے والوں پر قیاس کرنا۔ مجتہدین کو محرمین پر قیاس کرنا۔ کاشفین وحی کو

کتمانِ وحی کے مجرموں پر قیاس کرنا، حق واضح کرنے والوں کو باطل میں تلبیس کرنے والوں پر قیاس کرنا، خدا رسول کا راستہ بتانے والوں کو خدا اور سول کے راستے سے ہٹانے والوں پر قیاس کرنا، انعام یافتگان کو ضالین اور مغضوبین پر قیاس کرنا، حلوے کو پاخانے پر قیاس کرنا، دودھ کو پیشاب پر قیاس کرنا، اور اس خبیث قیاس کو قرآن کے نام سے پیش کرنا، اس سے بڑا ظلم دنیا میں کیا ہو سکتا ہے، نورستانی اس پر خوش تھا مگر اس نے بھی مناظر سے نہیں کہا کہ بیٹا دلیل تقلید شخصی کی مانگی گئی ہے، اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ جیسے لوگ حنفی شافعی کہلاتے ہیں ذرا ان کے مقلدین کی ایسی نسبتیں تو قرآن سے دکھا دو تا کہ اس کو تقلید شخصی کہا جا سکے۔ بیٹا وہ تو مجتہدین نہیں تھے نہ ان کی تقلید شخصی کی کوئی نسبت۔ ان کی مثال دیکھنی ہے تو اپنی جماعت کو دیکھ لو یہ غیر مجتہد مولویوں کے مسائل اندھا دھند مان رہے ہیں مگر کسی سے ان یہود و نصاریٰ کی طرح تقلیدی شخصی کی کوئی نسبت بھی قائم نہیں کرتے۔

آہ! اگر ان لوگوں میں ایک ذرہ بھی خوف خدا ہوتا۔ ذرہ بھر بھی انسانوں کی شرم ہوتی تو یہ آئندہ کے لیے ان حرام کاروں اور جھوٹوں والی آیت نہ پڑھتے بلکہ آئمہ والی آیت پڑھتے...... **ولقد اتينا موسى الكتاب فلا تكن في مرية من لقائه وجعلنه هدى لبنى اسرائيل** ...... **وجعلنا منهم آئمه يهدون بامرنا** ...... یعنی موسیٰ کے بعد ہم نے بنی اسرائیل میں ایسے امام بنائے جو ہمارے احکام کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، یہ آیت پڑھنی چاہیے تھی۔ پھر بوکھلا کر بولا قرآن میں آتا ہے...... **ولا يشرك في حكمه احدا** ...... اللہ کے حکم میں کوئی شریک نہیں، لوگوں نے کہا پھر منکر حدیث بن جاؤ۔ کہنے لگا نبی ﷺ کو خدا نے حکم میں اپنا

شریک بنالیا ہے، فرمایا ہے جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی ۔ اس لیے نبی ﷺ کو شریک بننے کی اجازت مل گئی ہے، کہا گیا پھر حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی کیا آپ کے تمام امراء بھی خدا کے شریک تھے؟ کہنے لگا رسول ﷺ اپنی نہیں کہتا خدا کی، ہی بات بتا تا ہے اس لیے شریک نہیں کہا جائے گا جب کہا گیا مجتہد بھی اپنی نہیں کہتا خدا رسول کی بات ہی سمجھا تا ہے اس کو کیوں شریک کہا جائے؟ تم جب نا اہل ہو کر اجتہاد کرتے ہو یہ شرک کیوں نہیں اور آئمہ مجتہدین کا اجتہاد کیوں شرک ہے؟ اب اس کی زبان گنگ ہو گئی۔

ضمنی باتیں:

اول...... اصل موضوع سے ہٹ کر کچھ ضمنی باتیں بھی درمیان میں آئیں، اہل سنت مناظر نے جب کہا کہ اہل سنت مناظر چاروں دلیلوں میں سے جس سے چاہے استدلال کرے گا۔ مگر غیر مقلد صرف قرآن وحدیث سے استدلال کرے گا تو غیر مقلد مناظر نے کہا مناظرہ میں صرف اتفاقی دلیل سے استدلال ہوگا۔ تا کہ اتفاق ہو جائے۔ نورستانی نے اپنے مناظر کی بات کو سراہا۔ اہل سنت مناظر نے کہا کہ جب آپ کا مناظرہ اہل قرآن سے ہوگا تو کیا آپ احادیث سے استدلال چھوڑ دیں گے؟ مزید کہا یہ تو یہودیوں والی بات ہوئی جیسا وہ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے نبی ہونے پر یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں تینوں کا اتفاق ہے لیکن حضرت محمد ﷺ کو نہ یہودی نبی مانتے ہیں نہ عیسائی، تو کیا آپ اتفاق کے لیے حضور ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیں گے، یا اگر کوئی رافضی یہی بات کہے کہ حضرت علیؓ کے خلیفہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے، اور خلفاء ثلاثہ کو ہم خلیفہ نہیں مانتے، تو آپ خلفائے ثلاثہ کی خلافت سے انکار کر دیں گے۔ آخر

اس کے جواب سے لاجواب ہو کر چاروں دلیلوں کا صحیح ہونا مان لیا۔

دوسری بات:

اہل سنت والجماعت مناظر نے کہا کہ تم جو یہ غلط مطالبہ کرتے ہو کہ تقلید شخصی کی اصطلاحی تعریف قرآن میں دکھاؤ، کیا اصول حدیث کی تمام اصطلاحات قرآن میں ہیں؟ تو نورستانی کے مناظر نے کہا قرآن میں آتا ہے...... **ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا**...... سند کی تحقیق فرض ہے، اہل سنت مناظر نے کہا کہ صحیح مسلم میں ہے پہلے زمانہ میں لوگ سند کی تحقیق نہیں کرتے تھے، کیا وہ سب صحابہ اور تابعین اس فرض کے تارک تھے؟ اس پر اس نے کہا کہ سارے صحابہ عادل تھے اس لیے تحقیق سند کی ضرورت نہ تھی، تو اسے بتایا گیا کہ آپ کے علماء کا تو یہ عقیدہ ہے کہ خود قرآن نے بعض صحابہ کو فاسق کہا ہے، نواب وحید الزمان جو آپ کے ہاں قرآن اور صحاح ستہ کے مترجم ہیں وہ یہی آیت لکھ کر لکھتے ہیں۔...... **ان جاء کم فاسق بنبا فتبینو**...... یہ ولید بن عقبہ (صحابی) کے حق میں نازل ہوئی یعنی اس آیت میں ان کو فاسق کہا ہے اور قرآن کی آیت...... **افمن کان مؤمنا کمن کان فاسقا**...... میں ولید، معاویہ، عمرو، مغیرہ اور سمرہ کو فاسق کہا گیا ہے، (الا برار ج ۳ ص ۹۴) آئندہ اپنا پورا عقیدہ لوگوں کو بتایا کرو کہ قرآن نے بعض صحابہ کو فاسق اور مقلدین کو مشرک کہا ہے۔

اس کے جواب میں اس نے الزامی طور پر کہا کہ نور الانوار میں حضرت معاویہؓ کو جاہل کہا ہے۔ مناظر اہل سنت نے کہا کہ حاشیہ میں اس کی تردید کر دی گئی ہے وہ تمہیں نظر نہیں آئی، تو اس نے صاف انکار کر دیا کہ یہاں کوئی تردید نہیں نشان لگا کر دو۔

جب نشان لگا کر دیا تو پھر عبارت نظر آئی وہ عبارت اس سے قبل نہ نورستانی کو نظر آئی نہ مناظر صاحب کو جب نشان لگا کر دکھایا تو صم ” بکم “ بن گئے۔

مناظر اہل سنت والجماعت نے سمجھایا کہ ہر قسم کی غلطی سے پاک دنیا میں صرف ایک کتاب ہے، جس کا نام قرآن پاک ہے، دوسری کتابوں میں غلطیاں ہو جاتی ہیں لیکن ایک ہوتا ہے غلطی لگنا، ایک ہوتا ہے غلطی کا چل جانا۔ جس طرح تراویح میں قرآن پاک سناتے ہوئے قاری کو غلطی لگ جاتی ہے مگر سامع اس کی غلطی کو چلنے نہیں دیتا، تو جب غلطی کی اصلاح ہو گئی اور وہ غلطی چلی نہیں تو اب اس غلطی کا کوئی نام بھی نہیں لیتا، اسی طرح اگر کسی مصنف سے ذاتی طور پر غلطی ہوئی تو اس کو شارحین نے چلنے نہیں دیا، اب اس اصلاح شدہ غلطی کو بیان کرنا اور اس کی تردید کا ذکر نہ کرنا یہ بہت بڑا دھوکا ہے اور آپ کی تقریریں اور تحریریں اسی دھوکے پر مبنی ہوتی ہیں۔

الحاصل! کوہاٹ کے اس مناظرہ میں اہل سنت والجماعت کو اللہ تعالیٰ نے نمایاں کامیابی عطا فرمائی جب کہ غیر مقلدین اپنے دعویٰ کہ مجتہدین کی تقلید شخصی شرک ہے اس کو ثابت کرنے میں سو فیصد ناکام رہے۔

(۱) جس طرح مناظرہ ہارون آباد میں وہ اپنی نماز ثابت نہ کر سکا تھا۔ یہاں بھی اپنا دعویٰ ثابت نہ کر سکا۔

(۲) وہ اپنا نام اہل حدیث بھی قرآن سے ثابت نہ کر سکا جیسا کہ پہلے مناظروں میں ثابت نہ کر سکا تھا۔

(۳) وہ یہ بھی ثابت نہ کر سکا کہ حدیث کی ایک کتاب بھی کسی غیر مقلد نے لکھی ہے جس میں نہ اجتہاد کی اہلیت تھی نہ تقلید کرتا تھا بلکہ اسے شرک کہتا تھا۔

(۴) جس طرح کوٹلی نجابت کے مناظرہ میں **لا یرفعهما** کا غلط ترجمہ کرتا رہا کہ وہ رفع یدین کرتے تھے اسی طرح یہاں خطا کا ترجمہ جان بوجھ کر غلطی کرنا کرتا رہا۔

(۵) جس طرح ہارون آباد کے مناظرہ میں اصول کرخی کی آدھی عبارت پڑھتا تھا۔ اسی طرح اس مناظرہ میں بھی آدھی آدھی عبارتیں پڑھتا رہا۔

(۶) تقلید کی مذمت کرنے والے کو تقلید کی صحیح تعریف بھی یاد نہ تھی۔ اس تعریف میں کئی قلابازیاں کھاتا رہا۔

(۷) کافروں والی آیت آئمہ اربعہ پر فٹ کر کے اندرونی خباثت ظاہر کرتا رہا۔

(۸) شرک کی تعریف بھی نہ کر سکا جس کے مطابق ایک کی تقلید شرک ہو اور زیادہ کی تقلید توحید ہو۔

(۹) وہ محدثین جن کا ذکر طبقات حنفیہ، طبقات مالکیہ، طبقات حنابلہ، طبقات شافعیہ میں ہے بقول اس کے وہ سب تقلید شخصی کی وجہ سے مشرک قرار پا گئے۔

(۱۰) آئمہ حرمین شریفین پہلے بھی سب مقلد تھے اب موجودہ سعودی حکومت بھی حنبلی ہے اس وجہ سے وہ بھی بقول اس کے سب مشرک قرار پا گئے۔ ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا۔ ان کے خطبہ سے حج ادا کرنا اب کیسے درست ہوگا؟؟

تلک عشرة كاملة

☆☆☆☆☆

فَاسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ

(القرآن)

مُطالعۂ غیر مقلّدیت

موضوع

فقہ کی اہمیت
قرآن و حدیث کی روشنی میں

مکتبہ الحق

ماڈرن ڈیری جوگیشوری ممبئی ۱۰۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم. اَمَّابعد:

فقہ کی تعریف :

الفقہ لغۃ العلم بالشیء ثم خص بعلم الشریعۃ واصطلاحا عند الاصولیین العلم بالاحکام الشرعیۃ المکتسب من ادلتھا التفصیلیۃ ...... فقہ لغت میں شے کا دریافت کرنا ہے۔ پھر عرف میں فقہ مخصوص ہے علم شریعت سے اور علماء اصول فقہ کی اصطلاح میں احکام شرعیہ فرعیہ کا علم جو اس کے مفصل دلائل سے حاصل ہوا ہو فقہ کہلاتا ہے۔ (درمختار ج، ص ۱۹)

موضوع فقہ:

انسان اپنے ارادہ واختیار سے جو بھی کام کرے یا اس سے رکے، اس ہر کام کا حکم فقہ بیان کرتی ہے...... **وموضوعہ فعل المکلف ثبوتا اوسلبا**......

(درمختار ص ۲۰)

بنیاد فقہ:

واستمد اده من الکتاب والسنة والاجماع والقیاس...... اورفقہ میں مدد لی جاتی ہے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس سے۔ (درمختار ص۲۰)

غرض وغایت:

اس علم کی غرض وغایت یہ ہے کہ انسان احکام شرعیہ کے موافق زندگی گزار کر دنیا وآخرت کی کامیابیوں سے شادکام ہو...... وغایته الفوز بسعادة الدارین......

(درمختار ص۲۱)

فقہ کی سند :

وقد قالو الفقه ررعه عبدالله بن مسعود ؓ وسقاه علقمة وحصده ابراهیم النخعی وداسه حماد وطحنه ابوحنیفه وعجنه ابو یوسف وخبزه محمد وسائرالناس یاکلون ۔ یعنی علماء نے فرمایا ہے کہ حضرت محمد ﷺ سے کتاب وسنت کا بیج لے کر فقہ کا کھیت عبداللہ بن مسعود ؓ نے بویا اور علقمہ نے اس کو سینچا اور ابراہیم نخعی نے اس کو کاٹا اور حماد نے اس کو مانڈا، یعنی اناج جدا کیا بھوسے سے اور ابوحنیفہ نے اس کو پیسا اور ابو یوسف نے اس کو گوندھا اور محمد بن حسن نے اس کی روٹیاں پکائیں اور باقی سب لوگ اس کو کھانے والے ہیں (درمختار ۲۷)

الحمدللہ اس سند کی ابتداء بھی محمد رسول اللہ ﷺ اور انتہا بھی امام محمد پر ہے، یہی فقہ محمدی ہے۔ واللہ لحمد......

فقہ کی کتابیں :

فقہ کی کتابیں امام محمد ؒ نے لکھیں جو امام صاحب ؒ کے شاگرد ہیں۔ ان کا

وصال ۱۸۹ھ میں ہوا ہے۔ ان کی چھ کتابیں تواتر اور شہرت کی وجہ سے ظاہر الروایة کہلاتی ہیں، یہ ان سے متواتر ہیں ہمارے متون فقہ قدوری، کنز، وقایہ، نقایہ وغیرہ ان ہی کتابوں سے ماخوذ ہیں، جیسے مشکوۃ، صحاح ستہ وغیرہ سے ماخوذ ہے۔

فقہ کے مسائل :

فقہ کے مسائل تین طرح کے ہیں :

(۱) وہ جو تواتر اور شہرت سے امام صاحب سے منقول ہیں۔ عموماً متون فقہ ان پر ہی مبنی ہے۔

(۲) جو اخبار آحاد کے طرز پر منقول ہیں۔ ایسی روایات کو نوادر کہتے ہیں۔ یہ شروح اور فتاوٰی کی کتابوں میں مذکور ہوتے ہیں۔

(۳) وہ مسائل جو امام صاحب ؒ کے بعد پیش آئے اور امام صاحب کے اُصولوں پر ان کا حکم استنباط کرلیا گیا وہ بھی فقہ حنفی ہی کہلاتے ہیں، جیسے حساب کے اُصول سے جو جواب نکالا جائے، جیسے ۸×۹=۷۲، اس کو حساب کا جواب ہی کہتے ہیں۔

نقل مسائل :

فقہ کے روزمرہ پیش آنے والے مسائل جو متون متواترہ اور مشہورہ میں ہیں، وہ سند کے محتاج نہیں ہوتے، جیسے قرآن پاک، لغت کے روزانہ استعمال ہونے والے الفاظ مثلاً گلاس، چارپائی یا صرف نحو کے روزانہ استعمال ہونیوالے قاعدے، جیسے کل فاعل مرفوع وغیرہ، اور جو مسائل کتب متواترہ یا مشہورہ میں نہ ہوں ان کا ثبوت صحت سند پر موقوف ہوتا ہے۔

مذہب حنفی:

جس طرح قرآن پاک کی بڑی تفاسیر میں متواتر قرائتوں کے علاوہ شاذ اور متروک قرائتیں بھی درج ہوتی ہیں، مگران شاذ متروک قرائتوں کو قرآن نہیں کہا جاتا۔ قرآن وہی ہے جو عوام متواتراً تلاوت کر رہے ہیں۔ اسی طرح کتب حدیث میں متواتر، مشہورہ، آحادیث کے علاوہ ضعیف، شاذ بلکہ موضوع حدیثیں تک درج ہوتی ہیں۔ مگران شاذ، متروک اور موضوع احادیث کو سنت نہیں کہا جاتا۔ سنت وہی احادیث ہیں جن کے ساتھ عملی تواتر شامل ہو جائے۔ اس طرح کتب فقہ کے فتاویٰ وغیرہ کی بڑی کتابوں میں متواتر، مشہور اور مفتی بہا اقوال کے علاوہ شاذ، متروک اور غیر مفتی بہا اقوال بھی موجود ہوتے ہیں، مگران میں سے مذہب حنفی صرف ان مسائل کا نام ہے جو احناف میں عملاً متواتر اور مفتی بہا ہیں۔ متروک العمل اور غیر مفتی بہا اقوال مذہب حنفی نہیں۔ مذہب کا معنی ہی شاہراہ ہے جس پر لوگ رات دن چلتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں ...... **یآیھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و قولوا قولاً سدیدًا** ...... اے ایمان والوں! اللہ سے ڈرو اور مضبوط بات کہو“ فقہ کی کتابوں میں جو باتیں احناف میں عملاً متواتر اور مفتی بہ ہیں وہی مضبوط کہلاتی ہیں۔ متروک العمل اور غیر مفتی بہ مسائل پر اعتراض کرنے والے خوف خدا سے خالی ہیں۔ اسی طرح لکھا ہے...... **وان الحکم والفتیا بالقوال المر جوح جھل وخرق للا جماع** ...... اور یہ کہ قاضی کا حکم اور مفتی کا فتویٰ مرجوح قول پر دینا جہالت ہے اور اجماع کا پھاڑنا ہے، یعنی حرام اور باطل ہے (درمختار ج۱ ص ۴۱)

گویا متروک العمل اور غیر مفتی بہ اقوال پر اعتراض کرنے والے......

سمّٰعون للکذب اکّالون للسُّحت ...... کی مد میں ہیں اور جاہل ہیں، جن کے لئے کتاب وسنت میں دوزخی ہونے کی وعید ہے۔

غلطی لگنا اور غلطی پر چلنا :

ہم صرف خدا کی کتاب کو ”لا ریب فیہ“ مانتے ہیں۔ انسانوں لکھی ہوئی کتابیں خواہ حدیث کی ہوں، خواہ فقہ کی، ان سے بھول چوک اور غلطی ہو جاتی ہے، یہ انسانی فطرت ہے، لیکن دوسرے اہل فن اس غلطی کو چلنے نہیں دیتے، جیسے رمضان المبارک میں قاری صاحب تلاوت کرتے ہیں۔ بعض اوقات غلطی لگتی ہے، مگر سامع حافظ لقمہ دے کر اس غلطی کو درست کرا دیتا ہے، اس کو چلنے نہیں دیتا، اب کوئی ایسی غلطیوں کو اکٹھا کر کے قرآن یا قاری کو غلط کار کہے، اشتہار دے تو یہ اس کی جہالت ہے، جب وہ غلطی چلی نہیں تو اس پر شور مچانا ہی غلط کاری ہے۔ اسی طرح اگر کسی مصنف سے غلطی ہوئی تو شارحین وغیرہ نے فوراً اس کی اصلاح کر دی۔ اس کو چلنے نہیں دیا اس لئے کسی ایسی غلطی کو پیش کرنا جو چلی ہی نہیں خدا کے حکم ...... **قولو الھم قولا معروفا ...... واذ قلتم فاعدلوا** ...... کے بھی خلاف ہے اور خرق اجماع ہے۔ ہاں کسی ایسی غلطی کی نشاندہی فرمائیں جو اہل سنت میں چل گئی ہو، سب احناف کا اس پر عمل اور فتویٰ ہو اور کسی نے اس کی اصلاح نہ فرمائی ہو، اگر کوئی صاحب پیش فرمائیں تو ہم شکریہ ادا کر کے اس پر غور کریں گے۔ ان دس ضروری اور تمہیدی باتوں کو ذہن میں رکھ کر اگلی معروضات پر غور فرمائیں۔ ان مذکورہ دس باتوں میں سے اگر کسی بات کو قرآن کی صریح آیت یا نبی پاک ﷺ کی صحیح، صریح، غیر معارض حدیث کے خلاف ثابت کر دیا جائے تو ہم اس بات سے دستبردار ہو جائیں گے۔

آمدم برسر مطلب :

جس طرح قرآن نے شرک کو توحید کی ضد فرمایا اور شرک سے منع فرمایا اور بدعت کو سنت کے خلاف نبی کریم ﷺ نے ضد فرمایا اور بدعت سے منع فرمایا، اسی طرح کسی آیت میں خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ فقہ کو نہ ماننا، وہ قرآن کے خلاف ہے اور پاک پیغمبر ﷺ نے کسی حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ فقہ کو نہ ماننا وہ میری سنت کو مٹانے والی ہے۔ اگر ایسی آیت یا حدیث پاک ہمیں کوئی صاحب پیش فرمائیں تو ضرور قبول کریں گے۔

آیت قرآنی :

یُؤتِی الحِکمَتَ مَن یَّشَاءُ وَمَن یُؤتَ الحِکمَتَ فَقَد اُوتِیَ خَیرًا کَثِیرًا. وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُو الاَلبَابَ...... ”اللہ عنایت کرتا ہے حکمت جس کو چاہتا ہے اور جو حکمت دیا گیا وہ خیر کثیر دیا گیا اور نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں“ اس آیت کریمہ میں خیر کو حکمت فرمایا ہے، اور حکم کی حکمت و علت تک پہنچنے کو ہی فقہ کہتے ہیں۔ اس لئے رسول پاک ﷺ نے فرمایا...... من یرد اللہ بہ خیرًا یفقھہ فی الدین ...... (بخاری ج۱/ص۱۶) اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی اور خیر کا ارادہ فرمائیں تو اس کو دین کو فقیہ بنا دیتے ہیں اور یہ بھی فرمایا: خیارھم فی الجاھلیة خیارھم فی الاسلام اذ افقھوا (بخاری ج۱/ص۴۷۹) جاہلیت میں جو خیار تھے وہ اسلام میں بھی خیار بن سکتے ہیں بشرطیہ فقیہ بن جائیں۔ جب اللہ اور اللہ کے رسول

ﷺ نے فقہ کو خیر اور فقہاء کو خیار فرمایا تو فقہ سے محروم یقیناً خیر سے بھی محروم ہے اور فقہ سے روکنے والا خیر سے روکنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں...... لَاتُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ مَّهِینٍ. مَنَّاعٍ لِّلخَیرِ مُعتَدٍ اَثِیمٍ. عُتُلٍّ بَعدَ ذَالِکَ زَنِیمٍ...... ”نہ کہا مان ہر قسم کھانے والے کمینے کا جو خیر سے روکتا ہے، حد سے بڑھا ہوا گنہگار ہے اور اجڈ اور بد نسل ہے۔“ خدا سے ڈرو، خیر سے روک کر اس حکم کی زد میں نہ آؤ۔

فرمان خداوندی :

وَمَا کَانَ المُؤمِنُونَ لِیَنفِرُوا کَافَّةً فَلَولَا نَفَرَ مِن کُلِّ فِرقَةٍ مِّنهُم طَائِفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوا فِی الدِّینِ وَلِیُنذِرُوا قَومَهُم اِذَا رَجَعُوا اِلَیهِم لَعَلَّهُم یَحذَرُونَ ...... اور ایسے تو نہیں کہ سب مسلمان کوچ کریں (جہاد کے لئے) سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ (قوم) میں سے ان کا ایک حصہ تا کہ تفقہ فی الدین حاصل کریں اور خبر پہنچائیں اپنی قوم کو جب لوٹ کر آئیں ان کی طرف تا کہ وہ بچتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس جگہ تعلم کا لفظ چھوڑ کر تفقہ کا لفظ اختیار فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ علم دین کا محض پڑھ لینا کافی نہیں، وہ تو بہت سے کافر، یہودی اور نصرانی بھی پڑھتے ہیں اور شیطان کو سب سے زیادہ حاصل ہے، بلکہ علم دین سے مراد دین کی سمجھ پیدا کرنا ہے۔ یہی لفظ تفقہ کا ترجمہ ہے اور یہ فقہ سے مشتق ہے۔ فقہ کے معنی سمجھ بوجھ کے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ قرآن مجید نے یہاں مجرد کے صیغے سے لیفقھوا الدین، یعنی ”دین کو سمجھ لیں“ نہیں فرمایا، بلکہ لیتفقھوا فی الدین فرمایا جو باب تفعل سے ہے۔ اس کے معنی میں محنت اور مشقت کا مفہوم شامل ہے۔ مراد یہ ہے کہ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے میں پوری محنت اور مشقت اٹھا کر مہارت پید

کریں اس آیت کریمہ میں دو طبقوں کا ذکر ہے، مجاہدین اور فقہاء کا، آنحضرت ﷺ نے بھی اسلام کی سربلندی کا مدار ان ہی دو گروہوں پر رکھا ہے (بخاری ج۱ ص ۱۶،۸ مسلم ج۲ ص ۱۴۴) مجاہدین کا کام ملک گیری ہے کہ کافروں سے ملک چھین کر اسلامی سلطنت میں شامل کرنا اور فقہا کا کام ملک داری ہے کہ خدا کی زمین پر خدا کا قانون فقہ اسلامی کی شکل میں نافذ کرنا، ان دو ہی چیزوں میں اسلام کی سربلندی ہے۔ اس آیت کریمہ کے اولین مخاطبین صحابہ کرامؓ ہیں جن کی مادری زبان عربی تھی۔ وہ قرآن کی آیت اور نبی کی حدیث سن کر اس کا مطلب اور ترجمہ ہم سے بہت اچھا سمجھ لیتے تھے، ان عربی دانوں میں ایک جماعت کو کہنا کی فقیہ بنو اور دوسرے عربی دانوں کو کہنا کہ ان فقہاء کے فقہی فتاوی پر عمل کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقہ صرف ترجمہ جان لینے کا نام نہیں بلکہ وہ ایک خاص علمی گیرائی اور گہرائی کا نام ہے جس تک ہر عربی دان بھی نہیں پہنچ سکتا۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ کو جب یمن بھیجا اور فرمایا کہ اگر فیصلہ کتاب و سنت سے نہ ملا تو فیصلہ کس طرح کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اس پر آپ بہت خوش ہوئے۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت معاذؓ جو اجتہاد اور فقہی فیصلہ فرماتے ان فیصلوں کو اہل یمن تسلیم کر لیتے، حالانکہ اہل یمن کی اپنی مادری زبان عربی تھی۔ نہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ معاذ! جب بات اجتہاد تک آ جائے تو ان سب کو کہنا کہ اجتہاد کر لیں، کیونکہ سب کے سب عربی ہیں اور قرآن و حدیث بھی عربی میں ہے، وہ اس کا مطلب اور ترجمہ جانتے ہیں، نہ ہی حضرت معاذؓ نے ان عربی دانوں کو یہ حق دیا، نہ ہی ان عربی دانوں نے حضور ﷺ سے یا حضرت معاذ سے اس حق کا مطالبہ کیا، بلکہ وہ سب کے سب عربی دان ہو کر بھی اجتہادی مسائل میں حضرت معاذؓ

کی ہی تقلید شخصی کرتے رہے۔

فرمان رسول ﷺ :

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تروتازہ رکھے اس شخص کو جو میری بات (حدیث) سنے پھر اسے یاد رکھے اور آگے پہنچادے (فقیہ کے پاس کیونکہ بہت سے عربی دان محدث ایسے بھی ہوں گے جن کو وہ حدیث خوب یاد ہے جس میں فقہی مسائل ہیں، مگر وہ محدث غیر فقیہ ہونے کی وجہ سے ان فقہی مسائل کا استنباط نہیں کرسکتا) اور بہت سے ایسے فقیہ ہوں گے کہ اس حدیث کے پہنچانے والے محدث سے بہت زیادہ فقیہ ہوں گے (مشکوۃ ص ۳۵)

اس آیت اور حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن و حدیث میں فہم فقیہ ہی حجت ہے، غیر فقیہ کی سمجھ حجت نہیں اگرچہ وہ محدث ہوں۔ اللہ و رسول ﷺ نے ہمیں فقہا کے سپرد فرمایا ہے۔ حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں جو شخص صرف حدیثیں جمع کرتا ہے اور ان سے فقہی مسائل کا استنباط نہیں کرسکتا وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص دوائیاں جمع کر لے اور ان کے محل استعمال اور طریقہ استعمال کو نہیں جان سکتا جب تک طبیب کے پاس نہ جائے۔ اس طرح محدث حدیث کی فقہ نہیں جان سکتا جب تک فقیہ کے پاس نہ آئے (الخیرات الحسان ص ۵۷)

خود محدثین کو بھی اس بات کا اعتراف ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں ......علیک بالفقہ فانہ ثمرۃ الحدیث...... فقہ کو لازم پکڑ، وہ حدیث کا ہی پھل ہے۔ (الحطہ)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں ...... **کذلک قال الفقهاء وهم اعلم بمعانی الحدیث** ...... (ترمذی باب غسل المیت) اسی طرح فقہانے فرمایا اور وہ ہم (محدثین) سے زیادہ حدیث کے معانی کو سمجھنے والے ہیں۔ محدث اور فقیہ میں ایسا ہی فرق ہوتا ہے جیسا حافظ قرآن اور مفسر قرآن میں۔ ہر حافظ قرآن مفسر قرآن نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ سب محدثین آئمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کے مقلد رہے۔ چنانچہ خود محدثین نے جو کتابیں محدثین کے حالات میں تحریر فرمائی وہ چار ہی قسم کی ہیں ...... طبقات حنفیہ، طبقات شافعیہ، طبقات مالکیہ اور طبقات حنابلہ ...... آج تک کسی مسلمہ محدث نے طبقات غیر مقلدین نامی کوئی کتاب نہیں لکھی۔ جن کتابوں سے ان لوگوں کا مسلم اور محدث ہونا ثابت ہے ان ہی کتابوں سے ان کا مقلد ہونا ثابت ہے۔

فرمان باری تعالیٰ :

وَاِذَاجَاءَ هُمْ اَمْرٌ مِنَ الْاَمْنِ اَوِالْخَوْفِ اَذَاعُوابِه ......وَلَوْ رَدُّوهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهُ مِنْهُمْ. وَلَوْ لَافَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ اِلَّاقَلِيْلًا ......اور جب ان کے پاس پہنچتی ہے کوئی خبر امن یا ڈر کی تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں، اور اگر اس خبر کو پہنچا دیتے رسول تک اور اپنے اولی الامر تک تو تحقیق کرتے اس کی ان میں جو تحقیق کرنے والے ہیں اس کی۔ اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا اور اس کی مہربانی تو البتہ تم پیچھے ہو لیتے شیطان کے مگر تھوڑے ......اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تحقیق کا حق دو ہستیوں کو دیا، رسول اور اہل استنباط کو، استنباط کا مطلب ہے زمین میں چھپے ہوئے پانی کو نکال لینا اسی طرح کتاب وسنت کی تہہ میں پوشیدہ مسائل کے نکال لینے کو فقہ کہتے ہیں۔ اس

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے استنباط کا لفظ بیان کر کے ایک تو یہ بات سمجھادی کی جتنا انسانی زندگی کے لئے پانی ضروری ہے اتنی ہی اسلامی زندگی کے لئے فقہ ضروری ہے دوسری یہ بات سمجھادی کہ جس طرح کنواں کھودنے والا کنواں کھود کر چھپے ہوئے پانی کو صرف ظاہر کرتا ہے، اس پانی کو خود پیدا نہیں کرتا بلکہ خدا کے پیدا کئے ہوئے پانی کو ہی ظاہر کرتا ہے، اسی طرح مجتہد خود اپنی طرف سے مسئلہ نہیں گھڑتا، بلکہ خدا تعالیٰ کی ہی کتاب وسنت سے ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ کنوئیں کا پانی خدا کے پانی کے خلاف ہے، نہایت احمقانہ بات ہے۔ ایسی ہی احمقانہ بات یہ ہے کہ فقہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ جس طرح ایک آدمی کنواں کھود لے اور سارا گاؤں اسی کنویں کا پانی استعمال کرے تو نہ یہ شرک ہے، نہ کفر، نہ حرام۔ اسی طرح ایک مجتہد نے اجتہاد کرلیا، باقی سب نے اس کی تقلید کرلی تو یہ خدا اور رسول ﷺ کی ہی تابعداری ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل نہ ہوتا کہ رسول اور مجتہد کی تحقیق سب کے لئے کافی ہے تو تم میں سے بہت سے لوگ فقہا کو چھوڑ کر شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔ خود پاک پیغمبر نے ﷺ بھی یہی فرمایا...... **فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد** (ترمذی) ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے، دیکھو عابد نفل نمازیں، نفل روزے یقیناً زیادہ کرتا ہے، مگر شیطان کو ان نمازوں اور روزوں سے بھی اتنی چڑ نہیں جتنی فقہ سے ہے۔ جس طرح اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ فقہ کی مخالفت کرنے والا شیطان ہے، کیا کسی حدیث میں فقہ کے مخالف کو اہل حدیث کہا گیا ہے؟ ...... **فَمَالِ هٰٓؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا** ’’سو کیا ہو گیا ان لوگوں کو کہ ہرگز نہیں لگتے کہ سمجھیں کوئی بات‘‘...... **قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ**

یَفْقَهُون ...... اور البتہ ہم نے اپنی آیت کی تفصیل کردی اس قوم کے لئے جوصاحب فقاہت ہے...... وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوبِهِمْ اَكِنَّةً اَن يَّفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ”اور ہم نے ان کے دلوں میں پردے ڈال رکھے ہیں تاکہ اس کو نہ سمجھیں اور رکھ دیا ان کے کانوں میں بوجھ“ یعنی اب نہ وہ خود فقیہ ہیں نہ فقیہ کی سنتے ہیں...... وَطُبِعَ عَلٰی قُلُوبِهِمْ بِاَنَّهُمْ قَوم“ لَّا يَفْقَهُونَ ...... اور پھیر دیئے اللہ نے دل ان کے اسی واسطے کہ وہ لوگ یہی ہیں کہ نہیں سمجھتے...... لَهُم قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا...... ان کے دل ہیں، ان سے سمجھتے نہیں...... ذَالِكَ بِاَنَّهُم قَوم“ لَا يَفْقَهُونَ ...... یہ اس لئے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے...... وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقُونَ لَايَفْقَهُون...... لیکن منافق نہیں سمجھتے۔

رسول پاک ﷺ بھی فرماتے ہیں: خصلتان لا تجتمعان فی منافق حسن سمت ولا فقه فی الدین (مشکوۃ) دو عادتیں منافق میں جمع نہیں ہو سکتیں، نہ حسن اخلاق اور نہ ہی فقہ فی دین“ جس طرح اس حدیث پاک سے صراحتاً فقہ کے منکر کا بد اخلاق اور منافق ہونا ثابت ہوا، ہمیں کسی آیت یا حدیث میں یہ نہیں ملا کہ فقہ کے منکر کو اللہ اور رسول ﷺ نے اہل حدیث کہا ہو۔ ہم نے یہ تیرہ آیات اور کئی احادیث پیش کی ہیں کہ فقہ کو ماننا ضروری ہے۔ جس طرح فرقہ ”اہل قرآن“ لوگوں کو کہتا ہے کہ اہل حدیثوں نے خدا کا قرآن چھوڑ کر مخلوق پرستی شروع کر رکھی ہے، ایک عربی قرآن کے مقابلے میں چھ عجمی قرآن صحاح ستہ کے نام سے بنا رکھے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں قرآن کے خلاف ہیں، عقل کے خلاف ہیں، ان میں حیا سوز باتیں ہیں، اہل حدیث حدیثوں کو قرآن کا نچوڑ کہتے ہیں اور قرآن کو معاذ اللہ پھوگ سمجھتے ہیں، بالکل یہی باتیں ان سے سیکھ کر غیر مقلدین فقہ کے خلاف دہراتے ہیں، لیکن جیسے یہ ان کے

دل کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں جو آج تک ایک آیت قرآنی پیش نہیں کر سکے جس کا ترجمہ ہو کہ حدیث قرآن کے خلاف ہے، اس میں حیا سوز باتیں ہیں اس لئے ہم سب سمجھتے ہیں کہ جب وہ خدا تعالیٰ سے یہ باتیں ثابت نہیں کر سکے تو ان کے اس بات کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ قرآن کو سمجھ سکے ہیں اور نہ حدیث کو، اس لئے بے سمجھی سے ان کو ایک دوسرے کا مخالف سمجھ رہے ہیں۔ اس طرح غیر مقلدین آج تک ایک آیت اور ایک حدیث بھی پیش نہیں کر سکے کہ اللہ اور رسول ﷺ نے فرمایا ہو کہ فقہ قرآن اور حدیث کے خلاف ہے، تو ہم بھی یہی کہتے کہ قرآن وحدیث میں بقول خدا اور رسول فہم فقیہ حجت ہے نہ کہ فہم سفیہ، تو اگر کوئی اپنی سفاہت سے نہ قرآن وسنت کو سمجھے اور نہ فقہ کو اور بے سمجھی سے مخالف قرار دے تو ہم اس کی اس بات کے مکلّف نہیں ہیں۔ ہمیں تو اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ نے فقہا کے سپرد کیا ہے نہ کہ سفہاء کے، اللہ تعالیٰ انکار فقہ کی شیطنت اور نفاق سے بچائیں۔

فقہ کی مثال :

جس طرح اللہ تعالیٰ نے استنباط کے لفظ سے فقہ کی ضرورت اور اہمیت سمجھائی ہے، اسی طرح رسول اقدس ﷺ نے مثال بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے جو وحی مجھ پر نازل فرمائی اس کی مثال موسلا دھار بارش کی سی ہے۔ فرمایا بارش زمین پر برسی، لیکن زمین تین قسم کی تھی......

(۱) ایک ارض طیبہ، اس پاکیزہ اور ستھری زمین نے اپنا سینہ کھول کر اس بارش کو جذب کرلیا اور پھر اس کی برکت سے زندگی کی تمام ضروریات اس کھیت میں پیدا ہوئیں۔

(۲) دوسری قسم کی زمین نشیب تھی۔ اس میں بارش کا پانی بھر گیا۔ گویا تالاب کی شکل میں جمع ہوگیا۔

(۳) تیسری قسم کی زمین ایک ٹیلہ تھی، نہ اس میں کوئی پانی ٹھہرا اور نہ اس میں کوئی فصل اگی۔ فرمایا کہ یہ مثال فقہ فی الدین کی ہے۔ (مشکوۃ بمعناہ بخاری، مسلم)

آپ ﷺ نے اول جس زمین کا ذکر فرمایا اسے ارض طیبہ قرار دیا، یہ مثال فقہ کی کتابوں کی ہے۔ اس میں اس پانی کی برکت سے تمام ضروریات زندگی مل جاتی ہے، اناج، غلہ، پھل، پھول، گنا، سبزیاں، گھاس، چارہ، دوا دارو کے لئے جڑی بوٹیاں، لباس کے لئے کپاس وغیرہ، اگرچہ بعض اوقات یہ کھیت خشک نظر آئے، اس میں پانی کا قطرہ بھی نظر نہ آیا مگر اس کی فصل ہر پھل، ہر پتا اس پانی کی برکت کا ہی ظہور ہے۔ اسی لئے کہ اگر کسی فقہ کی کتاب میں قال اللہ اور قال الرسول کا لفظ صراحتا موجود نہ ہو تب بھی یہ تمام مسائل کتاب وسنت کے ہی ثمرات ہیں۔ اس لئے یہ بات واضح ہوگئی کہ ضروریات زندگی میں جتنی کھیت کی اہمیت ہے اتنی ہی اسلامی زندگی میں فقہ کی اہمیت ہے۔ دوسری قسم کی زمین جس میں پانی تالاب کی شکل میں کھڑا ہوگیا یہ حدیث کی کتابیں ہیں۔ جس طرح تالاب میں پانی سب کو نظر آتا ہے، یہاں قال الرسول سب کو نظر آتا ہے۔ اگر بارش کے براہ راست پانی میں کچھ کمی ہو تو اس پانی سے بھی کھیت کو سینچا جا سکتا ہے، سب کو معلوم ہے کہ کھیت کی طرح تالاب میں سب ضروریات زندگی نہیں ملتیں، بلکہ اکثر ضروریات زندگی میں تالاب والے بھی کھیت والوں کے محتاج ہوتے ہیں، اسی لئے سب محدثین کسی نہ کسی امام کے مقلد ہوئے ہیں۔ فقہ کی چھوٹی سے چھوٹی کتاب میں آپ کو نماز، نماز عید، نماز جنازہ کی مکمل تفصیل اور تمام مسائل کا حل ملے گا۔

جب کہ حدیث کی بڑی سے بڑی کتاب میں بھی آپ کو روزانہ پانچ دفعہ پڑھی جانے والی نماز کا مکمل طریقہ نہیں ملے گا۔ اور تیسری وہ زمین ہے جس پر نہ پانی ٹھہرا اور نہ فصل اُگی، یہ وہی فرقے ہیں جن کی دنیا میں حدیث کی کوئی کتاب نہیں اور نہ فقہ اور نہ اصول فقہ کی۔ مقلدین مانگ کر کھیت والوں سے ضروریات زندگی لیتے ہیں اور یہ بے چارے چوری کر کے۔ بہر حال کوئی کتاب والا ہو یا ٹیلے والا وہ اپنی ضروریات زندگی میں کھیت کا محتاج ہے، اور سر کی ٹوپی، جسم کے کپڑے، پاؤں کے جوتے، پیٹ میں غذا سب میں کسی نہ کسی طرح اسی کھیت کا دخل ہے، ہاں مانگ کر گنا لے لیا جائے تو وہ حلال ہوتا ہے اور چوری کر لیا جائے تو وہ حرام ہی ہوتا ہے۔

فقہ کی فضیلت:

رسول پاک ﷺ فرماتے ہیں ”عالم (فقیہ) کے لئے آسمانوں اور زمینوں کی ساری مخلوقات استغفار کرتی ہے اور سمندر کی تہہ کی مچھلیاں تک، اور عالم (فقیہ) کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کی تاروں پر اور بیشک علما (فقہاء) نبیوں کے وارث ہیں (مشکوۃ، احمد، ترمذی، ابوداوٗد)

اسی طرح آپ ﷺ کی خدمت میں ایک عالم (فقیہ) اور عابد کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: عالم (فقیہ) کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ اور اس کے فرشتے اور تمام ساکنین ارض وسماء یہاں تک کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلی سمندر کی تہہ میں لوگوں کو خیر (فقہ) سکھانے والے کے لئے دعا کرتے ہیں (مشکوۃ بحوالہ ترمذی) ان دونوں حدیثوں میں عالم کا مطلب فقیہ اسی لئے لیا ہے کہ خود حدیث میں عابد کے مقابلے میں

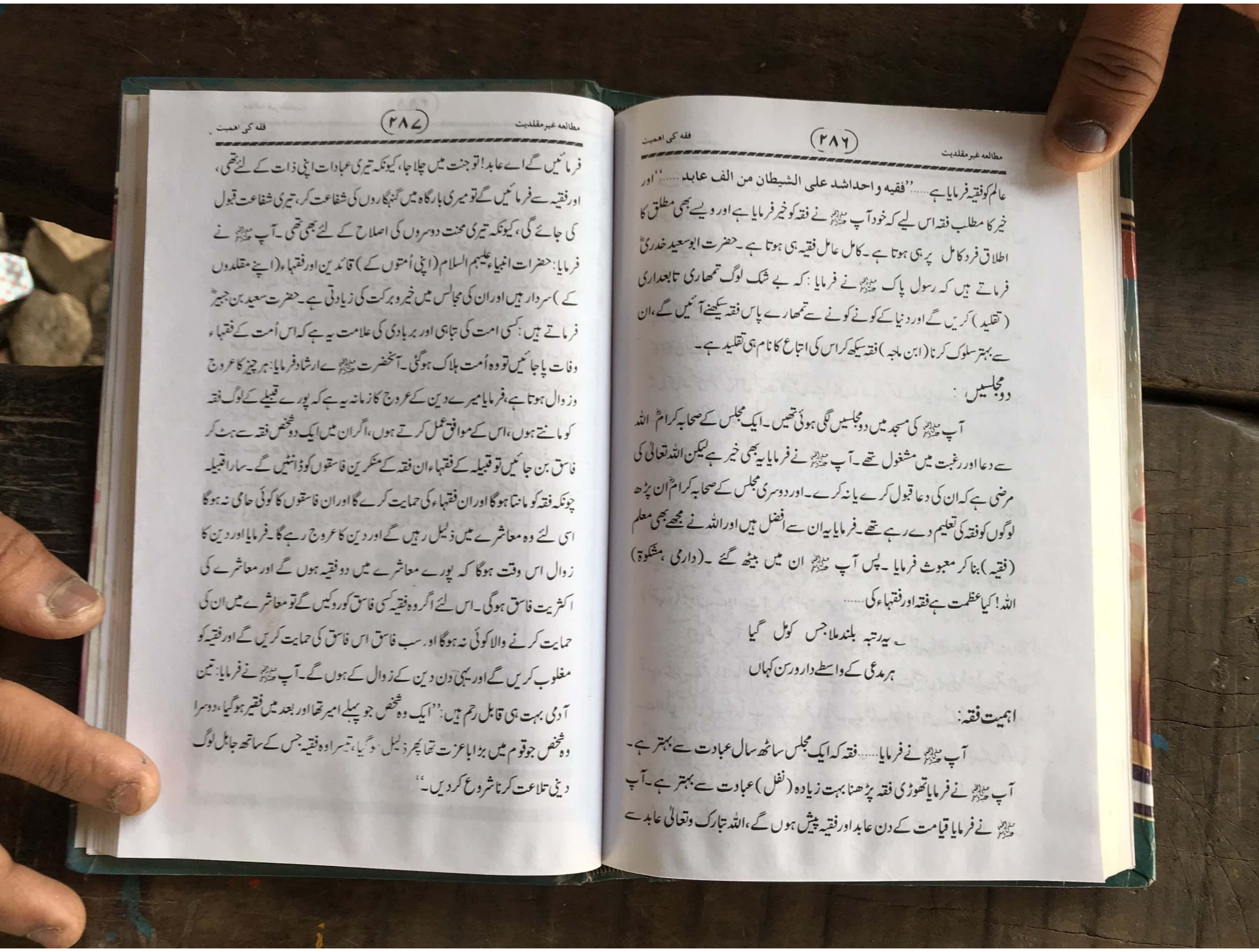

عالم کو فقیہ فرمایا ہے...... ”فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد......“ اور خیر کا مطلب فقہ اس لیے کہ خود آپ ﷺ نے فقہ کو خیر فرمایا ہے اور ویسے بھی مطلق کا اطلاق فرد کامل پر ہی ہوتا ہے۔ کامل عامل فقیہ ہی ہوتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: کہ بے شک لوگ تمھاری تابعداری (تقلید) کریں گے اور دنیا کے کونے کونے سے تمھارے پاس فقہ سیکھنے آئیں گے، ان سے بہتر سلوک کرنا (ابن ماجہ) فقہ سیکھ کر اس کی اتباع کا نام ہی تقلید ہے۔

دو مجلسیں:

آپ ﷺ کی مسجد میں دو مجلسیں لگی ہوئی تھیں۔ ایک مجلس کے صحابہ کرامؓ اللہ سے دعا اور رغبت میں مشغول تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بھی خیر ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ ان کی دعا قبول کرے یا نہ کرے۔ اور دوسری مجلس کے صحابہ کرامؓ ان پڑھ لوگوں کو فقہ کی تعلیم دے رہے تھے۔ فرمایا یہ ان سے افضل ہیں اور اللہ نے مجھے بھی معلم (فقیہ) بنا کر مبعوث فرمایا۔ پس آپ ﷺ ان میں بیٹھ گئے۔ (دارمی، مشکوۃ)

اللہ! کیا عظمت ہے فقہ اور فقہاء کی......

؎ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اہمیت فقہ:

آپ ﷺ نے فرمایا...... فقہ کہ ایک مجلس ساٹھ سال عبادت سے بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھوڑی فقہ پڑھنا بہت زیادہ (نفل) عبادت سے بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن عابد اور فقیہ پیش ہوں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ عابد سے

فرمائیں گے اے عابد! تو جنت میں چلا جا، کیونکہ تیری عبادات اپنی ذات کے لئے تھی، اور فقیہ سے فرمائیں گے تو میری بارگاہ میں گنہگاروں کی شفاعت کر، تیری شفاعت قبول کی جائے گی، کیونکہ تیری محنت دوسروں کی اصلاح کے لئے بھی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: حضرات انبیاء علیہم السلام (اپنی اُمتوں کے) قائدین اور فقہاء (اپنے مقلدوں کے) سردار ہیں اور ان کی مجالس میں خیر و برکت کی زیادتی ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں: کسی امت کی تباہی اور بربادی کی علامت یہ ہے کہ اس اُمت کے فقہاء وفات پا جائیں تو وہ اُمت ہلاک ہوگئی۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر چیز کا عروج و زوال ہوتا ہے، فرمایا میرے دین کے عروج کا زمانہ یہ ہے کہ پورے قبیلے کے لوگ فقہ کو مانتے ہوں، اس کے موافق عمل کرتے ہوں، اگر ان میں ایک دو شخص فقہ سے ہٹ کر فاسق بن جائیں تو قبیلہ کے فقہاء ان فقہ کے منکرین فاسقوں کو ڈانٹیں گے۔ سارا قبیلہ چونکہ فقہ کو مانتا ہوگا اور ان فقہاء کی حمایت کرے گا اور ان فاسقوں کا کوئی حامی نہ ہوگا اسی لئے وہ معاشرے میں ذلیل رہیں گے اور دین کا عروج رہے گا۔ فرمایا اور دین کا زوال اس وقت ہوگا کہ پورے معاشرے میں دو فقیہ ہوں گے اور معاشرے کی اکثریت فاسق ہوگی۔ اس لئے اگر وہ فقیہ کسی فاسق کو روکیں گے تو معاشرے میں ان کی حمایت کرنے والا کوئی نہ ہوگا اور سب فاسق اس فاسق کی حمایت کریں گے اور فقیہ کو مغلوب کریں گے اور یہی دن دین کے زوال کے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تین آدمی بہت ہی قابل رحم ہیں: ”ایک وہ شخص جو پہلے امیر تھا اور بعد میں فقیر ہوگیا، دوسرا وہ شخص جو قوم میں بڑا باعزت تھا پھر ذلیل ہوگیا، تیسرا وہ فقیہ جس کے ساتھ جاہل لوگ دینی تلاعت کرنا شروع کردیں۔“

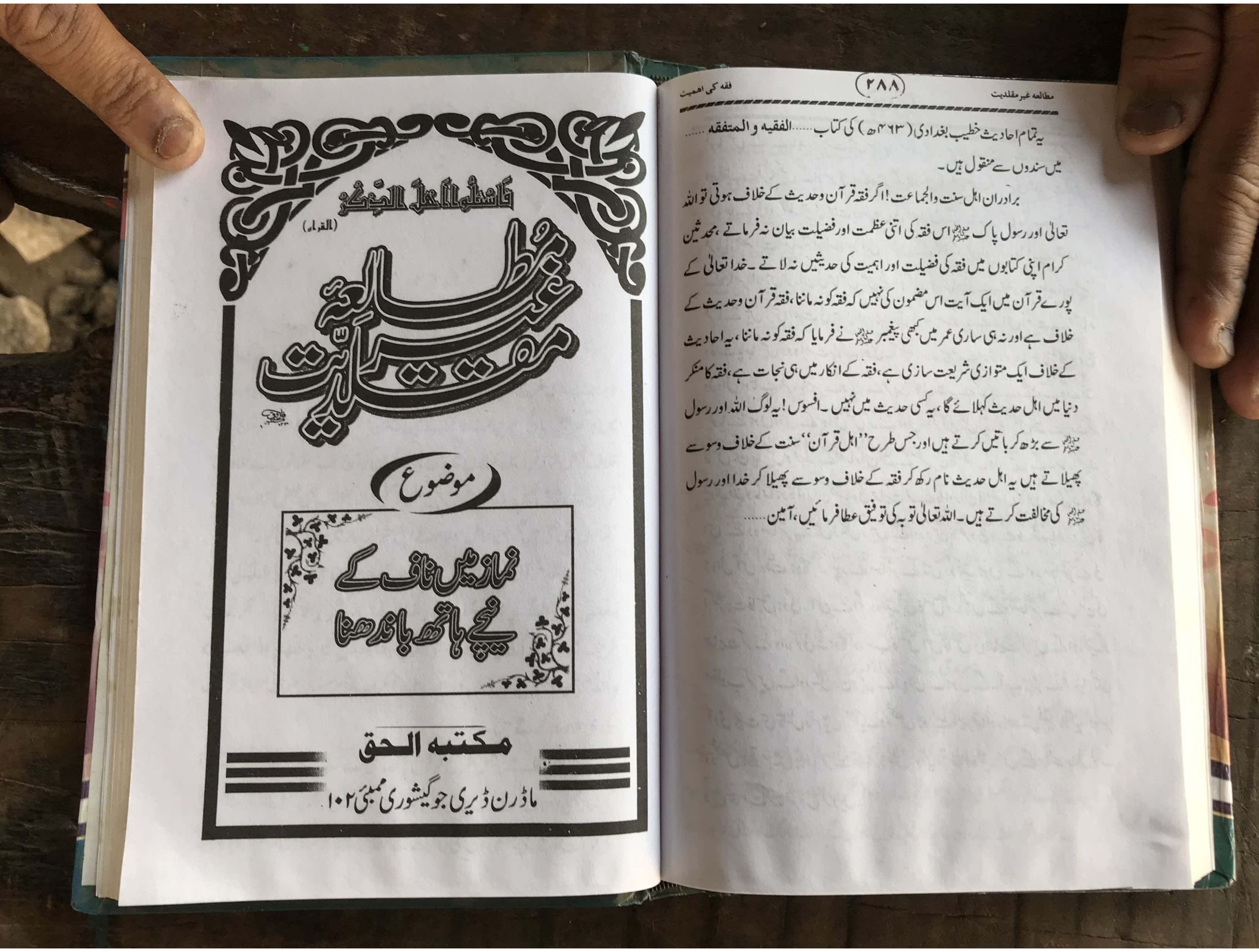

یہ تمام احادیث خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) کی کتاب......**الفقیہ و المتفقہ**...... میں سندوں سے منقول ہیں۔

برادران اہل سنت والجماعت! اگر فقہ قرآن وحدیث کے خلاف ہوتی تو اللہ تعالیٰ اور رسول پاک ﷺ اس فقہ کی اتنی عظمت اور فضیلت بیان نہ فرماتے، محدثین کرام اپنی کتابوں میں فقہ کی فضیلت اور اہمیت کی حدیثیں نہ لاتے۔ خدا تعالیٰ کے پورے قرآن میں ایک آیت اس مضمون کی نہیں کہ فقہ کو نہ ماننا، فقہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے اور نہ ہی ساری عمر میں کبھی پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ فقہ کو نہ ماننا، یہ احادیث کے خلاف ایک متوازی شریعت سازی ہے، فقہ کے انکار میں ہی نجات ہے، فقہ کا منکر دنیا میں اہل حدیث کہلائے گا، یہ کسی حدیث میں نہیں۔ افسوس! یہ لوگ اللہ اور رسول ﷺ سے بڑھ کر باتیں کرتے ہیں اور جس طرح ''اہل قرآن'' سنت کے خلاف وسوسے پھیلاتے ہیں یہ اہل حدیث نام رکھ کر فقہ کے خلاف وسوسے پھیلا کر خدا اور رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق عطا فرمائیں، آمین......

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ
(القرآن)

مطالعۂ غیر مقلدیت

موضوع

نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا

مکتبہ الحق
ماڈرن ڈیری جوگیشوری ممبئی ۱۰۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم قارئین! آنحضرت ﷺ سے جس طرح قرآن پاک لفظی تواتر کیساتھ ثابت ہے، اسی طرح آپ ﷺ سے نماز عملی تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ مسلمان ہر ملک میں ہر گھر میں پانچ مرتبہ نماز ادا کرتے ہیں۔ لیکن جس طرح متواتر قرآن کے خلاف بعض شاذ قرأتیں کتابوں میں ملتی ہیں، مگر ان کو آج تک مسلمانوں نے تلاوت قرآن میں شامل نہیں کیا۔ اسی طرح اس متواتر عملی نماز کیخلاف بھی بعض شاذ روایات کتابوں میں ملتی ہیں مگر ان کو اہل اسلام نے اپنی متواتر نماز میں داخل نہیں کیا۔

مثلاً: قرآن پاک میں سب مسلمان یہ آیت پڑھتے ہیں ...... وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ٥ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ٥ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی ...... مگر بخاری شریف میں ایک قرأت یوں ہے...... وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ٥ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ٥ وَالذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی ...... (بخاری ۲،۷۳۷) مگر اب تمام مسلمان صرف متواتر قرأت کی ہی تلاوت کرتے ہیں۔

اس ملک میں جس طرح قرآن پاک حنفی لے کر آئے، اسی طرح حضور ﷺ کی نماز بھی احناف کے ذریعے یہاں پہنچی، اس ملک میں قرآن پاک قاری عاصم کوفی کی قرأت اور قاری حفص کوفی کی روایت کے مطابق پہنچا، تو نماز بھی امام اعظم ابوحنیفہؒ

کوفی کی تدوین کے مطابق پہنچی، اب کوئی شاذ قرأتوں کے اختلاف سے اس قرآن پاک کے بارے میں وسوسے ڈالنے لگے، اور اس قرآن کو کوفی قرآن کہہ کر اس کا انکار کرے تو یہ کوئی دینی خدمت نہیں ہوگی۔ اسی طرح بعض شاذ ومتروک اور مرجوح روایات کی بناء پر اس متواتر نماز کے خلاف وسوسے ڈالے اور اس کو کوفی نماز کہہ کر غلط قرار دے تو یہ دین دشمنی ہے۔

اس ملک میں کافروں کو مسلمان احناف نے کیا اور ان کو نماز سکھائی تو سب لوگ ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے تھے۔ بارہ سو سال کے طویل عرصہ میں کبھی یہ آواز نہیں اٹھی کہ نماز کا یہ طریقہ خلاف سنت ہے، اس بارہ سو سال کے طویل عرصہ میں یہاں کے علماء اولیاء اللہ اور عوام حج اور تعلیم کے لیے حرمین شریفین کا سفر کرتے رہے، مگر وہاں بھی کسی عالم نے ان کو یہ نہ کہا کہ تم خلاف سنت نماز پڑھتے ہوں۔ پوری تاریخ اسلام میں ایسا ایک واقعہ بھی نہیں ملتا۔

۱۲۹۰ھ ملکہ وکٹوریہ کے دور میں ہندوستان میں مولوی محمد حسین بٹالوی وکیل اہلحدیث ہند نے ایک اشتہار کے ذریعہ اس متواتر عملی نماز کے خلاف آواز اٹھائی کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا خلاف سنت ہے۔ یہ اشتہار شہر شہر قریہ قریہ پھیلایا گیا۔ اس اشتہار نے حکومت برطانیہ کی لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی کو عملی جامہ پہنایا۔ اور برصغیر کی ہر مسجد اور گھر کو میدان جنگ بنا کر رکھ دیا۔ قرآنی حکم ...... **والفتنة اشد من القتل** ...... کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکائی۔ حکومت برطانیہ کی تعریف اور اکابر اسلام پر سب وشتم کر کے ...... **لعن آخر هذا الامة اولها** ...... کا نعرہ بلند کیا۔

اب فطری بات تھی کہ اس متواتر نماز کے خلاف ان کے پاس کون سی متواتر دلیل تھی، ان سے سوال ہوا کہ کیا سینے پر ہمیشہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کی کوئی متواتر دلیل آپ حضرات کے پاس ہے تو مولوی ثناء اللہ نے چند دلائل دیے۔

پہلی دلیل :

قرآن پاک کی یہ آیت ...... **فصل لربک وانحر** ...... کے معنی یہ ہیں کہ نماز پڑھوں اور سینے پر ہاتھ باندھو، (فتاویٰ علمائے حدیث ۹۵۳)

اندازہ لگایئے کہ متواتر نماز کے خلاف قرآن کے غلط ترجمہ میں بعض روافض کی تقلید کی گئی ہے۔ جبکہ احادیث صحیحہ میں ...... **وانحر** ...... کی تفسیر قربانی کرنے سے آئی ہے۔ تو کہنے لگے ہم سنیوں کے موافق اس آیت کی تفسیر قربانی سے بھی کرتے ہیں اور رافضیوں کے موافق سینے پر ہاتھ باندھنے سے بھی، کہا گیا کہ جب اس آیت میں نماز عید اور قربانی کا ذکر ہے تو آپ بھی عید کی نماز کے بعد جب قربانی کریں تو ہاتھ سینے پر باندھ لیا کریں۔ دیکھئے متواتر نماز کیخلاف کس طرح قرآن پاک کی آیت کا غلط مطلب لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اہل اسلام کی حفاظت فرمائیں۔

دوسری دلیل :

اس متواتر نماز کیخلاف غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولوی ثناء اللہ نے یہ لکھا ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایات بخاری، مسلم اور ان کی شروح میں بکثرت ہیں (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱، ۴۴۳۔ فتاویٰ علمائے حدیث ج ۳، ۹۱)

مگر افسوس کہ یہ ایسا ہی جھوٹ ہے جیسا کی مرزا قادیانی نے کہا تھا کہ بخاری میں حدیث ہے کہ آسمان سے آواز آئے گی یہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہے، نہ مرزا کی یہ بات

بخاری میں ہے اور نہ مولوی ثناء اللہ کی بات بخاری اور مسلم میں ہے، مرزا نے صرف بخاری پر جھوٹ بولا تھا اور ثناء اللہ نے بخاری اور مسلم دونوں پر۔

تیسری دلیل :

اس متواتر نماز کے خلاف قرآن پاک بخاری اور مسلم پر جھوٹ بولنے کے بعد ایک اور دلیل تلاش کی گئی۔ ابن ماجہ، ترمذی، دارقطنی اور مسند احمد میں دو جگہ ایک حدیث حضرت ھلب سے تھی، کہیں یہ الفاظ تھے کہ آپ ﷺ نے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا، کسی میں تھا کہ ایک ہاتھ دوسرے پر رکھا۔ مسند احمد میں ایک جگہ...... **یضع هذه علی هذه** ...... میں کاتب کی غلطی سے یوں ہو گیا...... **صدره** ...... یہاں "**صدره**" کاتب کی غلطی تھی کیونکہ مجمع الزوائد کنز العمال اور جمع الجوامع میں یہ لفظ نہیں آیا، جبکہ مسند احمد کی زیادات سب ان کتابوں میں درج ہیں۔ دوسرے ہذہ کو کاتب نے غلطی سے **صدره** کر دیا تھا۔ پہلے "**هذه**" کو مولوی ثناء اللہ نے یدہ سے بدل دیا (فتاویٰ ثنائیہ ۴۵۸/۱، مسند احمد ۲۲۶/۵)

اور اس طرح تحریف لفظی کر کے متواتر نماز کو غلط قرار دینے پر زور لگایا گیا۔

چوتھی دلیل :

قرآن پاک کی تحریف معنوی، بخاری مسلم پر جھوٹ اور مسند احمد میں تحریف لفظی کرنے پر بھی مسئلہ ثابت نہ ہوا تو آخری سہارا صحیح ابن خزیمہ کو بنایا گیا۔ اس میں ایک حدیث حضرت وائلؓ سے ہے جس میں "**علیٰ صدره**" کا لفظ ہے مگر سند یوں تھی...... **مومل بن اسماعیل، سفیان، عاصم. کلیب، وائل** ...... ان میں پہلا راوی انتہائی ضعیف ہے اس کے بعد تینوں راوی کوفی تھے، ان کا عقیدہ ہے کہ

عراقی ہزا حدیث بھی سنا دے تو نو سو نوے تو چھوڑ ہی دے اور باقی دس میں بھی شک کر (حقیقت الفقہ ص ۱۰۱) نیز سفیان کو یہ لوگ آہستہ آمین کی حدیث میں غلط قرار دے چکے ہیں، اور عاصم کو ترک رفع یدین کی حدیث میں ضعیف قرار دے چکے ہیں اور کلیب کو بھی ترک رفع یدین کی ایک روایت میں ضعیف کہہ چکے ہیں۔ ان چاروں راویوں میں سے ایک بھی کسی سند میں آ جائے تو یہ اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں تو جس سند میں یہ چاروں اوپر نیچے آ جائیں، وہ کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ آخر میں اس کا حل یہ تلاش کیا گیا کہ سند ہی بدل دی۔ اور حدیث سے ابن خزیمہ ۲۴۳/۱ کی سند اتار کر مسلم ۱۷۳/۱ کی سند لگا دی۔ (فتاویٰ ثنائیہ ۴۴۴/۱، فتاویٰ علمائے حدیث ۱۹/۱)

وہ سند یہ ہے کہ...... **عفان عن همام عن محمد بن حجاده بن وائل عن علقمة بن وائل عن ابیه** ...... ایک متواتر نماز کو غلط قرار دینے اور مسلمانوں میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا کر انگریز کو خوش کرنے کے لیے کیسی کیسی حرکتیں کی گئیں، اللہ تعالیٰ اسلام اور اہل اسلام کو اپنی حفاظت میں رکھیں۔

پانچویں دلیل :

مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس متواتر نماز کو غلط ثابت کرنے کے لیے قرآن پاک کی تحریف معنوی کی، بخاری مسلم پر جھوٹ بولا، مسند احمد کی حدیث میں تحریف لفظی کی، صحیح ابن خزیمہ کی سند تبدیل کی، آخر تھک ہار کر بیٹھ گئے۔ آخر گوجرانوالہ کے مستری نور حسین میدان میں نکلے، آپ نے اپنے رسالہ اثبات رفع یدین ۱۹/۲۰ پر حضرت وائل کی ایک حدیث لکھی جس میں...... **علیٰ صدره** ...... کا لفظ لکھا اور صحیح مسلم ۱۷۳/۱، ابن ماجہ ص ۶۴، دارمی ص ۱۰۷، دارقطنی ص ۱۱۸، ابوداؤد ص ۱۹۳ بخاری ص

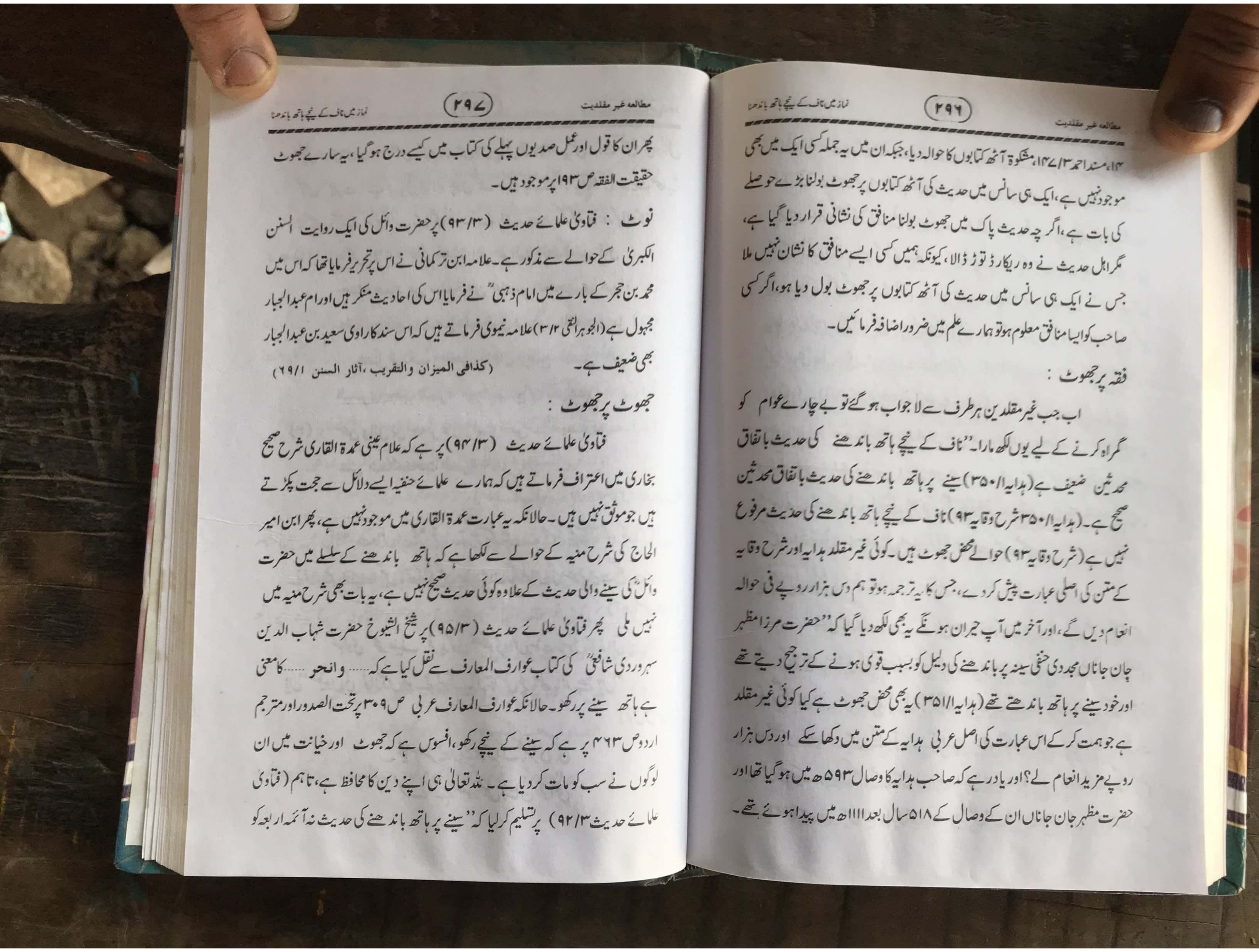

۱۴، مسند احمد ۳/۱۴۷، مشکوۃ آٹھ کتابوں کا حوالہ دیا، جبکہ ان میں یہ جملہ کسی ایک میں بھی موجود نہیں ہے، ایک ہی سانس میں حدیث کی آٹھ کتابوں پر جھوٹ بولنا بڑے حوصلے کی بات ہے، اگر چہ حدیث پاک میں جھوٹ بولنا منافق کی نشانی قرار دیا گیا ہے، مگر اہل حدیث نے وہ ریکارڈ توڑ ڈالا، کیونکہ ہمیں کسی ایسے منافق کا نشان نہیں ملا جس نے ایک ہی سانس میں حدیث کی آٹھ کتابوں پر جھوٹ بول دیا ہو، اگر کسی صاحب کو ایسا منافق معلوم ہو تو ہمارے علم میں ضرور اضافہ فرمائیں۔

فقہ پر جھوٹ :

اب جب غیر مقلدین ہر طرف سے لا جواب ہو گئے تو بے چارے عوام کو گمراہ کرنے کے لیے یوں لکھ مارا۔ ''ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے (ہدایہ ۱/۳۵۰) سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث باتفاق محدثین صحیح ہے۔ (ہدایہ ۱/۳۵۰ شرح وقایہ ۹۳) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث مرفوع نہیں ہے (شرح وقایہ ۹۳) حوالے محض جھوٹ ہیں۔ کوئی غیر مقلد ہدایہ اور شرح وقایہ کے متن کی اصلی عبارت پیش کر دے، جس کا یہ ترجمہ ہو تو ہم دس ہزار روپے فی حوالہ انعام دیں گے، اور آخر میں آپ حیران ہونگے یہ بھی لکھ دیا گیا کہ ''حضرت مرزا مظہر جان جاناں مجددی حنفی سینہ پر باندھنے کی دلیل کو بسبب قوی ہونے کے ترجیح دیتے تھے اور خود سینے پر ہاتھ باندھتے تھے (ہدایہ ۱/۳۵۱) یہ بھی محض جھوٹ ہے کیا کوئی غیر مقلد ہے جو ہمت کر کے اس عبارت کی اصل عربی ہدایہ کے متن میں دکھا سکے اور دس ہزار روپے مزید انعام لے؟ اور یاد رہے کہ صاحب ہدایہ کا وصال ۵۹۳ھ میں ہو گیا تھا اور حضرت مظہر جان جاناں ان کے وصال کے ۵۱۸ سال بعد ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

پھر ان کا قول اور عمل صدیوں پہلے کی کتاب میں کیسے درج ہو گیا، یہ سارے جھوٹ حقیقت الفقہ ص ۱۹۳ پر موجود ہیں۔

نوٹ : فتاویٰ علمائے حدیث (۳/۹۳) پر حضرت وائل کی ایک روایت السنن الکبریٰ کے حوالے سے مذکور ہے۔ علامہ ابن ترکمانی نے اس پر تحریر فرمایا تھا کہ اس میں محمد بن حجر کے بارے میں امام ذہبی'' نے فرمایا اس کی احادیث منکر ہیں اور ام عبد الجبار مجہول ہے (الجوہر النقی ۳/۲) علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ اس سند کا راوی سعید بن عبد الجبار بھی ضعیف ہے۔ (کذافی المیزان والتقریب ،آثار السنن ۱/۶۹)

جھوٹ پر جھوٹ :

فتاویٰ علمائے حدیث (۳/۹۴) پر ہے کہ علام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اعتراف فرماتے ہیں کہ ہمارے علمائے حنفیہ ایسے دلائل سے حجت پکڑتے ہیں جو موثق نہیں ہیں۔ حالانکہ یہ عبارت عمدۃ القاری میں موجود نہیں ہے، پھر ابن امیر الحاج کی شرح منیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہاتھ باندھنے کے سلسلے میں حضرت وائلؓ کی سینے والی حدیث کے علاوہ کوئی حدیث صحیح نہیں ہے، یہ بات بھی شرح منیہ میں نہیں ملی پھر فتاویٰ علمائے حدیث (۳/۹۵) پر شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی شافعیؒ کی کتاب عوارف المعارف سے نقل کیا ہے کہ...... وانحر ...... کا معنی ہے ہاتھ سینے پر رکھو۔ حالانکہ عوارف المعارف عربی ص ۳۰۹ پر تحت الصدور اور مترجم اردو ص ۴۶۳ پر ہے کہ سینے کے نیچے رکھو، افسوس ہے کہ جھوٹ اور خیانت میں ان لوگوں نے سب کو مات کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے دین کا محافظ ہے، تاہم (فتاوی علمائے حدیث ۳/۹۲) پر تسلیم کر لیا کہ ''سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث نہ آئمہ اربعہ کو

پہنچی نہ ہی صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں اس پر عمل تھا، تاہم یہ عمل نہ ہونا تنسیخ کی دلیل نہیں" حیرت ہے کہ باقی نماز تو بچوں تک کو پہنچ جائے، مگر یہ نماز کی حدیث صحابہؓ، تابعین، آئمہ اربعہ کو خواب میں بھی نظر نہ آئے، اس سے بڑھ کر شذوذ اور کیا ہوگا؟

(۱) ذکر الاثرم قال حدثنا ابو الوالید الطیالسی قال حدثنا حماد بن سلمة عن عاصم الجحدری عن عقبة بن صهبان سمع علیا یقول فی قول اللہ عزوجل ......فصل لربک وانحر...... قال وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ یحت السرة......(التمهید ج ۲۰ ،ص ۷۸)

(۲) عن وائل بن حجر قال رایت النبی ﷺ یضع یمینه علی شماله تحت السرة......

(مصنف اب ابی شیبہ ۳۹۰/۱۲ الشافعی استاد بخاری)

حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر زیر ناف رکھا، اس کی سند نہایت صحیح ہے۔

(آثار السنن ۶۹/۱)

مولوی محمد حنیف فرید کوٹی جھنگوی اس سنت رسول کا مذاق یوں اڑاتے ہیں "حنفیوں کی نماز نہیں ہوتے کیونکہ یہ آلہ تناسل پر ہاتھ باندھتے ہیں"

(قول حق ص ۲۱)

؎ قیام حشر کیوں نہ ہو کہ اک کلچڑی گنجی
کرے ہے حضور بلبل بستان نوا سنجی

---

(۳) عن علی قال سنة الصلوة وضع الا یدی علی الا یدی تحت السرة (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۰۱/۱، مسند احمد ۱۱۰/۱)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھے۔

(۴) سنت دائمی عمل کو کہتے ہیں، غیر مقلدین اگر ایک صحیح حدیث پیش کریں جس سے حضور ﷺ کے سینے سے ہاتھ باندھنے کو کسی خلیفہ راشد نے دائمی عمل یعنی سنت قرار دیا ہو تو ہم ان کو مبلغ پچاس ہزار روپے نقد انعام دیں گے۔

(۵) عن انس قال ثلاث من اخلاق النبوة تعجیل الا فطار وتاخیر السحود ووضع الید الیمنی علی الیسری فی الصلوة تحت السرة ...... (۳۲/۲ بحوالہ ابن حزم ۱۱۳/۴)

حضرت انسؓ نے فرمایا تین باتیں سب نبیوں کے اخلاق میں ہیں، جلد افطار کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر زیر ناف رکھنا۔

کیا کوئی غیر مقلد انبیاء علیہم السلام کا دائمی سحر و افطار کی طرح سینے پر ہاتھ باندھنا ثابت کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

(۶) عن ابی ہریرہؓ قال وضع الکف علی الکف فی الصلوة تحت السرة...... (الجواہر بحوالہ ابن حزم)

حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا ہاتھ کو ہاتھ پر نماز میں ناف کے نیچے رکھا جائے۔

غیر مقلدین میں جرأت ہے تو لاکھ سے زائد صحابہ کرامؓ میں سے ایک صحابی کا قول پیش کردیں کہ ہاتھ سینے پر باندھا کرو۔

(۷) **عن ابرهيم النخعي قال يضع يمينه على شماله فى الصلوة تحت السرة......** (ابن ابی شیبہ ۱/۳۹۰)

حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔

قال محمد و به ناخذ (کتاب الآثار)

امام محمد فرماتے ہیں کہ ہمارا اسی پر عمل ہے۔

(۸) **عن ابى مجلز يضع باطن كف يمينه على ظاهر كف شماله ويجعلهما اسفل من السرة** (ابن ابی شیبہ ۱/۳۹۱)

ابومجلز (۱۰۰ھ) فرماتے ہیں دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے بیرونی حصہ پر رکھے اور ان کو ناف کے نیچے رکھے۔

تمام صحابہ، تمام تابعین، تمام تبع تابعین میں سے کسی ایک سے بھی سینہ پر ہاتھ باندھنا ثابت نہیں اور قیامت تک کوئی ثابت نہیں کرسکتا۔ بلکہ فتاویٰ علمائے حدیث ۹۳/۳ پر اس بات کا اعتراف کرلیا ہے کہ صحابہ و تابعین کا اس حدیث پر عمل نہیں تھا۔

(۸-۹) ابن حزم نے حضرت عائشہؓ سے تعلیقاً اور مسند الامام زید میں سند کے ساتھ حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ تین باتیں تمام انبیاء کرام کے اخلاق سے ہیں افطار میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر ناف

کے نیچے رکھنا۔

آئمہ اربعہ :

جس طرح قرآن پاک سات قاریوں کی قرأت سے امت کو ملا ہے، جو قرأت ان ساتوں قاریوں میں سے کسی سے ثابت نہ ہو، وہ شاذ اور مردود ہے قرآن ہرگز نہیں۔ اسی طرح جس روایت پر آئمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی عمل نہ کیا ہو، وہ یقیناً اور یقیناً شاذ ہے، سینہ پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا آئمہ اربعہ میں سے کسی کا مسلک نہیں (نووی شرح مسلم ۱/۱۷۳) اور امام ترمذی اختلافات کا ذکر کیا کرتے ہیں انہوں نے ترمذی شریف میں کسی کا مسلک سینہ پر ہاتھ باندھنا نہیں بتایا۔ فتاویٰ علمائے حدیث (۳-۹۳) پر اعتراف کرلیا ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث آئمہ اربعہ کو نہیں پہنچی۔

اجماع :

مولانا عبدالحئی لکھنوی فرماتے ہیں۔

اما فى حق النساء فاتقوا على ان السنة لهن وضع اليدين على الصدر (العنایہ ۳/۱۵۶)

بہرحال علماء کا اتفاق ہے کہ عورتوں کے حق میں یہ سنت ہے کہ وہ ہاتھ نماز میں سینہ پر رکھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے سینہ پر ہاتھ باندھنا اجماعی مسئلہ ہے، اور اجماع کا مخالف قرآن و حدیث کے موافق دوزخی ہے۔

غیر مقلدین کی شاذ، متروک اور ضعیف روایات بھی ان کے دعویٰ کی دلیل

کسی ضعیف حدیث میں بھی سنت یعنی یہ دائمی عمل مذکور نہیں کہ خلفائے راشدین ہیں، عشرہ مبشرہ کسی ایک صحابی، ایک تابعی، ایک تبع تابعی، آئمہ اربعہ میں سے کسی امام کا مذہب سینے پر ہاتھ باندھنے کا ہو۔ ان شاذ روایات کو سنت کہنا ایسی جہالت ہے جیسے کوئی جاہل ساتوں قرأتوں کے خلاف اشتہار بازی کرے، یہ حرکت پادری فانڈر، سوامی دیانند پنڈت رام چند نے تو کی تھی اب اہل حدیث بھی ان کی تقلید میں اسی حرکت پر اتر آئے ہیں۔

اہل سنت حضرات کو ان کے وساوس سے اپنے ایمان کی حفاظت کرنی چاہیے اور سورت والناس پڑھ کر ان پر دم کر دینا چاہیے کہ یا اللہ ان کے وسوسے ان ہی کے پاس رہیں۔ ہمیں ان وسوسوں سے محفوظ رکھنا۔ آمین یا الہ العالمین.

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ بوقت اختلاف خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑنا۔ ہم نے اس مسئلہ میں ان احادیث پر عمل کیا جب پر عمل کو خلیفہ راشد حضرت علیؓ نے سنت کہا اور حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو حدیثیں میری سنت کے خلاف ہوں، وہ میری طرف سے نہیں (دار قطنی) اس لیے ہم نے اس روایت پر عمل نہیں کیا جو خلاف سنت ہے۔ ہاں اگر کوئی غیر مقلد سینے پر ہاتھ باندھنے کا سنت ہونا کسی خلیفہ راشد سے ثابت کر دے تو ہم اسے بھی سنت مان لیں گے۔

سنت کا مذاق :

یہ فرقہ سنتوں کا دشمن ہے یہ سنت جو تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اس کے بارے میں غیر مقلد عالم فیض عالم صدیقی اپنی کتاب اختلاف امت اکا المیہ ۷۸ پر لکھتے ہیں ''مردوں کو ہاتھ ناف کے نیچے باندھنے چاہئیں (کتب فقہ)

یہاں ایک لطیفہ یاد آیا ہے کہ خلفائے بنی عباس میں سے ہارون کا ایک نماز میں ازبند کھل گیا۔ اور اس نے سینے سے ہاتھ نیچے کر کے ازار بند سنبھال لیا، نماز سے فراغت کے بعد مقتدیوں نے حیرانی سے ہارون الرشید کے اس فعل کو دیکھا۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے فتوٰی دے دیا کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہی صحیح ہے۔''

بڑے سے بڑے منکرین حدیث نے بھی حدیث کا ایسا مذاق نہ اڑایا ہوگا جیسا اس نام نہاد اہل حدیث نے سنت کا مذاق اڑایا ہے، فقہ کا نام آتے ہی یہ لوگ سراپا استہزاء بن جاتے ہیں ذرا فقہ کا تھوڑا سا تقابل دیکھئے......

	فقہ حنفی	فقہ غیر مقلدین
ا۔	منی ناپاک ہے۔	منی پاک ہے۔ (عرف الجادی ص۱۰ کنز الحقائق ص۱۶)
۲۔	دم مسفوح (خون) ناپاک ہے۔	حیض کے سوا سب خون پاک ہیں (کنز الحقائق ۱۶)
۳۔	خنزیر ناپاک ہے۔	خنزیر پاک ہے۔ اسی طرح اس کی ہڈی، پٹھے وغیرہ پاک ہیں (کنز الحقائق ص۱۳)
۴۔	خمر (شراب) ناپاک ہے۔	خمر (شراب) پاک ہے (کنز الحقائق ص۱۶)
۵۔	مردار نجس ہے۔	مردار نجس نہیں (عرف الجادی ص۱۰
۶۔	کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔	کتے کا جھوٹا اور پیشاب اور

پاخانہ پاک ہے۔ حق یہی ہے۔

افسوس ہے کہ سنتوں کا انکار اور گندے مسائل کی اشاعت حدیث کے نام پر کی جارہی ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کے قبول اور عمل واستقامت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین……

⁂

فاسئلوا اهل الذکر

(القرآن)

مطالعہ غیر مقلدیت

موضوع

مصافحہ کا بیان

مکتبہ الحق
ماڈرن ڈیری جوگیشوری ممبئی ۱۰۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تمہید:

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام دنیا میں محبت اور آشتی کا پیغام لے کر آیا اور اس پیغام کو دنیا بھر میں پھیلایا۔ رسول اللہ ﷺ کا کیا ہی پیارا ارشاد ہے کہ...... **المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ** ...... مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ قرآن پاک نے مسلمانوں کو خیر امت کا لقب دیا ہے کہ یہ معروف کو پھیلاتے اور منکر سے روکتے ہیں اور منافقین کی پہچان بتائی کہ معروف سے روکتے اور منکر کا حکم دیتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا...... **من رای منکم منکر افلیغیرہ بیدہ** ...... اور حقیقت یہی ہے کہ امت کو افتراق اور شقاق سے بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ کتاب وسنت کے تاکیدی حکم کے مطابق ان کو معروف کی ہی دعوت دی جائے اور معروف کو مٹانا کوئی دین کی خدمت نہیں بلکہ دین میں فتنہ ڈالنا ہے...... **والفتنۃ اشد من القتل**

مثال: قرآن پاک خداوند قدوس کی آخری اور سچی کتاب ہے مگر اس میں اختلاف قرأت موجود ہے۔ سات متواتر قرأتیں ہیں، جن میں باہمی اختلاف ہے مگر ہمارے

ہاں چونکہ قاری عاصم کوفیؒ کی قرأت اور قاری حفصؒ کوفی کی روایت ہی معروف اور متواتر ہے اس لیے سب لوگ اسی قرأت پر قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ ہمارے غیر مقلد دوست بھی اسی قرات پر تلاوت کرتے ہیں اور شاہ فہد کی طرف سے جو قرآن پاک حجاج کرام کو تحفتاً دیا جاتا ہے اس کے آخر میں باقاعدہ قاری عاصم کوفیؒ اور قاری حفص کوفیؒ کے اسماء گرامی کی صراحت ہے۔ اس قرأت پر سب کے تلاوت کرنے سے مسلمانوں میں قرآن پاک کے بارہ میں اتفاق واتحاد ہے، لیکن اگر کوئی شخص اب دین کے نام سے اُٹھے اور امت کو یوں دعوت دے کہ یہ کوفی قرآن ہے یہ مکی مدنی قرآن نہیں یہ عاصمی قرآن ہے محمدی قرآن نہیں۔ اس قرآن کے پڑھنے والوں کا نہ مکہ سے تعلق ہے، نہ مدینہ سے اور نہ ہی محمد رسول اللہ ﷺ سے، اس قرآن کی تلاوت بند کرو، مکی، مدنی اور محمدی قرآن پڑھو۔ تو ہر درد دل رکھنے والا مسلمان یہی کہے گا کہ یہ دین کی خدمت نہیں امت میں فتنہ ہے۔

ایک دن دو تین دوست مجھ سے کہنے لگے کہ ہم بہت پریشان ہیں، چاروں اماموں میں اختلاف ہے، کدھر جائیں؟ میں نے کہا: قرآن پاک میں سات قاریوں کا اختلاف قرأت موجود ہے تو چاروں کا اختلاف زیادہ ہے یا سات کا۔ آپ نے کس آیت یا حدیث کے حکم سے سات قرأتوں میں سے صرف قاری عاصم کوفیؒ کی قرأت کو اختیار کیا اور باقی چھ قرأتوں کو چھوڑا؟ اور کس آیت اور حدیث میں یہ صراحت ہے کہ اگرچہ سات قاریوں میں مکی قاری بھی ہوں اور مدنی بھی مگر نہ تم مکی قاری کی قرأت پر تلاوت کرنا اور نہ مدنی قاری کی قرأت پر بلکہ ساری عمر صرف ایک قاری عاصمؒ کی قرأت پر تلاوت کرنا اور یہ فرق کس آیت یا حدیث میں ہے کہ اہل کوفہ کے ذریعہ جو

قرآن تمہیں تواتر کے ساتھ پہنچے اس کو قبول کر لینا لیکن اہل کوفہ کے واسطہ سے نبی اکرم ﷺ کی نماز جو تمہیں تواتر سے پہنچے اس کو کوفی نماز کہہ کر چھوڑ دینا اور اپنی پوری زندگی نبی اکرم ﷺ کی متواتر نماز کو مٹانے کے لئے وقف کر دینا۔ انصاف کا تقاضا تو یہی ہے کہ اگر لینا ہے تو اس قرآن اور نماز دونوں کو قبول کرلو اور اگر چھوڑنا ہے تو اس قرآن اور نماز دونوں کو چھوڑ دو...... اَفَتُؤ مِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ والا معاملہ اور نیچے دروں نیچے بروں والی پالیسی چھوڑ دو یا اس فرق کے بارے مندرجہ بالا سوالات کا جواب قرآن پاک کی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث سے دو۔ اہل سنت والجماعت کا ایک ہی پیمانہ ہے کہ اختلاف قرأت کے وقت اسی قرأت پر تلاوت کرو، جس پر یہاں تلاوت معروف اور متواتر ہے۔ اختلافی احادیث میں بھی یہاں چونکہ صرف فقہ حنفی عملاً متواتر اور معروف ہے اسی لئے اس پر عمل کرو۔ جب تک مسلمان کتاب وسنت کے اس سنہری اصول پر عامل رہے، مسلمان سنت اور فقہ پر عمل کرنے میں بھی اسی طرح اتفاق اور اتحاد سے رہے، جس طرح اب تلاوت قرآن کے سلسلہ میں ان میں اتفاق اور اتحاد ہے۔ جب تک مسلمانوں کا سیاسی غلبہ رہا یہی اتفاق قائم رہا، جب انگریز کے منحوس قدم اس ملک میں آئے تو دین بیزاری اور ذہنی آوارگی کو بھی ساتھ لائے، جس نے مسلمانوں کے اتفاق کو شقاق اور افتراق سے بدل ڈالا۔ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی وکیل اہل حدیث ہند کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں ......

”اے حضرات! یہ مذہب سے آزادی اور خود سری اور خود اجتہادی کی تیز ہوا جو یورپ سے چلی اور ہندوستان کے ہر شہر اور بستی کوچہ اور گلی میں پھیل گئی ہے جس نے غالباً ہندؤں کو ہندو اور مسلمانوں کو مسلمان نہیں رہنے دیا، حنفی اور شافعی مذہب کا تو کیا

(اشاعۃ السنۃ ص ۲۵۵، ج ۱۹)

پوچھنا؟

حضرات! اسی خود اجتہادی کا نتیجہ تھا کہ ملک میں نئے نئے فرقے پیدا ہو گئے، کسی نے اہل قرآن نام رکھ لیا اور کسی نے اہل حدیث ......اور قرآن وسنت کے نام پر لوگوں کو لڑانا شروع کر دیا۔ نماز جمعہ، نماز عید، نماز جنازہ، جن پر کبھی مسلمانوں میں لڑائی نہیں ہوئی تھی، ان عبادات کو بھی لڑائی کا ذریعہ بنا لیا گیا۔ **فالی اللہ المشتکی.**

ایک ہاتھ سے مصافحے کی ابتداء:

جب دو مسلمان ملتے ہیں، وہ ایک دوسرے کو سلام کرتے جو بذات خود محبت، اتفاق، امن اور آتشی کا پیغام تھا اور سلام کے ساتھ مصافحہ بھی کرتے اور اہل اسلام میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ متوارث تھا۔ انگریز کے دور سے پہلے سے کسی اسلامی کتاب میں دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو بدعت اور خلاف سنت نہیں کہا گیا۔ اس دور میں یہ عجیب واقعہ ہوا کہ مسلمان جب آپس میں ملتے تو دو ہاتھ سے مصافحہ کرتے تھے، لیکن انگریز جب ایک دوسرے سے ملتے تو ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے تھے ان کی اس سنت کو پہلے نیچریوں نے اپنایا اور کالجوں وغیرہ میں ایک ہاتھ سے مصافحہ کا راوج شروع ہو گیا۔ البتہ وہ لوگ اس کو حاکم قوم کا طریقہ ہی سمجھتے تھے۔ پھر نیچری حضرات کی تقلید میں اہل حدیث حضرات میں بھی صرف دائیں ہاتھ کا مصافحہ کا رواج چل نکلا۔ البتہ فرق یہ ہو گیا ان دوستوں نے مسلمانوں میں متوارث دو ہاتھ سے مصافحہ کو بدعت اور خلاف سنت قرار دے دیا اور انگریز بہادر اور نیچریوں کے طریق مصافحہ کو سنت نبوی قرار دے دیا۔ اس طریقہ کو زندہ کرنے میں سو شہید ثواب کے وعدے سنائے گئے اور اہل اسلام کو نبی ﷺ کے مخالف، نبی پاک ﷺ کی سنتوں کو مٹانے والے قرار دے دیا گیا اور

معروف اسلامی طریقہ کو مٹانے کا نام احیاء سنت رکھا گیا، اس طرح سلام اور مصافحہ جو آج تک مسلمانوں میں محبت اور مغفرت کا ذریعہ تھا وہ بھی اختلاف، شقاق اور لڑائی کا ذریعہ بن گیا۔ اب کوئی اسلامی حکومت تو یہاں موجود نہیں تھی جو ان حضرات کو مسلمانوں میں سر پھٹول کرنے سے روکتی، بلکہ انگریز حکومت کی تو پالیسی ہی یہی تھی کہ لڑاؤ اور حکومت کرو۔ اس لئے وہ حکومت درمے، قدمے، سخنے ہر طرح ان کی پشت پناہ بنی ہوئی تھی۔

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کے دلائل :

اہل سنت والجماعت نے ان سے پوچھا کہ آپ لوگ جو صرف دائیں ہاتھ سے مصافحہ کو سنت اور دوسرا ہاتھ لگانے کو بدعت اور گمراہی قرار دیتے ہیں، تو کیا آپ کے پاس کوئی قولی حدیث موجود ہے کہ جس طرح آنخضرت ﷺ نے حکم دیا کہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ اسی طرح حکم دیا ہو کہ دائیں ہاتھ سے مصافحہ کرو اور جس طرح استنجاء میں دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا دیا تھا اسی طرح آپ ﷺ نے بایاں ہاتھ لگانے سے منع فرما دیا ہو۔ ایسی کوئی حدیث بخاری اور مسلم سے پیش فرمائیں۔ ان میں نہ ہو تو سنن اربعہ سے پیش فرمائیں۔ ان میں سے بھی نہ ملے تو دیگر کتب سے۔ اگر ایسا حکم حدیث صحیح سے نہ ملے تو یہ اقرار کرنے کے بعد کہ دائیں ہاتھ سے صحیح صریح حدیث ہمارے پاس نہیں تو حسن درجہ کی حدیث ہی پیش فرما دیں اور اگر حسن حدیث بھی نہ ملے تو یہ حکم کسی ضعیف میں ہی دکھا دئیں لیکن نام نہاد اہل حدیث ایسی قولی حدیث پیش کرنے میں اُس دن سے آج تک عاجز ہیں اور انشاء اللہ عاجز رہیں گے۔ جب وہ حکم رسول اللہ ﷺ پیش نہ کر سکے تو اہل سنت والجماعت نے مطالبہ کیا کہ کوئی فعلی

مرفوع حدیث کہ آنحضرت ﷺ صرف دائیں ہاتھ سے مصافحہ کرتے تھے بایاں ہاتھ بالکل الگ رکھتے تھے اگر صحیح ہو تو صحیح، اگر صحیح نہ ہو تو حسن، اگر حسن بھی نہ ملے تو ضعیف ہی پیش کردیں، لیکن وہ اس سے بھی عاجز ہیں اور عاجز رہیں گے۔ آخر یہ مطالبہ کیا گیا کہ آپ کوئی تقریری حدیث ہی پیش کردیں کہ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے سامنے صرف دائیں ہاتھ سے مصافحہ کرتے تھے اور آپ ﷺ اس پر سکوت فرماتے، اس کی کوئی صحیح یا حسن سند نہ ہو تو ضعیف سند پیش فرمادیں لیکن وہ اس سے بھی عاجز رہے، عاجز ہیں اور انشاء اللہ العزیز عاجز رہیں گے۔ اہل سنت والجماعت نے کہا کہ جب صرف دائیں ہاتھ سے مصافحہ کے لئے کوئی حدیث ہی نہیں تو اس کو سنت کیسے کہا جا رہا ہے؟ کیونکہ بعض اوقات ایک بات حدیث سے ثابت ہوتی ہے مگر سنت نہیں ہوتی جیسے ایک کپڑے میں نماز پڑھنا، جوتے پہن کر نماز پڑھنا، بچی کو اُٹھا کر نماز پڑھنا متفق علیہ احادیث سے ثابت ہیں مگر سنت نہیں کیونکہ سنت کے ثبوت کے لئے مواظبت شرط ہے جو یہاں نہیں پائی گئی تو صرف دائیں ہاتھ سے مصافحہ کیلئے تو حدیث بھی نہیں مواظبت کجا اس کو سنت کہنا محض جھوٹ ہوا۔

دلیل مل گئی :

آخر جب اہلسنت کی طرف سے بار بار مطالبے ہوئے کہ مسلمانوں کے متواتر عمل کو بدعت اور انگریز اور نیچریوں کے عمل کو سنت نبوی ﷺ کا نام کیوں دیا جا رہا ہے تو بلی تھیلے سے باہر آگئی کہ بعض احادیث سلام میں اَخَذَ بِالیَد، اَخَذَ بِیَدِہٖ وغیرہ کے الفاظ ملتے ہیں اور ید واحد ہے جس سے معلوم ہوا کہ ایک ہاتھ سے سلام کرنا چاہیے اہل سنت والجماعت یہ سن کر ان کی حدیث فہمی پر سخت حیران ہوئے کیونکہ انسان کے جسم

میں جو ایک سے زائد اعضاء ہیں ان کے لئے بھی بطور جنس ہر زبان میں واحد کا صیغہ بولا جاتا ہے جیسے کوئی کہتا ہے کہ میں نے اپنی آنکھ سے تجھے وہاں کھڑا دیکھا تھا، تو اس فقرے سے کیا کوئی بے عقل یہ سمجھے گا کہ یہ آدمی کانا ہے اس لئے واحد کا صیغہ بول رہا ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ میں نے اپنے کان سے تیری بات سنی تھی تو کیا یہ سمجھا جائے گا کہ دوسرا کان اس نے بات سنتے وقت بند کرلیا تھا؟ ایک آدمی دوسرے سے کہتا ہے کہ میں اپنا پاؤں بھی نہیں رکھوں گا، تو کیا سمجھا جائے گا کہ متکلم کا ایک ہی پاؤں ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں...... **ولا تجعل یدک مغلولۃً الی عنقک**...... کیا یہاں ایک ہی اور دایاں ہاتھ مراد ہے۔ آنحضرت ﷺ خود بھی دعا مانگتے اور اُمت کو بھی تعلیم فرماتے تھے...... **اللھم اجعل فی بصری نورا واجعل فی سمعی نورا**...... تو یہاں بھی ''بصر اور سمع'' واحد کے صیغے ہیں تو ایک آنکھ اور ایک کان اور وہ بھی صرف دایاں ہی مراد ہیں؟...... **المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ**...... **من رایٔ منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ**...... (الحدیث) ان دونوں حدیثوں میں بھی **ید** واحد ہے تو کیا یہاں بھی دوسرا ہاتھ لگانا خلاف سنت ہوگا۔ اگر بفرض محال یہاں حدیث سلام میں **ید** سے جنس مراد نہ لیں، ایک ہاتھ ہی مراد لے لیں، تو عربی میں **ید** کا لفظ انگلیوں سے لے کر کندھوں تک بولا جاتا ہے، تو اگر دو آدمی بوقت سلام دونوں بائیں کہنیاں تا دونوں بائیں کندھے ملالیں تو اس حدیث پر عمل ہو جائے گا یا نہیں؟ کیونکہ بایاں ہاتھ بھی تو **ید** ہی ہے پاؤں تو نہیں۔ اگر یہ مان لیں کہ یہاں **ید** سے ایک ہی ہاتھ مراد ہے تو بھی اُمت کے متوارث عمل کو بدعت اور خلاف حدیث کیسے کہا جائے گا؟ دیکھئے آنحضرت ﷺ کا ایک کپڑے میں نماز ادا کرنا احادیث

متواترہ سے ثابت ہے لیکن اُمت کا متوارث عمل تین کپڑوں میں نماز پڑھنے کا ہے۔ اُمت کے اس متوارث عمل میں ایک کپڑے والی حدیث پر بھی عمل ہو جاتا ہے اور دوسری حدیثوں پر بھی۔ آج تک کسی نے بھی اُمت کے اس متوارث عمل کو خلاف سنت نہیں کہا۔ اسی طرح اُمت میں جو متوارث عمل دو ہاتھ سے مصافحہ کا چلا آرہا ہے تو اس میں ایک ہاتھ والی حدیث پر بھی عمل کیا گیا اور دو ہاتھ والی پر بھی، تو اہل سنت والجماعت کو کسی حدیث کی مخالفت کا خطرہ نہ رہا۔ جیسے احادیث میں ایک ایک دفعہ اعضائے وضو دھونے کا ذکر ہے، دو دفعہ دھونے کا بھی ذکر ہے اور تین تین دفعہ دھونے کا بھی۔ اب جس نے تین تین دفعہ اعضائے وضو کو دھولیا اس نے تینوں حدیثوں پر عمل کر لیا لیکن جس نے ایک ایک دفعہ اعضائے وضو کو دھویا اس نے یقیناً دو حدیثوں پر عمل نہیں کیا اور اگر وہ یہ بھی کہنے لگے کہ ایک ایک دفعہ اعضائے وضو کا دھونا ہی سنت ہے، تین تین دفعہ کا دھونا بدعت اور خلاف سنت ہے تو اس فہم پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔

الغرض نام نہاد اہل حدیث حضرات نے پوری اُمت کے برخلاف محض اپنی رائے سے ید سے ایک ہاتھ مراد لیا، جب کہ پوری اُمت ید سے جنس مراد لے کر دونوں ہاتھ مراد لیتی ہے۔ پھر محض اپنی رائے سے ید سے یمین کو متعین کر لیا اور محض اپنی رائے سے دو ہاتھ والی متفق علیہ حدیث پر عمل کرنے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ اس کو خلاف سنت قرار دیا۔ جب کہ صرف دائیں ہاتھ سے مصافحہ کرنا نہ کسی حدیث قولی، نہ فعلی، نہ تقریری سے، نہ حسن سے، نہ صحیح سے، نہ ضعیف سے ثابت کر سکے تو لغت کی طرف دوڑے، حدیث سے دستبردار ہو گئے کہ لغت میں مصافحہ ہاتھ کی ہتھیلی ملانے کو کہتے ہیں حالانکہ یہاں بھی ہاتھ جنس کے طور پر استعمال ہوا ہے، پھر اگر دونوں آدمی بائیں ہتھیلی

سے مصافحہ کریں تو اسے لغۃً مصافحہ کہیں گے۔ لیکن آپ اس پر ہرگز عامل نہیں ہیں، افسوس کہ نہ حدیث نے تمہارے سر پر ہاتھ رکھا نہ لغت نے تمہارا ساتھ دیا البتہ تشبہ بالکفار جو حدیث میں ممنوع ہے وہ آپ کو حاصل ہو گیا۔

ے نظر اپنی اپنی، پسند اپنی اپنی

دو ہاتھ سے مصافحہ :

اب دیکھیں کہ امت کا متوارث عمل دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے کا ہے، جس کو یہ حضرات بدعت اور خلاف سنت کہتے ہیں کیا واقعی یہ بے ثبوت ہیں تو ہرگز نہیں، امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں (ص ۹۲۶/ج ۲) پر باب المصافحہ کا عنوان باندھا ہے جس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے تعلیقاً یہ روایت لائے ہیں **علمنی النبی ﷺ التشھد وکفی بین کفیہ**...... یعنی آنحضرت ﷺ نے مجھے تشہد کی تعلیم دی ایسی حالت میں کہ میرا ہاتھ آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔ بعد ازاں امام بخاریؒ نے **باب الاخذ بالیدین** باندھا ہے اور اس میں حضرت حماد بن زیدؓ اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے مصافحہ کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد دو ہاتھوں سے مصافحہ کی دلیل میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مندرجہ بالا حدیث پوری سند سے لائے ہیں کہ میرا ہاتھ آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔

(صحیح بخاری ص ۹۲۶/ج ۲، صحیح مسلم ص ۱۷۳/ج ۱، نسائی ص ۱۷۵/ج ۱)

اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ امام بخاریؒ کی غرض اس باب سے یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی دو ہاتھوں سے مصافحہ فرماتے تھے اور بعد میں بھی اس پر عمل جاری رہا۔ امام بخاریؒ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں...... **حدثنی اصحابنا یحییٰ وغیرہ**

عن اسماعیل بن ابراھیم قال رایت حماد بن زیدو جاء ابن المبارک بمکة فصافحه بکلتا یدیه...... (حاشیہ بخاری ص۹۲۶/ج۲)

''اسماعیل بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حماد بن زیدؒ کو دیکھا کہ ان کے پاس عبداللہ بن مبارکؒ مکہ معظّمہ سے تشریف لائے تو آپ نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا''

یادرہے کہ یہ لوگ اپنے زمانے میں امام المحدثین تھے۔ امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ فرماتے تھے...... **الائمةاربعة: مالک وسفیان الثوری وحماد بن زید وابن المبارک......** یعنی چار امام ہیں، مالک سفیان ثوری، حماد بن زید اور ابن مبارکؒ (تذکرۃ الحفاظ) دیگر محدثین بھی دو ہاتھ سے مصافحہ کا ذکر کرتے ہیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک عورت سے فرمایا.... **قد بایعتک** میں نے تجھے بیعت کیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کلاماً صرف کلام سے بیعت فرمایا، ہاتھ پکڑ کر بیعت نہ فرمایا۔ امام قسطلانیؒ ''ارشاد الساری شرح صحیح بخاری'' اور علامہ عینیؒ ''عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری'' میں اس کی شرح میں فرماتے ہیں...... **ای لا بالید کما کان یبایع الرجال بالمصافحة بالیدین......** یعنی ہاتھ سے بیعت نہ فرمایا جس طرح مردوں سے بیعت کرتے وقت دونوں ہاتھ سے مصافحہ فرمایا کرتے تھے اس کی تصدیق شاہ ولی اللہؒ کی حدیث رؤیا سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے میری طرف دونوں ہاتھ بڑھائے، میں قریب ہوا...... **فاخذ** ﷺ **یدی بین یدیه فصافح ......** تو آپ ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان پکڑا اور مصافحہ فرمایا (الدرالثمین) اور شاہ صاحبؒ ''**القول الجمیل**'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب سے بھی آنحضرت ﷺ نے خواب میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ فرمایا۔ محدثین کے علاوہ فقہا کرام جن کی تقلید کا حکم کتاب وسنت میں دیا گیا ہے وہ بھی دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کو سنت فرماتے ہیں۔ چنانچہ ''مجالس الابرار'' میں ہے...... **والسنةفیها ان تکون بکلتا الیدین......** سنت یہ ہے کہ دو ہاتھوں سے ہو۔ اسی طرح شامی میں اور **اشعة اللمعات** میں بھی ہے اور جبکہ حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان جب مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ جھڑتے ہیں (احمد، ترمذی، ابن ماجہ) اور ظاہر ہے انسان دونوں ہاتھوں سے گناہ کرتا ہے تو دونوں کے جھڑنے چاہئیں مگر ہمارے دوستوں نے ایک ہاتھ شاید ابھی سے جہنم کے لئے ریزرو (Reserve) کروالیا ہے کہ اس کے گناہ جھاڑنا نہیں چاہتے۔

ایک دفعہ عجیب لطیفہ بنا، میں نے ایک غیر مقلد دوست کو بخاری شریف سے دو ہاتھ کے مصافحہ والی حدیث تو دکھائی، تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد بولا: اگرچہ آنحضرت ﷺ کے مصافحہ میں دو ہاتھ تھے لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تو ایک ہی ہاتھ تھا، میں نبی تو نہیں کہ دو ہاتھ سے مصافحہ کروں، میں یہاں نبی کی بجائے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اتباع کروں گا۔ میں نے کہا، جس طرح تم نبی بھی نہیں تم ابن مسعودؓ کی طرح صحابی بھی نہیں ہو کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرو، اس لئے صرف انگوٹھے سے انگوٹھا ملا کر مصافحہ کرلیا کرو تاکہ نہ تمھارے نبی ہونے کا شبہ ہو اور نہ صحابی ہونے کا۔ میں نے کہا کسی حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے دوسرے ہاتھ کی نفی نہیں ہے اور یہ کس کا دل مانتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دونوں مبارک ہاتھ بڑھائے ہوں اور ابن مسعودؓ نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا ہو۔

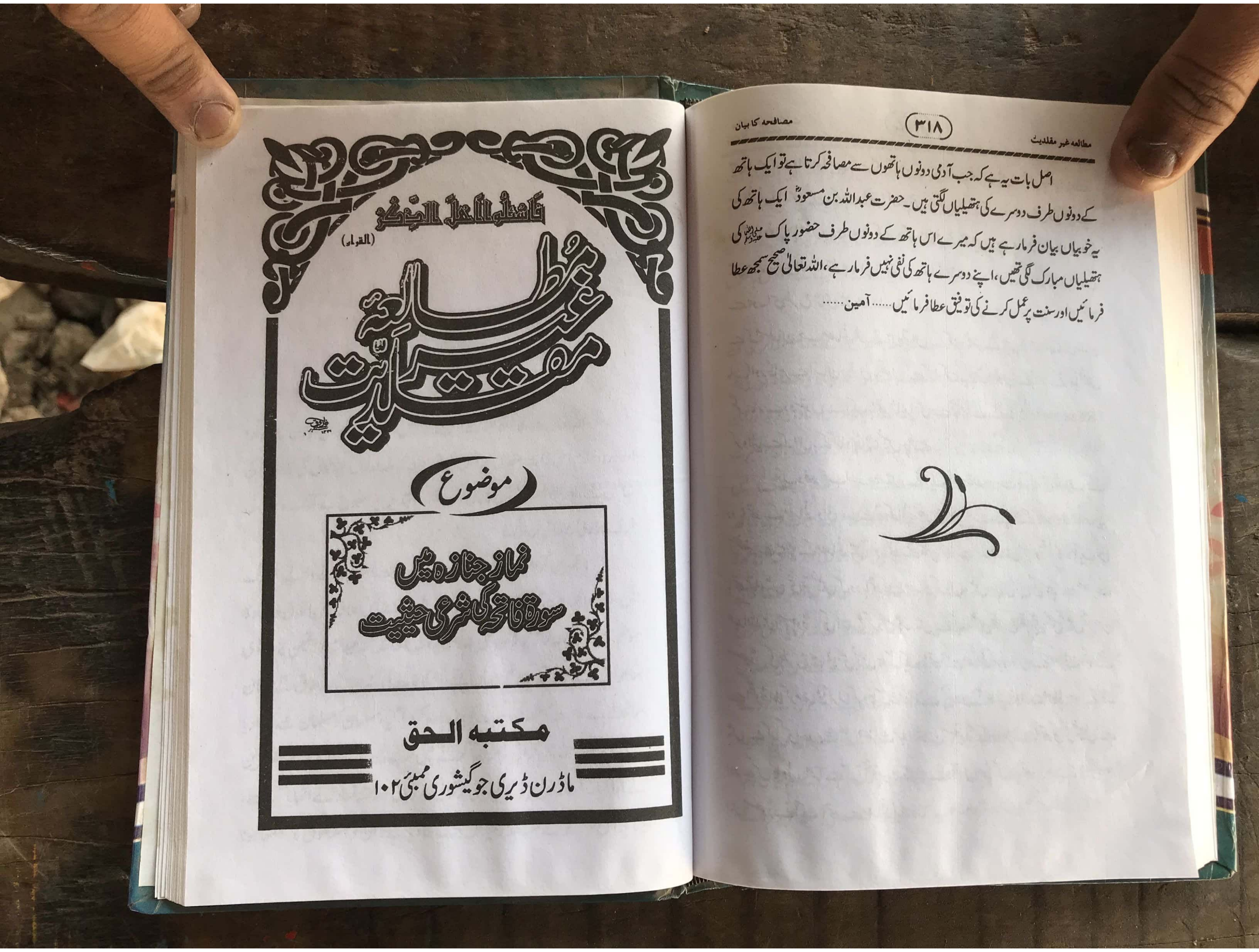

اصل بات یہ ہے کہ جب آدمی دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتا ہے تو ایک ہاتھ کے دونوں طرف دوسرے کی ہتھیلیاں لگتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک ہاتھ کی یہ خوبیاں بیان فرمارہے ہیں کہ میرے اس ہاتھ کے دونوں طرف حضور پاک ﷺ کی ہتھیلیاں مبارک لگی تھیں، اپنے دوسرے ہاتھ کی نفی نہیں فرمارہے ہے، اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ عطا فرمائیں اور سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں...... آمین......

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ

(القرآن)

مطالعۂ غیر مقلدیت

موضوع

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی شرعی حیثیت

مکتبہ الحق

ماڈرن ڈیری جوگیشوری ممبئی ۱۰۲

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ. اَمَّابعد:

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمیں اسلام کی لازوال دولت سے نوازا اور درود وسلام اس ذات مقدس پر جس کی شریعت کاملہ دونوں جہانوں کی کامیابی کی ضامن ہے، اور کروڑوں رحمتیں نازل ہوں آئمہ مجتہدین پر جنھوں نے کتاب وسنت کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔

ناظرین کرام! برصغیر پاک و ہند میں دولت اسلام لانے والے بزرگ اہل سنت والجماعت حنفی ہی تھے اور بارہ سو سال تک اس علاقہ میں اتفاق واتحاد کا موسم بہار رہا، نہ نماز پر لڑائی تھی نہ وضو پر، نہ جمعہ میں نہ عید میں۔ لیکن برطانوی سامراج کے منحوس قدم جونہی یہاں پہنچے، اختلافات کی آندھیاں اور نفاق کے طوفان ساتھ لائے، امت مسلمہ کی وحدت کو پارہ پارہ کردیا گیا، مسلمان کو مسلمان سے بھڑادیا گیا۔ امت مسلمہ میں لڑائی جھگڑا بپا کرنے میں سب سے بڑا کردار فرقہ غیر مقلدین نے ادا کیا۔ کیونکہ اس فرقہ کا خمیر ہی بدگمانی، بدزبانی اور فتنہ فساد سے اٹھایا گیا ہے، چنانچہ اس فرقے نے مساجد کو میدان جنگ بنادیا ہے۔ ان کو مسلمانوں کا اکٹھا ہونا

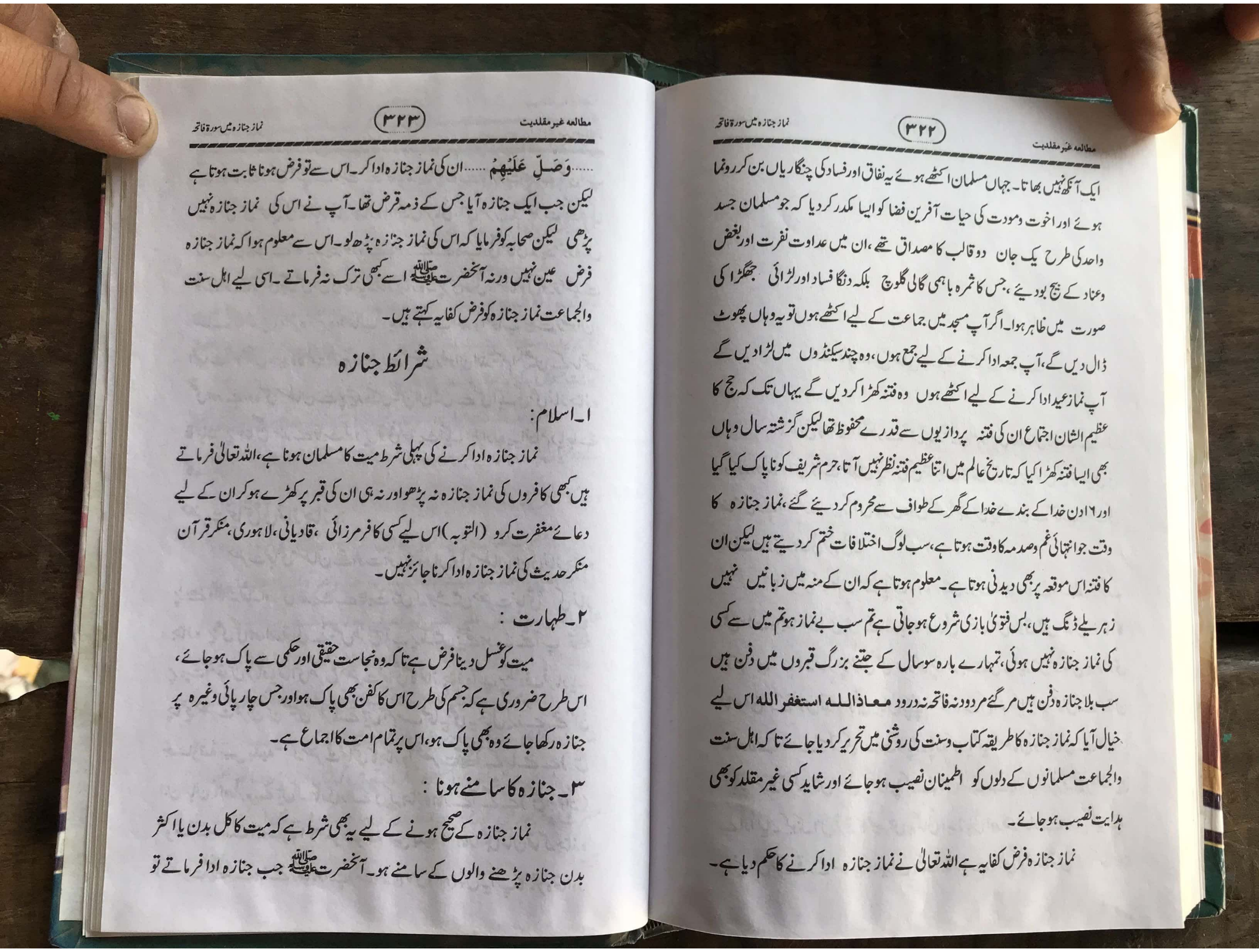

ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ جہاں مسلمان اکٹھے ہوئے یہ نفاق اور فساد کی چنگاریاں بن کر رونما ہوئے اور اخوت ومودت کی حیات آفرین فضا کو ایسا مکدر کر دیا کہ جو مسلمان جسد واحد کی طرح یک جان دو قالب کا مصداق تھے، ان میں عداوت نفرت اور بغض وعناد کے بیج بو دیئے، جس کا ثمرہ باہمی گالی گلوچ بلکہ دنگا فساد اور لڑائی جھگڑا کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اگر آپ مسجد میں جماعت کے لیے اکٹھے ہوں تو یہ وہاں پھوٹ ڈال دیں گے، آپ جمعہ ادا کرنے کے لیے جمع ہوں، وہ چند سیکنڈوں میں لڑا دیں گے آپ نماز عید ادا کرنے کے لیے اکٹھے ہوں وہ فتنہ کھڑا کر دیں گے یہاں تک کہ حج کا عظیم الشان اجتماع ان کی فتنہ پردازیوں سے قدرے محفوظ تھا لیکن گزشتہ سال وہاں بھی ایسا فتنہ کھڑا کیا کہ تاریخ عالم میں اتنا عظیم فتنہ نظر نہیں آتا، حرم شریف کو ناپاک کیا گیا اور ۱۶ دن خدا کے بندے خدا کے گھر کے طواف سے محروم کر دیئے گئے، نماز جنازہ کا وقت جو انتہائی غم وصدمہ کا وقت ہوتا ہے، سب لوگ اختلافات ختم کر دیتے ہیں لیکن ان کا فتنہ اس موقعہ پر بھی دیدنی ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے منہ میں زبانیں نہیں زہریلے ڈنگ ہیں، بس فتوئی بازی شروع ہو جاتی ہے تم سب بے نماز ہو تم میں سے کسی کی نماز جنازہ نہیں ہوئی، تمہارے بارہ سو سال کے جتنے بزرگ قبروں میں دفن ہیں سب بلا جنازہ دفن ہیں مر گئے مردود نہ فاتحہ نہ درود **معاذاللہ استغفر اللہ** اس لیے خیال آیا کہ نماز جنازہ کا طریقہ کتاب وسنت کی روشنی میں تحریر کر دیا جائے تا کہ اہل سنت والجماعت مسلمانوں کے دلوں کو اطمینان نصیب ہو جائے اور شاید کسی غیر مقلد کو بھی ہدایت نصیب ہو جائے۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اللہ تعالیٰ نے نماز جنازہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

......وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ......ان کی نماز جنازہ ادا کر۔ اس سے تو فرض ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن جب ایک جنازہ آیا جس کے ذمہ قرض تھا۔ آپ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی لیکن صحابہ کو فرمایا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھ لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ فرض عین نہیں ورنہ آنحضرت ﷺ اسے کبھی ترک نہ فرماتے۔ اسی لیے اہل سنت والجماعت نماز جنازہ کو فرض کفایہ کہتے ہیں۔

شرائط جنازہ

۱۔ اسلام:

نماز جنازہ ادا کرنے کی پہلی شرط میت کا مسلمان ہونا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کبھی کافروں کی نماز جنازہ نہ پڑھو اور نہ ہی ان کی قبر پر کھڑے ہو کر ان کے لیے دعائے مغفرت کرو (التوبہ) اس لیے کسی کافر مرزائی، قادیانی، لاہوری، منکر قرآن منکر حدیث کی نماز جنازہ ادا کرنا جائز نہیں۔

۲۔ طہارت:

میت کو غسل دینا فرض ہے تا کہ وہ نجاست حقیقی اور حکمی سے پاک ہو جائے، اس طرح ضروری ہے کہ جسم کی طرح اس کا کفن بھی پاک ہو اور جس چارپائی وغیرہ پر جنازہ رکھا جائے وہ بھی پاک ہو، اس پر تمام امت کا اجماع ہے۔

۳۔ جنازہ کا سامنے ہونا:

نماز جنازہ کے صحیح ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ میت کا کل بدن یا اکثر بدن جنازہ پڑھنے والوں کے سامنے ہو۔ آنحضرت ﷺ جب جنازہ ادا فرماتے تو

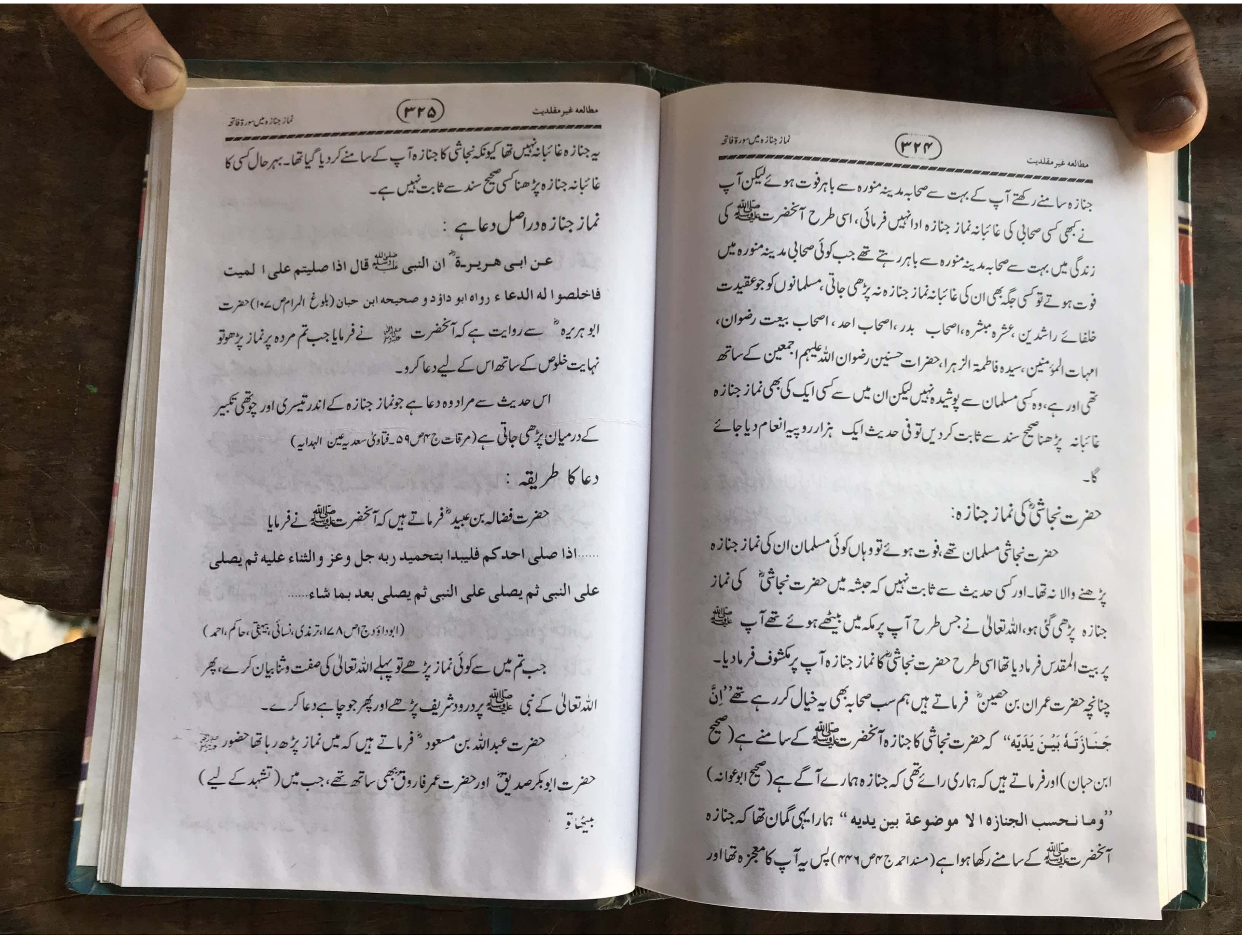

جنازہ سامنے رکھتے آپ کے بہت سے صحابہ مدینہ منورہ سے باہر فوت ہوئے لیکن آپ نے کبھی کسی صحابی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا نہیں فرمائی، اسی طرح آنحضرت ﷺ کی زندگی میں بہت سے صحابہ مدینہ منورہ سے باہر رہتے تھے جب کوئی صحابی مدینہ منورہ میں فوت ہوتے تو کسی جگہ بھی ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہ پڑھی جاتی، مسلمانوں کو جو عقیدت خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ، اصحاب بدر، اصحاب احد، اصحاب بیعت رضوان، امہات المؤمنین، سیدہ فاطمۃ الزہرا، حضرات حسنین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ تھی اور ہے، وہ کسی مسلمان سے پوشیدہ نہیں لیکن ان میں سے کسی ایک کی بھی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا صحیح سند سے ثابت کر دیں تو فی حدیث ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔

حضرت نجاشیؓ کی نماز جنازہ:

حضرت نجاشی مسلمان تھے، فوت ہوئے تو وہاں کوئی مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھنے والا نہ تھا۔ اور کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ حبشہ میں حضرت نجاشیؓ کی نماز جنازہ پڑھی گئی ہو، اللہ تعالیٰ نے جس طرح آپ پر مکہ میں بیٹھے ہوئے تھے آپ ﷺ پر بیت المقدس فرمادیا تھا اسی طرح حضرت نجاشیؓ کا نماز جنازہ آپ پر مکشوف فرمادیا۔ چنانچہ حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں ہم سب صحابہ بھی یہ خیال کر رہے تھے ”اِنَّ جَنَازَتَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ“ کہ حضرت نجاشی کا جنازہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ہے (صحیح ابن حبان) اور فرماتے ہیں کہ ہماری رائے تھی کہ جنازہ ہمارے آگے ہے (صحیح ابوعوانہ) ”وما نحسب الجنازة الا موضوعة بين يديه“ ہمارا یہی گمان تھا کہ جنازہ آنحضرت ﷺ کے سامنے رکھا ہوا ہے (مسند احمد ج ۴ ص ۴۴۶) پس یہ آپ کا معجزہ تھا اور

یہ جنازہ غائبانہ نہیں تھا کیونکہ نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے کر دیا گیا تھا۔ بہر حال کسی کا غائبانہ جنازہ پڑھنا کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔

نماز جنازہ دراصل دعا ہے :

عن ابی ھریرۃؓ ان النبی ﷺ قال اذا صلیتم علی ا لمیت فاخلصوا له الدعاء رواه ابو داؤد و صحیحه ابن حبان (بلوغ المرام ص ۱۰۷) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تم مردہ پر نماز پڑھو تو نہایت خلوص کے ساتھ اس کے لیے دعا کرو۔

اس حدیث سے مراد وہ دعا ہے جو نماز جنازہ کے اندر تیسری اور چوتھی تکبیر کے درمیان پڑھی جاتی ہے (مرقات ج ۴ ص ۵۹۔ فتاویٰ سعدیہ عین الہدایہ)

دعا کا طریقہ :

حضرت فضالہ بن عبیدؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

......**اذا صلی احد کم فلیبدا بتحمید ربه جل و عز والثناء علیه ثم یصلی علی النبی ثم یصلی علی النبی ثم یصلی بعد بما شاء......**

(ابوداؤد ج ۱ ص ۱۷۸، ترمذی، نسائی، بیہقی، حاکم، احمد)

جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی صفت وثنا بیان کرے، پھر اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ پر درود شریف پڑھے اور پھر جو چاہے دعا کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا حضور ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی ساتھ تھے، جب میں (تشہد کے لیے)

بیٹھا تو

بدأت بالثناء علی اللہ تعالیٰ ثم الصلوۃ علی النبی ﷺ ثم دعوت لنفسی......

میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی ثناہ بیان کی پھر نبی اقدس ﷺ پر درود پڑھا پھر اپنے لیے دعا کی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا مانگ تیری دعا قبول ہوگی مانگ تیری دعا قبول ہوگی (ترمذی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دعا کی مقبولیت کے لیے سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے ثناء ہو، پھر درود پھر دعا۔ نماز جنازہ بھی چونکہ دعا ہے اس لیے اس کی ترتیب بھی یہی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں۔

طریقہ نماز :

حضرت ابو سعید مقبری نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ آپ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا میں جنازہ کے پیچھے چل کر جاتا ہوں پھر جب جنازہ نیچے رکھ دیا جاتا ہے۔ کبرت وحمدت اللہ وصلیت علی نبیہ ثم اقول اللھم الخ (موطا مالک ص۷۹)

میں پہلی تکبیر کہتا ہوں پھر اللہ کی ثناء بیان کرتا ہوں پھر نبی پر درود پڑھتا ہوں پھر میت کے لیے دعا مانگتا ہوں۔ حضرات دیکھئے! حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ کا طریقہ بتایا اس میں سورت فاتحہ پڑھنے کا ذکر تک نہیں کیا۔

مرکز اسلام مدینہ منورہ :

عن نافع ان عبداللہ ب عمرؓ کان لا یقرء فی الصلوۃ علی الجنازۃ (موطا امام مالک ص۷۹)

نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نماز جنازہ میں قرآن (فاتحہ) نہیں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت سالمؒ جو ابن عمرؓ کے فرزند تھے اور فقہاء سبعہ میں سے تھے، جن کا فتویٰ چلتا تھا فرماتے ہیں...... لا قراءۃ علی الجنازہ......(ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۹)

نماز جنازہ میں کوئی قرأت نہیں، نہ فاتحہ اور حضرت سالمؒ کے بعد مدینہ منورہ میں بلا شرکت غیرے امام مالکؒ کا فتویٰ جاری ہوا آپ فرماتے ہیں ......قراء الفاتحۃ لیس معمولا بھا فی بلدنا فی صلوۃ الجنازہ ......(عمدۃ القاری)

نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے پر ہمارے شہر میں عمل نہیں ہے۔

ابن بطال شارح بخاری فرماتے ہیں کہ جو صحابہ جنازہ میں فاتحہ پڑھنے والوں پر انکار فرماتے تھے۔ ان میں حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ امام مالک ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے۔ خلافت راشدہ سے لے کر ۱۷۹ھ تک مدینہ منورہ میں جو جنازے پڑھے گئے ان میں فاتحہ نہیں پڑھی گئی۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین میں سے مدینہ منور میں ایک شخص کا نام بھی پیش نہیں کیا جا سکتا جو نماز جنازہ میں فاتحہ کو فرض کہتا ہو، اور اس نے یہ فتویٰ دیا ہو مدینہ منورہ زادہ اللہ شرفاً کے قبرستان میں جتنے لوگ دفن ہیں، سب بلا جنازہ دفن ہیں۔ اور تو اور کوئی مائی کا لال یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ خلفائے راشدین یا عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک کے جنازہ میں فاتحہ پڑھی گئی ہو۔

؎ نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

دارالاسلام مکہ مکرمہ :

مکہ مکرمہ بھی اسلام اور مسلمانوں کا مرکز ہے حضرت عطاء بن ابی رباح یہاں کے مفتی ہیں، دوسو صحابہ کرام سے ملاقات کا شرف حاصل ہے، خود بھی جلیل القدر تابعی ہیں۔ آپ کے شاگرد تبع تابعین ہیں، پورا خیر القرون ان کی نظر میں ہے آپ سے جب نماز جنازہ کی فاتحہ کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو آپ حیران ہو کر فرمایا...... **ما سمعنا بھذا**...... (ابن ابی شیبہ ج۲ص۲۹۹)

ہم نے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا کبھی نہیں سنا بلکہ...... **طاؤس عطا کان ینکران القراءۃ علی الجنازۃ**...... (ابن ابی شیبہ ج۳ص۲۹۹)

حضرت طاؤس اور حضرت عطاء دونوں نماز جنازہ میں قرأت (فاتحہ پڑھنے) کا انکار فرماتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پورے خیر القرون میں مکہ معظمہ میں ایک شخص بھی نماز جنازہ میں فرضیت کا قائل نہ تھا، سب جنازے بغیر فاتحہ کے پڑھے جاتے تھے اور فاتحہ نہ پڑھنے والوں پر کسی نے کبھی انکار نہ کیا اور ان کے لیے ''فاتحہ نہ درود مر گئے مردود'' کی پھبتی نہ کسی اور اگر کسی نے بھول کر پڑھ بھی لی تو اکابر علماء نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جنازہ میں سورۃ فاتحہ اور ایک سورت پڑھی کیونکہ خیر القرون میں یہ ایک انوکھی بات تھی اسی وقت آپ کا بازو پکڑ کر پوچھا گیا کہ یہ کیا؟ آپ نے انھا سنۃ کہہ کر جان چھڑائی کہ یہ نماز جنازہ پڑھنے کا ایک غیر معروف طریقہ ہے، جسے عام صحابہ تابعین نہیں پہچانتے اس لیے آپ نے لفظ سنت کو نکرہ بیان فرمایا۔ اس کے بعد ابن عباسؓ نے بھی کبھی فاتحہ نہ پڑھی بلکہ جب آپ نے حضرت ابوحمزہؓ کو نماز جنازہ کا طریقہ سکھایا تو

فرمایا ''**تصلی علی الجنازۃ تسبح و تکبیر ولا ترکع ولا تسجد**''

(سند صحیح فتح الباری ج۳ص۳۷۶)

یعنی نماز جنازہ میں تسبیح و تکبیر ہے اور رکوع سجدہ نہیں آپ نے قرأت کا ذکر تک نہ فرمایا۔

دارالاسلام کوفہ :

کوفہ حضرت فاروق اعظمؓ نے آباد کیا، یہاں تقریباً سترہ سو صحابہ قیام پذیر ہوئے۔ یہاں کے پہلے شیخ القرآن والحدیث والفقہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ آخر میں حضرت علیؓ نے اس کو دارالخلافہ بنایا۔ یہ خلافت راشدہ کا آخری مرکز ہے آخری خلیفہ راشد حضرت علیؓ جب نماز جنازہ پڑھاتے تو......

''**یبدا الحمد ویصلی علی النبی ﷺ ثم یقول اللھم الخ**''

(ابن ابی شیبہ ج ۳ ص۲۹۵)

پہلے خدا کی ثناء سے شروع فرماتے ہیں پھر درود پاک پڑھتے پھر مردے کے لیے دعا فرماتے۔

پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت علیؓ جنازہ میں فاتحہ نہیں پڑھتے تھے بلکہ پڑھنے والوں پر انکار فرماتے تھے۔ دور تابعین میں امام شعبیؒ کا فتویٰ چلتا تھا، یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے پانچ سو صحابہ کرام کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور کیا، یہ بھی نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد ثناء دوسری کے بعد درود شریف تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے دعا فرماتے تھے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھرتے تھے۔

(ابن شیبہ ج ۳ ص ۲۹۵)

اور امام شعبی اور نخعی فرمایا کرتے تھے "لیس فی الجنازۃ قرأۃ" (ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۹) یعنی جنازہ میں کوئی قرأت نہیں۔

پھر اس دار العلم کی سربراہی امام الائمہ سراج الامت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاتھ آئی، آپ کا فتویٰ ساری دنیا میں چل رہا ہے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ کی قرأت نہیں ہے۔ دار العلم کوفہ میں بھی پورے خیر القرون میں ایک نام بھی نہیں لیا جا سکتا جو نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کو فرض کہتا ہو اور یہ اعلان کرتا ہو کہ جو نماز جنازہ میں فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز جنازہ ادا نہیں ہوتی۔

بصرہ سے یمن تک :

آپ شاید اکتا جائیں اس لیے میں بات کو مختصر کرتا ہوں کہ بصرہ جو خیر القرون میں اسلام کا گہوارہ تھا، وہاں بھی علامہ محمد بن سیرینؒ یہی فتویٰ دیتے تھے کہ نماز جنازہ میں قرأۃ نہیں اور یمن کے طاؤس بھی یہی فتویٰ دیتے تھے (ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۹)

لیکن بصرہ سے لے کر یمن تک پوری اسلامی دنیا میں ایک شخص نے بھی ان کی تردید نہ کی کہ سورہ فاتحہ جنازہ میں فرض ہے تم فرض کے منکر ہو فرض سے روکتے ہو۔ تمہارے جنازے باطل ہیں۔ کیا ہے کوئی غیر مقلد جو خیر القرون میں سے اپنا ایک ہمنوا تلاش کر لے؟

الغرض :

آنحضرت ﷺ نے کبھی نہ فرمایا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ فرض ہے اور جس جنازہ میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ جنازہ باطل ہے۔ دنیا کی کسی حدیث کی کتاب میں ایسی حدیث موجود نہیں ہے۔ اگر کوئی غیر مقلد آنحضرت ﷺ کا ایسا حکم دکھا دے تو ہم مبلغ دس ہزار روپیہ رائج الوقت انعام دیں گے۔ میں کہتا ہو کہ تم اپنے اس محسن اعظم کو بھی ساتھ ملا لو جس نے تمہیں ان فتنہ پردازیوں کے لیے جاگیریں دیں اور خزانوں کے منہ کھول دیے اور جس نے اہلحدیث کا نام الاٹ کیا پھر بھی تم ایسی حدیث پیش نہیں کر سکو گے "آؤ ہمت کرو" اگر رسول اکرم ﷺ سے تم یہ حکم نہ دکھا سکو اور قیامت تک نہ کھا سکو گے تو پورے خیر القرون میں لاکھوں صحابہ کروڑوں تابعین و تبع تابعین میں سے صرف ایک نام ایسا پیش کر دو جو نماز جنازہ میں فاتحہ کو فرض اور دنیا بھر کے جنازوں کو باطل کہتا ہو۔ سنو میں تمہیں بہانگ دہل کہتا ہوں، اب عورتوں کی طرح نقاب میں نہ چھپ جانا، گوہ کی طرح بل میں نہ گھس جانا، بجو کی طرح عقب میں نہ سمٹ بیٹھنا، مردوں کی طرح ایسا حکم پیش کرو اور نہ کر سکو تو ضد چھوڑ کر راہ ہدایت پر آ جاؤ۔

فائدہ : مندرجہ بالا احادیث مبارکہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ نماز جنازہ کا مقصد میت کے لیے دعا ہے، سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے ثناء ہے یا اپنے لیے دعا ہے اس میں میت کے لیے دعا کا ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ اب نہ جانے غیر مقلد کس لیے اسکی فرضیت پر زور دے رہے ہیں جب کہ جنازہ کا اصل مقصد میت کے لیے دعا اس میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ ہاں دعا سے پہلے ثناء پڑھنا سنت ہے اگر ثناء کی نیت سے کوئی پڑھے تو گنجائش ہو سکتی ہے۔

التنبیہ لا یقاظ السفیہ :

غیر مقلد حضرات سے عرض ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ میں فاتحہ کو فرض نہین فرمایا تو پھر تم کون ہوتے ہو فرض کہنے والے؟ کیا تمہیں ابن مسعودؓ کا وہ

ارشاد عالی یاد نہیں کہ اپنی نماز میں شیطان کا حصہ شامل نہ کرے، اور نماز میں شیطان کا حصہ شامل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دائیں طرف سے پھرنا (جو اگرچہ آنحضرت ﷺ کا اکثر عمل ہے لیکن ضروری اور فرض واجب نہیں) اس کو ضروری سمجھنا بدعت اور شیطان کا حصہ ہے (بخاری)

اسی طرح جب آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کو فرض نہیں فرمایا تو تمہارا نماز جنازہ میں سور فاتحہ کو فرض قرار دینا اپنے جنازہ میں یقیناً شیطان کا حصہ شامل کرنا ہے۔ کیا ہم غیر مقلدوں سے یہ امید رکھیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ڈریں گے اور اپنے جنازوں کو شیطان کے دخل سے پاک کریں۔ ہاں دیکھنا شیطان کی طرح یہ پروپیگنڈہ نہ کرنا کہ فاتحہ کو شیطان کا حصہ کہہ دیا بلکہ غیر ضروری بات کو ضروری قرار دینے کو حضور ﷺ نے خود شیطان کا حصہ فرمایا ہے۔

حضرت ابو وائلؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں جنازے کی نماز سات، چھ، پانچ، اور چار تکبیروں سے ہوتی رہی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس اختلاف کو ختم کیا گیا۔ ”فجمع عمر الناس علی اربع ماطول الصلوة

(رواہ البیہقی ج ۴ ص ۳۷) وٗاسنادہ حسن فتح الباری “

یعنی حضرت عمرؓ نے سب کو چار تکبیروں پر جمع فرمادیا کیونکہ بڑی نماز کی چار ہی رکعتیں ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم جو نمازیں پڑھتے ہیں کوئی نماز دو رکعت ہے کوئی تین رکعت ہے کوئی چار رکعت ہے۔ ایک سلام سے چار رکعت سے زیادہ کوئی فرض نماز نہیں ہے اور نماز جنازہ کی ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے تو زیادہ سے زیادہ چار

تکبیریں ہی ہو سکتی ہیں کیونکہ بڑی سے بڑی نماز چار رکعت سے زائد نہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہؓ نماز جنازہ کی تکبیرات کو فرض نماز کی رکعات کے قائمقام جانتے تھے، تو اگر نماز جنازہ میں قرأت فرض یا واجب یا سنت بھی ہوتی تو نماز جنازہ میں چار دفعہ فاتحہ پڑھنی فرض ہوتی۔ کیونکہ چار رکعت نماز میں چار مرتبہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ ہر رکعت میں مستقل فاتحہ تو چار تکبیروں میں بھی چار مرتبہ فاتحہ پڑھنی چاہیے، لیکن سوائے ابن حزم کے پوری امت میں کوئی شخص بھی جنازہ میں چار مرتبہ فاتحہ کی فرضیت کا قائل نہیں۔ اس سے معلوم ہوا جو لوگ فاتحہ پڑھتے ہیں وہ اس کو قرأت کی نیت سے بالکل نہیں پڑھتے، ثناء کی نیت سے پڑھتے ہیں۔ کیونکہ چار رکعت نماز میں قرأت چار مرتبہ ہوتی ہے، اور ثناء ایک مرتبہ، چار رکعت میں جس کسی نے بھی صرف ایک مرتبہ فاتحہ پڑھی وہ ثناء ہے قرأت نہیں۔

کیا بہ نیت ثناء پڑھ لینی چاہیے؟

ہمارے مسلک حنفی میں اصل ثناء ”**سبحانک اللھم**“ ہی ہے جو ہر نماز میں بطور ثناء پڑھی جاتی ہے۔ لیکن اگر اس کے ساتھ سورہ فاتحہ بھی ثناء کی نیت سے پڑھ لے تو جائز ہے، لیکن آج کل نہ پڑھنا ہی بہتر ہے۔

غیر مقلدین کی فتنہ پردازی :

غیر مقلدین کا کوئی مذہب نہیں ہے، ان کا کام فتنہ فساد اور عوام کو پریشان کرنا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تم فاتحہ پڑھ لیا کرو اگرچہ ثناء کی نیت سے ہی پڑھو، پھر نماز جنازہ صحیح ہوگی۔ ان سے کوئی پوچھے کہ اگر ظہر کے چار فرض کوئی شخص فرض کی نیت سے نہ پڑھے بلکہ نفل کی نیت سے پڑھ لے تو کیا اس کی نماز ظہر ہو جائے گی؟ ایک آدمی زکوۃ نہیں دیتا

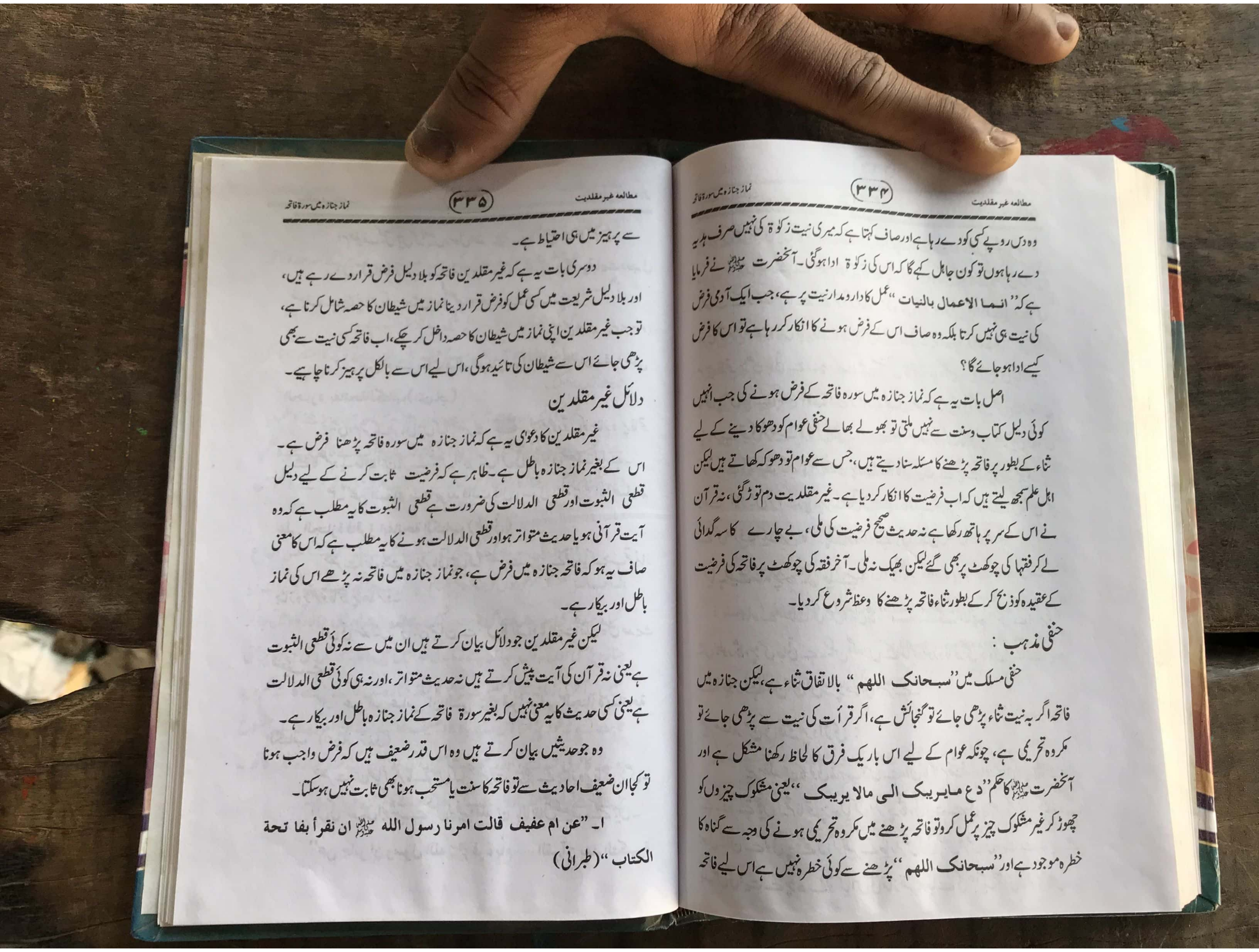

وہ دس روپے کسی کو دے رہا ہے اور صاف کہتا ہے کہ میری نیت زکوٰۃ کی نہیں صرف ہدیہ دے رہا ہوں تو کون جاہل کہے گا کہ اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ " انما الاعمال بالنیات "عمل کا دارومدار نیت پر ہے، جب ایک آدمی فرض کی نیت ہی نہیں کرتا بلکہ وہ صاف اس کے فرض ہونے کا انکار کر رہا ہے تو اس کا فرض کیسے ادا ہو جائے گا؟

اصل بات یہ ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کے فرض ہونے کی جب انہیں کوئی دلیل کتاب وسنت سے نہیں ملتی تو بھولے بھالے حنفی عوام کو دھوکا دینے کے لیے ثناء کے بطور پر فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ سنا دیتے ہیں، جس سے عوام تو دھوکہ کھاتے ہیں لیکن اہل علم سمجھ لیتے ہیں کہ اب فرضیت کا انکار کر دیا ہے۔ غیر مقلدیت دم توڑ گئی، نہ قرآن نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا ہے نہ حدیث صحیح فرضیت کی ملی، بے چارے کاسہ گدائی لے کر فقہا کی چوکھٹ پر بھی گئے لیکن بھیک نہ ملی۔ آخر فقہ کی چوکھٹ پر فاتحہ کی فرضیت کے عقیدہ کو ذبح کر کے بطور ثناء فاتحہ پڑھنے کا وعظ شروع کر دیا۔

حنفی مذہب :

حنفی مسلک میں "سبحانک اللھم " بالاتفاق ثناء ہے، لیکن جنازہ میں فاتحہ اگر بہ نیت ثناء پڑھی جائے تو گنجائش ہے، اگر قرأت کی نیت سے پڑھی جائے تو مکروہ تحریمی ہے، چونکہ عوام کے لیے اس باریک فرق کا لحاظ رکھنا مشکل ہے اور آنحضرت ﷺ کا حکم " دع مایریبک الی مالا یریبک "، یعنی مشکوک چیزوں کو چھوڑ کر غیر مشکوک چیز پر عمل کرو تو فاتحہ پڑھنے میں مکروہ تحریمی ہونے کی وجہ سے گناہ کا خطرہ موجود ہے اور "سبحانک اللھم "پڑھنے سے کوئی خطرہ نہیں ہے اس لیے فاتحہ

سے پرہیز میں ہی احتیاط ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ غیر مقلدین فاتحہ کو بلا دلیل فرض قرار دے رہے ہیں، اور بلا دلیل شریعت میں کسی عمل کو فرض قرار دینا نماز میں شیطان کا حصہ شامل کرنا ہے، تو جب غیر مقلدین اپنی نماز میں شیطان کا حصہ داخل کر چکے، اب فاتحہ کسی نیت سے بھی پڑھی جائے اس سے شیطان کی تائید ہوگی، اس لیے اس سے بالکل پرہیز کرنا چاہیے۔

دلائل غیر مقلدین

غیر مقلدین کا دعوای یہ ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ اس کے بغیر نماز جنازہ باطل ہے۔ ظاہر ہے کہ فرضیت ثابت کرنے کے لیے دلیل قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت کی ضرورت ہے قطعی الثبوت کا یہ مطلب ہے کہ وہ آیت قرآنی ہو یا حدیث متواتر ہو اور قطعی الدلالت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس کا معنی صاف یہ ہو کہ فاتحہ جنازہ میں فرض ہے، جو نماز جنازہ میں فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز باطل اور بیکار ہے۔

لیکن غیر مقلدین جو دلائل بیان کرتے ہیں ان میں سے نہ کوئی قطعی الثبوت ہے یعنی نہ قرآن کی آیت پیش کرتے ہیں نہ حدیث متواتر، اور نہ ہی کوئی قطعی الدلالت ہے یعنی کسی حدیث کا یہ معنی نہیں کہ بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز جنازہ باطل اور بیکار ہے۔

وہ جو حدیثیں بیان کرتے ہیں وہ اس قدر ضعیف ہیں کہ فرض واجب ہونا تو کجا ان ضعیف احادیث سے تو فاتحہ کا سنت یا مستحب ہونا بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔

ا۔ "عن ام عفیف قالت امرنا رسول اللہ ﷺ ان نقرأ بفا تحۃ الکتاب "، (طبرانی)

ام عفیف کہتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔

اس میں اولاً تو سرے سے نماز جنازہ کا ذکر ہی نہیں، پھر یہ نہایت درجہ کی ضعیف ہے چنانچہ اس کی سند میں عبدالمنعم ابوسعید ہے جو ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد، ج ۳، ص ۳۳)

۲۔ ”عن ام شریک قال امرنا رسول اللہ ﷺ ان نقرا علی الجنازہ بفاتحۃالکتاب (ابن ماجہ)

یعنی ام شریک فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہم عورتوں کو جنازہ پر فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص الجبیر میں اس کی سند کو بھی ضعیف کہا ہے۔

۳۔ ”عن اسماء بنت یزید قالت قال رسول اللہ ﷺ اذا صلیتم علی الجنازۃ فاقرؤ ابفاتحۃ الکتاب (طبرانی)

حضرت اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز جنازہ پڑھو تو فاتحہ پڑھا کرو۔

اس کی سند میں معلیٰ بن حمران ہے جس کا ثقہ ہونا ثابت نہیں پس حدیث ضعیف ہے۔

۴۔ ”عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ قرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب“ (ابن ماجہ ترمذی)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جنازہ پر فاتحہ پڑھی۔

اس کی سند میں ابوشیبہ ہے جس کو غیر مقلدین بالاتفاق ضعیف کہتے ہیں۔

”عن جابر ان رسول اللہ ﷺ قرءَ بِاُم...... القرآن بعد التکبیرۃ

الاولی“ (کتاب الام)

۵۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھی۔

اس کی سند میں ابراہیم بن ابی یحییٰ ہے جو متروک ہے۔

یہ پانچ روایات ہیں جو کہ سب ضعیف ہیں، ان سے تو فاتحہ کا سنت ہونا بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔

نیز پہلی تین احادیث میں عورتوں کو نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ عجیب بات ہے کہ عورتیں جن پر جنازہ فرض نہیں ان کو آپ نے فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔ لیکن مرد جن پر جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے ان کو ایک مرتبہ بھی فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ”نھینا عن اتباع الجنائز“ کہ ہم عورتوں کو جنازہ پڑھنا تو کجا اس کے ساتھ جانے سے بھی روک دیا گیا۔ چنانچہ کسی حدیث سے بھی ثابت نہیں ہے اس وقت عورتیں جنازہ گاہ میں جا کر جنازہ پڑھتی ہوں۔ پس یہ اس پہلے زمانہ کی حدیثیں ہیں جب عورتیں بھی جنازہ پڑھتی تھیں۔ آخری زمانہ میں آنحضرت ﷺ کا نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کا نہ حکم دینا ثابت ہے نہ خود پڑھنا اس لیے باوجود ضعیف ہونے کے ان احادیث میں منسوخ ہونے کا قوی شبہ ہے، اور یہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے نماز جنازہ میں فاتحہ نہ پڑھنے سے تو ان ضعیف روایات کے منسوخ ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔

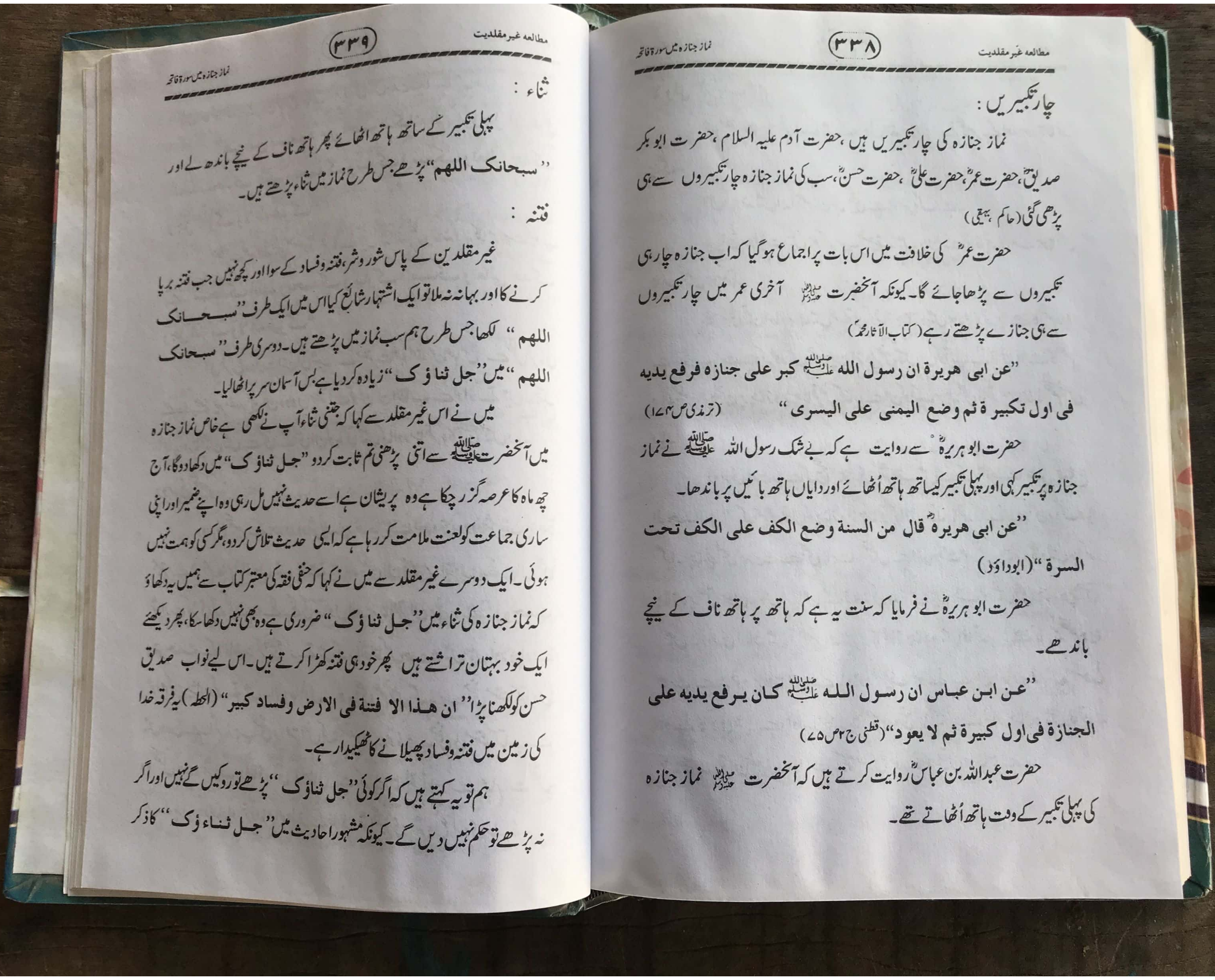

چار تکبیریں :

نماز جنازہ کی چار تکبیریں ہیں ، حضرت آدم علیہ السلام ، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ ، حضرت حسنؓ، سب کی نماز جنازہ چار تکبیروں سے ہی پڑھی گئی (حاکم ، بیہقی)

حضرت عمرؓ کی خلافت میں اس بات پر اجماع ہو گیا کہ اب جنازہ چار ہی تکبیروں سے پڑھا جائے گا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ آخری عمر میں چار تکبیروں سے ہی جنازے پڑھتے رہے (کتاب الآثار محمدؒ)

"عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ کبر علی جنازہ فرفع یدیہ فی اول تکبیر ۃ ثم وضع الیمنی علی الیسری " (ترمذی ص ۱۷۴)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پر تکبیر کہی اور پہلی تکبیر کیساتھ ہاتھ اُٹھائے اور دایاں ہاتھ بائیں پر باندھا۔

"عن ابی ھریرہؓ قال من السنۃ وضع الکف علی الکف تحت السرۃ " (ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ ناف کے نیچے باندھے۔

"عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ کان یرفع یدیہ علی الجنازۃ فی اول کبیرۃ ثم لا یعود" (قطنی ج ۲ ص ۷۵)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نماز جنازہ کی پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اُٹھاتے تھے۔

ثناء :

پہلی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے پھر ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لے اور "**سبحانک اللھم**" پڑھے جس طرح نماز میں ثناء پڑھتے ہیں۔

فتنہ :

غیر مقلدین کے پاس شور و شر، فتنہ و فساد کے سوا اور کچھ نہیں جب فتنہ برپا کرنے کا اور بہانہ نہ ملا تو ایک اشتہار شائع کیا اس میں ایک طرف "**سبحانک اللھم**" لکھا جس طرح ہم سب نماز میں پڑھتے ہیں۔ دوسری طرف "**سبحانک اللھم**" میں "**جل ثناؤک**" زیادہ کر دیا ہے بس آسمان سر پر اٹھا لیا۔

میں نے اس غیر مقلد سے کہا کہ جتنی ثناء آپ نے لکھی ہے خاص نماز جنازہ میں آنحضرت ﷺ سے اتنی پڑھنی تم ثابت کر دو "**جل ثناؤک**" میں دکھا دوگا، آج چھ ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے وہ پریشان ہے اسے حدیث نہیں مل رہی وہ اپنے ضمیر اور اپنی ساری جماعت کو لعنت ملامت کر رہا ہے کہ ایسی حدیث تلاش کر دو، مگر کسی کو ہمت نہیں ہوئی۔ ایک دوسرے غیر مقلد سے میں نے کہا کہ حنفی فقہ کی معتبر کتاب سے ہمیں یہ دکھاؤ کہ نماز جنازہ کی ثناء میں "**جل ثناؤک**" ضروری ہے وہ بھی نہیں دکھا سکا، پھر دیکھئے ایک خود بہتان تراشتے ہیں پھر خود ہی فتنہ کھڑا کرتے ہیں۔ اس لیے نواب صدیق حسن کو لکھنا پڑا " **ان ھذا الا فتنۃ فی الارض وفساد کبیر**" (الحطہ) یہ فرقہ خدا کی زمین میں فتنہ و فساد پھیلانے کا ٹھیکیدار ہے۔

ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی "**جل ثناؤک**" پڑھے تو روکیں گے نہیں اور اگر نہ پڑھے تو حکم نہیں دیں گے۔ کیونکہ مشہور احادیث میں "**جل ثناءؤک**" کا ذکر

نہیں، حافظ الحدیث ابن شجاع کتاب الفردوس میں حدیث لائے ہیں۔

''عن ابن مسعودؓ من احب الکلام الی عزوجل ان یقول العبدسبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک وجل ثناؤک ولا الہ غیرک''

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ کو یہ کلام بہت محبوب ہے۔ ''سبحانک اللھم وبحمدک و تبارک اسمک وتعالی جدک وجل ثناؤک ولا الہ غیرک''

اسی طرح روایت ابن ابی شبیہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل فرمائی ہے۔ دیکھئے غیر مقلدین ان دونوں حضرات کو کن کن القاب سے نوازتے ہیں۔ جبکہ صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے بھی ان کو بدعتی نہیں کہا اور مناظرہ کا چیلنج نہیں دیا۔

دوسری تکبیر :

دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھا جاتا ہے اور وہی درود شریف پڑھنا بہتر ہے جو ہم عام نمازوں میں پڑھتے ہیں۔ لیکن ان فتنہ پردازوں نے یہاں بھی شرارت کھڑی کر رکھی ہے، ٹکے ٹکے کی کتابوں اور یسرنا القران وغیرہ سے ''ورحمت وترحمت کے الفاظ سنا کر چیلنج کرتے ہیں کہ یہ الفاظ کس حدیث میں ہیں اور بیچارے عوام کو پریشان کرتے ہیں۔ ان جاہلوں کو یہ بھی علم نہیں کہ مذہب حنفی مستند کتابوں میں درج ہے۔ اگر مذہب حنفی پر اعتراض کرنا مقصود ہے تو مذہب حنفی کی مستند کتاب سے وہ مکمل درود شریف دکھاؤ، کتنی ڈھٹائی ہے کہ یسرنا لقرآن سے عبارت نقل کر کے ہدایہ، درمختار اور خود امام ابوحنیفہؒ کے خلاف شرانگیزی شروع کر دی جائے۔

ہاں ہم بھی غیر مقلدوں سے پوچھتے ہیں کہ کہ آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ میں خاص یہ درود ابراہیمی مقرر فرمایا ہے یا یہ غیر مقلدوں نے خود مقرر کر لیا ہے؟ اگر کوئی صحیح صریح حدیث آپ کے پاس ہے کہ رسول پاک ﷺ نے نماز جنازہ میں لفظ بہ لفظ یہی درود ابراہیمی مقرر فرمایا ہے تو حدیث لاؤ ہم مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ اور اگر تم آنحضرت ﷺ سے یہ مقرر کرنا نہ دکھا سکو تو تم کون ہوتے ہو مقرر کرنے والے؟ جونسا درود کوئی چاہے پڑھے، اگرچہ افضل یہی درود ابراہیمی ہے بلکہ حدیث شریف سے تو صاف ثابت ہے کہ کوئی درود دعا مقرر نہیں۔

''عن جابر قال ماباح لنا رسول اللہ ﷺ ولا ابو بکر ولا عمر فی شئی ماابا حوافی الصلوۃ علی المیت یعنی لم یوقت''

(ابن ماجہ ص ۱۰۹ مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۷)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ کے لیے کوئی چیز مقرر نہیں فرمائی۔

نوٹ : حافظ ابن حجر نے'' تلخیص الحبیر ''میں اس حدیث کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ رسول پاک ﷺ ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے کبھی نماز جنازہ بلند آواز سے نہیں پڑھی۔

غیر مقلدیت کے عناصر اربعہ کا فتویٰ :

مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی فرماتے ہیں ''میرے فہم میں یہ سب تشددات (یعنی بے جا سختی) ہے الفاظ ماثورہ (جو حدیث میں آئے ہوں) پر اگر کچھ الفاظ حسنہ زیادہ ہو جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے تلبیہ

رسول میں ”لبیک و سعدیک والخیر بیدیک لبیک والرغباء الیک والعمل “ کے الفاظ زیادہ کر لیے۔ اسی طرح بہت مواضع میں ثابت ہے کہ صحابہ کرام اور علمائے اسلام الفاظ ماثورہ پر درود شریف اور دعوات (دعاؤں) میں بعض الفاظ زیادہ کرتے ہیں اور یہ عمل بلانکیر جاری رہا، نماز میں بھی اگر ادعیہ ماثورہ (حدیث کی دعاؤں پر زائد دعا) پڑھی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ حضور ﷺ کے پیچھے ایک شخص نے حمداً کثیراً والی غیر ماثورہ دعا پڑھی تو آپ نے فرمایا تیس سے کچھ زیادہ فرشتے اس کے لکھنے کو آئے تھے۔ اس سے صاف ثابت ہو کہ ماثور پر زیادت جائز ہے کیونکہ یہ دعا اس نے اپنی طرف سے زیادہ کی تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تحسین فرمائی، اس کے نظائر بکثرت ہیں اگر کل کا استیعاب کیا جائے تو ایک مستقل کتاب بنے گی، غرضیکہ اس قسم کی زیادات بدعت سے نہیں بلکہ فمن تطوع خیراً فہو خیر لہ (جو خوشی سے زیادہ نیکی کرے وہ اس کے لیے بہتر ہے میں داخل ہے) فقط عبد الجبار عفی عنہ، سید محمد نذیر حسین۔ عبد الرحمٰن مبارکپوری، مولانا شمس الحق عظیم آبادی……

(فتاویٰ نذیریہ ص ۳،۲ عوان المعبود شرح ابوداؤد ج ۴ ص ۴۰۹)

لیجئے غیر مقلدین کے ان چاروں علماء نے فیصلہ ہی کر دیا کہ درود و دعا میں الفاظ حسنہ کی زیادتی صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک بلانکیر جاری رہی ہے۔ اب غیر مقلدوں کو سوچنا چاہیے کہ جن باتوں پر صحابہ کرام سے نکیر چودہ سو سال تک کسی نے انکار نہیں کیا آج تم ان باتوں پر فتنے کھڑے کر کے مسلمانوں میں کیوں سر پھٹوار ہے؟ ہو۔ کیا ہے کوئی غیر مقلد جو اپنے ان چاروں علماء کی قبریں اکھاڑے کہ تم نے احادیث سے زیادت کا جواز ثابت کر کے ہماری فتنہ پردازیوں پر کیوں پانی ڈالا؟

تیسری تکبیر :

تیسری تکبیر کے بعد بالغ مرد اور عورت کے لیے مشہور دعا ہے اگرچہ غیر مقلدین نے اس دعا کے الفاظ میں تو اختلاف نہیں کیا لیکن پھر بھی رگ شرارت رہ نہیں سکی، آنحضرت ﷺ ہمیشہ نماز جنازہ میں ایک ہی دعا پڑھا کرتے تھے، کبھی تین چار دعائیں اکٹھی کر کے نہیں پڑھیں، نہ ان کو ضروری قرار دیا لیکن آج روپڑی صاحب اپنی تقریروں میں ایک دعا پڑھ کر جنازہ ختم کرنے کو جھٹکا کرنا کہتے پھرتے ہیں۔ دیکھئے یہ سنت رسول ﷺ کے لیے یہ مکروہ تشبیہ اور پھر بھی نام اہلحدیث!!

؎ برعکس نہند نام زنگی کافور

حالانکہ جماعت کی نماز میں تخفیف کو آپ ﷺ نے مستحب فرمایا۔ اور تطویل کرنے کو فتنہ پردازی فرمایا…… **افتان انت یامعاذ**…… لیکن غیر مقلدین کو فتان بننا ہی پسند آتا ہے۔

نابالغ میت :

ابن حزم غیر مقلد نے تو یہ لکھا ہے کہ نابالغ بچے کا جنازہ ہی نہیں پڑھنا چاہیے اسے بلا جنازہ ہی دفن کرنا چاہیے۔ لیکن آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔

”**یصلی علیه ویدعی لوالدیه بالمغفرة والرحمة**(ترمذی وقال صحیح)

اس نابالغ کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اس کے ماں باپ کے لیے رحمت اور بخشش کی دعا کی جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ ”**اللھم اجعلہ لنا فرطاً وسلفاً واجراً**“ (بیہقی) امام حسن بصری بھی ایسی ہی دعا پڑھتے تھے (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ فقہاء نے جو نابالغ کے لیے بالغ سے علیحدہ دعا لکھی ہے، ان کی دلیل یہی احادیث ہیں۔

چوتھی تکبیر :

چوتھی تکبیر کے بعد دونوں طرف سلام کہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے روایت فرمایا...... **سلم عن یمینه و عن شماله** ...... (بیہقی) یعنی دائیں بائیں دو سلام کہے۔

حضرت عبداللہ بھی فرماتے ہیں...... **التسلیم علی الجنازة کا لتسلیم فی الصلوة** ...... (تلخیص الجبیر ج ا ص ۱۶۲) یعنی جنازے کا سلام نماز کے سلام کی طرح ہی ہے۔

نماز جنازہ آہستہ پڑھنی چاہیے :

قبل ازیں یہ لکھا جا چکا ہے کہ نماز دعا ہے، اور دعا کے متعلق قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے ...... **ادعوربکم تضرعاً وخفية انه لا یحب المعتدین** ...... اللہ تعالیٰ سے دعا عاجزی سے اور آہستہ کیا کرو، اللہ تعالیٰ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔ حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ جنازہ پڑھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ...... **سرا فی نفسه** ...... دل ہی دل میں پڑھا جائے اور فتاویٰ علمائے حدیث (ج ۵ ص ۱۴۷) پر ہے کہ جب کوئی صحابی "**من السنة کذا**" کہے تو وہ حدیث مرفوع ہوتی ہے۔ پس کتاب و سنت کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کے مبارک دور سے لے کر تیرہ سو سال تک نماز جنازہ آہستہ پڑھی جاتی رہی، یہاں تک کہ آخری تیرھویں صدی میں دہلی میں ایک غیر مقلد مولوی عبدالوہاب نامی ہوا جس سے انگریزوں نے

سید احمد شہید کی تحریک کو فیل کرنے کے لیے امامت کا دعویٰ کروایا تھا (علمائے احناف اور تحریک مجاہدین ص ۵۲۔۵۳) اس مولوی نے سب سے پہلے دہلی میں بلند آواز سے نماز جنازہ پڑھنے کی رسم ڈالی (مقدمہ تفسیر ستاری ص ۱۵) اس دن سے خود غیر مقلدین میں خانہ جنگی شروع ہے۔ قاضی شوکانی (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۹۸ میں) نذیر حسین صاحب (فتاویٰ نذیریہ ص ۶۶۳، ۶۶۴ ج ا)، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری فتاویٰ علمائے حدیث ج ۵ ص ۱۰۷ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں فاتحہ و سورۃ کا جہر مستحب نہیں یہ جمہور کا مذہب ہے۔ ان کا مشہور اخبار الاعتصام لکھتا ہے کہ تعلیم کے لیے تو بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے لیکن اس کو عادت بنانا اور سنت سمجھنا صحیح نہیں (جلد ۲ شمارہ ۱۹ فتاویٰ علمائے حدیث)

اس کے علاوہ آج کل کے عوام غیر مقلدین بلند آواز سے نماز جنازہ پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں، اور اس پر بہت اصرار کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو مولانا داؤد غزنوی کی نصیحت آویزہ گوش کر لینی چاہیے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"ایک مستحب امر بعض حالتوں میں مکروہ بن جاتا ہے جب امر مستحب کو اس کے درجہ استحباب سے بڑھا دیا جائے، جو شخص ایک امر مستحب پر اصرار کرے اور افضل صورت پر عمل نہ کرے، سمجھ لو کہ شیطان اسے گمراہ کرنے کے درپے ہے، کیونکہ اس نے ایک امر مستحب کو اسے رتبہ استحباب سے بڑھا دیا ہے۔ اسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے شیطانی عمل قرار دے کر اسے بدعت ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، جو شخص صریح بدعت پر اصرار کرے اور سنت کی راہ قبول کرنے سے گریز کرے تو سمجھ سکتے ہو کہ شیطان نے اس پر کس قدر قبضہ جما رکھا ہے...... **اعاذنا الله منه**

(فتاویٰ علمائے حدیث ج ۵ ص ۱۱۶)

بہر حال نماز جنازہ آہستہ پڑھنا ہی کتاب وسنت پر صحیح عمل ہے۔ جن روایات میں جہر کا ذکر ہے ان میں صاف بیان ہے کہ وہ نماز کا طریقہ سکھانے کے لیے تھا، سنت نہیں تھا۔ اب غیر مقلد سوچیں کہ وہ کتاب اللہ اور سنت پر عمل کریں گے یا مولوی عبدالوہاب دہلوی کی جاری کردہ بدعت پر اصرار کریں گے؟

غیر مقلد دوستوں سے چند سوالات:

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ ہم اہل حدیث ہیں، ہمارا ہر مسئلہ حدیث سے ثابت ہے۔ اس لیے چند مسائل عرض کیے جاتے ہیں جن کی احادیث ہمیں نہیں ملیں، براہ کرم وہ ہمیں ان احادیث کی نشاندہی فرما کر ماجور ہوں۔

۱۔ نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں۔ پس تنہا نماز کردن بر جنازہ صحیح باشد (بدور الاہلہ ص۹۰)

یعنی ایک ہی آدمی اکیلا نماز جنازہ پڑھ لے تو صحیح ہے، یہ صحیح ہونا ایک شرعی حکم ہے اس کے لیے صحیح حدیث چاہیے کہ آنحضرت ﷺ نے کتنے جنازے اکیلے پڑھے، آپؐ کے چار صاحبزادے تین صاحبزادیاں دو بیویاں وصال فرما گئیں۔ آپ نے ان میں سے کس کس کا جنازہ اکیلے پڑھا۔

۲۔ نواب صاحب فرماتے ہیں کہ جنازہ پر چار تکبیروں سے زیادہ تکبیریں کہنا بدعت ہے (بدور الاہلہ ص۹۱۔۹۲) اور نواب وحید الزمان فرماتے ہیں، چار تکبیریں تو کم از کم میں جائز بھی ہیں (ص۴۰ کنز الحقائق) ان دونوں میں سے کس کا مسلک درست اور حدیث کے موافق ہے۔

۳۔ نواب وحید الزمان فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں ثناء (**سبحانک اللھم**) نہیں پڑھنی چاہیے لیکن صادق سیالکوٹی نے صلوۃ رسول میں اور بہادر بیگ نے اپنے دو ورقے میں "**سبحانک اللھم**" کو مسنون جنازہ میں درج فرمایا ہے۔ ان دونوں میں سے حدیث کے موافق کسی کا مسلک ہے؟

۴۔ نواب صاحب فرماتے ہیں قبر مربع بنانی افضل ہے اور اونٹ کی کوہان کی طرح بنانی جیسے آج کل سب بناتے ہیں یہ حدیث کے خلاف ہے۔ منکر امر ہے مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایسی قبر بنانے والے پر انکار کیا کریں (بدور الاہلہ ص ۹۵) کیا غیر مقلدین اپنی قبروں کو جو اونچی بنی ہیں مٹا دیں گے؟ اگر نہ مٹائیں گے تو واجب کے تارک ہوں گے، افسوس ہے کہ غیر مقلدین احناف سے فاتحہ کے وجوب پر تو لڑتے ہیں۔ لیکن جب اپنی قبریں گرانے کا واجب حکم سنتے ہیں تو گونگے شیطان کا کردار ادا کرتے ہیں۔

۵۔ نواب صاحب فرماتے ہیں کہ بیمار کے مرنے سے پہلے بھی اس کی تعزیت کرنا جائز ہے (بدور الالہ ص۹۷)

یہ جواز حکم شرعی ہے اس کی دلیل حدیث صحیح صریح مرفوع سے دکھائیں۔

۶۔ نواب وحید الزمان فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ کے آخر میں صرف ایک طرف سلام پھیرے (کنز الحقائق ص۴۱)

۷۔ غیر مقلد ابن حزم فرماتے ہیں کہ جب تک بچہ نابالغ ہو اس کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں (المحلی)

لیکن نواب وحید الزمان فرماتے ہیں کہ جو چار مہینے کا حمل ساقط ہو جائے اس کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے۔ (کنز الحقائق ص۴۱) ان دونوں مسئلوں کے لیے صریح حدیث

پیش کریں؟

۸۔ فتاویٰ علمائے حدیث ص ۳۸ پر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کسی دینوی پریشانی سے تنگ آ کر کوئی موت کی تمنا نہ کرے، یہ حدیث بخاری مسلم کی ہے، لیکن ص ۴۰ پر ہے کہ خود امام بخاریؒ نے امیر خراسان سے تنگ آ کر اپنی موت کی دعا کی آخر کیا امام بخاریؒ نے صحیح حدیث کی مخالفت کی؟

۹۔ عورت کے جنازے پر کفن کے علاوہ ایک چادر ڈالتے ہیں۔ مولانا عبدالجبار عمر پوری غیر مقلد کہتے ہیں کہ اس چادر کا احادیث میں کہیں نام ونشان نہیں ملتا۔ اس کو مسنون خیال کرنا بالکل جہالت ہے یہ بدعت مردودہ ہے، لیکن مولوی علی محمد صاحب سعیدی کہتے ہیں کہ اگر احادیث میں اس کا ذکر نہ بھی ملے تو یہ اس کے ناجائز ہونے کی دلیل نہیں، اس چادر کے بغیر میت بدنما معلوم ہوتی ہے (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۴۴)

بتایئے اس جہالت اور بدعت مردودہ کے چھوڑنے کو بدنما کہنے والے کا کیا حکم ہے؟

۱۰۔ محدث دہلوی نے فتویٰ دیا کہ مال زکوٰۃ سے کسی میت کی تجہیز وتکفین جائز نہیں۔ لیکن علی محمد سعید کہتے ہیں کہ جائز ہے۔

(فتاویٰ علمائے حدیث ص ۴۴، ص ۴۵ ج ۵)

۱۱۔ قبر میں مٹی ڈالتے وقت منہا خلقنا کم الا یہ پڑھنا مستحب ہے مگر اس کی حدیث ضعیف ہے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۶۰، ۶۱ ج ۵)

۱۲۔ نماز جنازہ کی ہر تکبیر میں ہاتھ اٹھائے اور پھر باندھ لے۔

(فتاویٰ علمائے حدیث ص ۱۲۱، ۱۲۲ ج ۵)

اکثر غیر مقلدین اس پر عمل نہیں کرتے، کیوں؟ یہ ہاتھ اٹھانا مستحب ہے مگر حدیث ضعیف سے ثابت ہے (ص ۱۵۶۔۱۵۷ ج ۵)

۱۳۔ جنازہ کو اٹھاتے وقت باری باری بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھنا۔ اس کا کوئی ثبوت خیر القرون میں نہیں ملتا مگر پھر بھی مستحب ہے۔

(فتاویٰ علمائے حدیث ۵، ص ۱۳۲)

۱۴۔ نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنا شرط ہے فرض سے بڑھ کر (بدور الاہلہ ص ۹۲) سنت ہے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۱۴۲، ۱۴۳ ج ۵) غیر مقلد کس نیت سے پڑھتے ہیں فرض کو سنت یا سنت کو فرض کہنے والے کا کیا حکم ہے؟

فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ

(القرآن)

مطالعہ غیر مقلدیت

موضوع

تین رکعت وتر کا ثبوت

مکتبہ الحق

ماڈرن ڈیری جوگیشوری ممبئی ۱۰۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر مسلمان جانتا ہے کہ فرائض اور سنت مؤکدہ کی رکعتیں مقرر ہوتی ہیں۔ ان میں کسی کو اپنی مرضی سے کمی بیشی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا، البتہ نوافل کا حساب ایسا ہے کہ جتنا گڑ ڈالو گے اتنا ہی میٹھا ہوگا، جتنے پڑھ لو اتنا ہی ثواب مل جائے گا، نماز وتر کے بارہ میں احادیث میں کئی اختلافات ہیں، جن میں بعض احکام نفل والے ہیں مثلاً جتنی چاہے رکعتیں پڑھ لینا، سواری پر بیٹھ کر وتر پڑھ لینا وغیرہ، بعض احکام وجوب کے ہیں کہ تین رکعت ہی پڑھنا، سواری پر بیٹھ کر وتر کا جائز نہ ہونا، وتروں کی قضا کا ضروری ہونا۔ اب شریعت (کتاب وسنت) میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ایک ہی نماز کو کبھی نفل کی نیت سے ادا کر لیا جائے، اور کبھی واجب کی نیت سے پڑھ لیا جائے اور نہ ہی صراحتاً کسی حدیث میں یہ ہے کہ پہلے یہ احکام تھے اب یہ ہیں، جب یہ صراحت نہ ملی تو بنص حدیث معاذؓ یہاں اجتہاد کی گنجائش نکل آئی، مجتہدین نے اجتہاد سے کسی ایک پہلو کو ترجیح دے لی، اس بارہ میں احناف یہ کہتے ہیں کہ پہلے وتر نفل تھے اور تہجد میں شامل تھے، اس لیے تہجد اور وتر کو ملا کر بیان کر دیا جاتا کہ حضور ﷺ نے گیارہ یا تیرہ

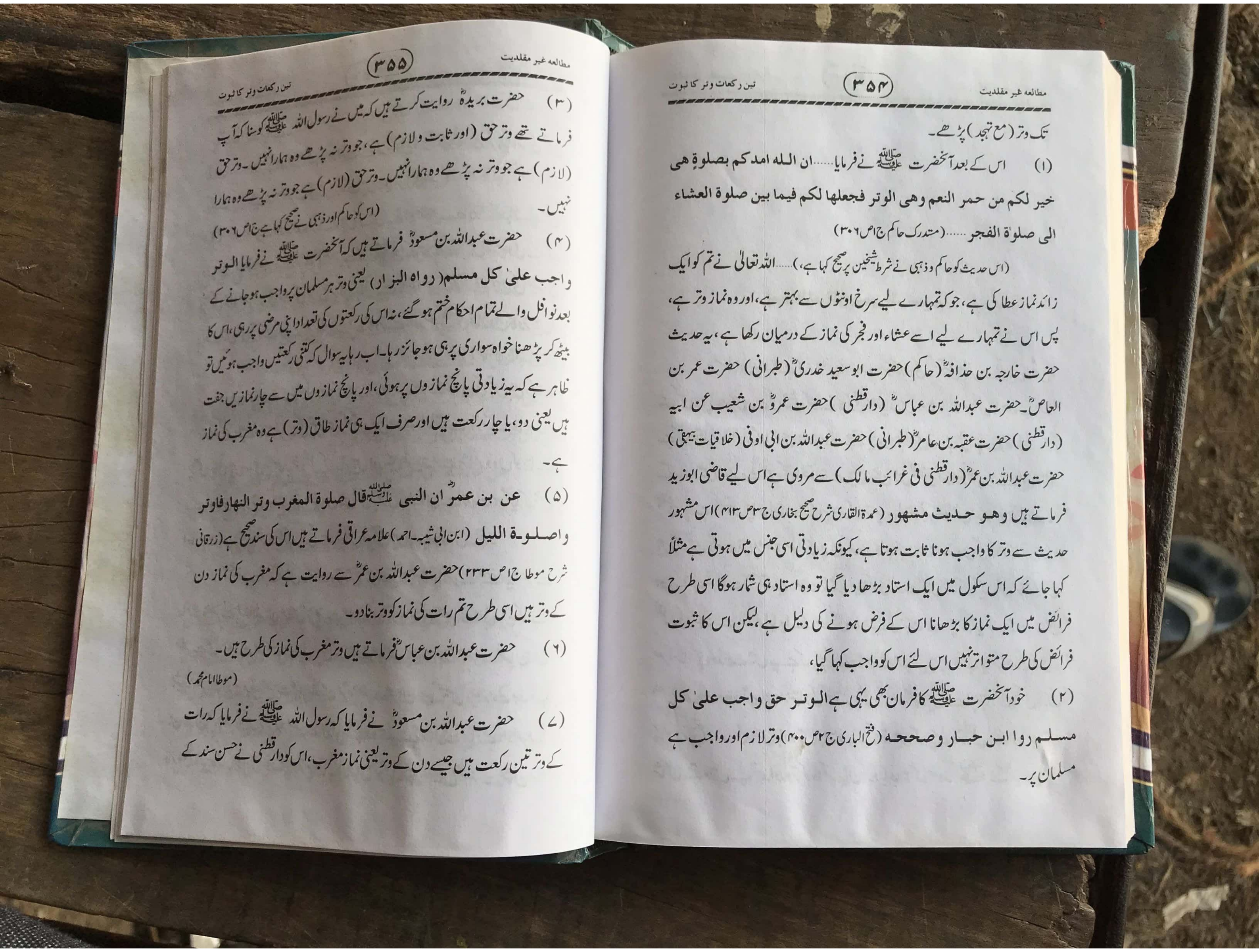

تک وتر (مع تہجد) پڑھے۔

(۱) اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا...... **ان اللہ امدکم بصلوۃ ھی خیر لکم من حمر النعم وھی الوتر فجعلھا لکم فیما بین صلوۃ العشاء الی صلوٰۃ الفجر**...... (مستدرک حاکم ج ا ص ۳۰۶) (اس حدیث کو حاکم و ذہبی نے شرط شیخین پر صحیح کہا ہے۔)...... اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک زائد نماز عطا کی ہے، جو کہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے، اور وہ نماز وتر ہے، پس اس نے تمہارے لیے اسے عشاء اور فجر کی نماز کے درمیان رکھا ہے، یہ حدیث حضرت خارجہ بن حذافہؓ (حاکم) حضرت ابو سعید خدریؓ (طبرانی) حضرت عمر بن العاصؓ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (دار قطنی) حضرت عمروؓ بن شعیب عن ابیہ (دار قطنی) حضرت عقبہ بن عامرؓ (طبرانی) حضرت عبداللہ بن ابی اوفی (خلاقیات بیہقی) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (دار قطنی فی غرائب مالک) سے مروی ہے اس لیے قاضی ابوزید فرماتے ہیں **وھو حدیث مشھور** (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۳ ص ۴۱۳) اس مشہور حدیث سے وتر کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے، کیونکہ زیادتی اسی جنس میں ہوتی ہے مثلاً کہا جائے کہ اس سکول میں ایک استاد بڑھا دیا گیا تو وہ استاد ہی شمار ہوگا اسی طرح فرائض میں ایک نماز کا بڑھانا اس کے فرض ہونے کی دلیل ہے، لیکن اس کا ثبوت فرائض کی طرح متواتر نہیں اس لئے اس کو واجب کہا گیا،

(۲) خود آنحضرت ﷺ کا فرمان بھی یہی ہے **الوتر حق واجب علیٰ کل مسلم روا ابن حبار وصححہ** (فتح الباری ج ۲ ص ۴۰۰) وتر لازم اور واجب ہے مسلمان پر۔

(۳) حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ آپ فرماتے تھے وتر حق (اور ثابت و لازم) ہے، جو وتر نہ پڑھے وہ ہمارا نہیں۔ وتر حق (لازم) ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہمارا نہیں۔ وتر حق (لازم) ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہمارا نہیں۔ (اس کو حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے ج ا ص ۳۰۶)

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **الوتر واجب علیٰ کل مسلم** (**رواہ البزار**) یعنی وتر ہر مسلمان پر واجب ہو جانے کے بعد نوافل والے تمام احکام ختم ہو گئے، نہ اس کی رکعتوں کی تعداد اپنی مرضی پر رہی، اس کا بیٹھ کر پڑھنا خواہ سواری پر ہی ہو جائز رہا۔ اب رہا یہ سوال کہ کتنی رکعتیں واجب ہوئیں تو ظاہر ہے کہ یہ زیادتی پانچ نمازوں پر ہوئی، اور پانچ نمازوں میں سے چار نمازیں جفت ہیں یعنی دو، یا چار رکعت ہیں اور صرف ایک ہی نماز طاق (وتر) ہے وہ مغرب کی نماز ہے۔

(۵) **عن بن عمرؓ ان النبی ﷺ قال صلوۃ المغرب وتر النھار فاوتر واصلوۃ اللیل** (ابن ابی شیبہ۔ احمد) علامہ عراقی فرماتے ہیں اس کی سند صحیح ہے (زرقانی شرح موطا ج ا ص ۲۳۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں اسی طرح تم رات کی نماز کو وتر بنا دو۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں وتر مغرب کی نماز کی طرح ہیں۔

(موطا امام محمد)

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کے وتر تین رکعت ہیں جیسے دن کے وتر یعنی نماز مغرب، اس کو دار قطنی نے حسن سند کے

ساتھ روایت کیا ہے۔

(۸) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وتر کی تین رکعت ہیں، جیسے نماز مغرب کی تین رکعت ہیں۔ (طبرانی فی الکبیر)

(۹) حضرت ابو خالدہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو العالیہ سے وتر کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ کے صحابہ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح پڑھی جاتی ہے، ماسوا اس کے کہ ہم اس کی تیسری رکعت میں بھی قرأت کرتے ہیں پس یہ رات کا وتر ہے، اور مغرب کی نماز دن کا وتر ہیں
(طحاوی ج ۱ ص ۱۴۳)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جب وتر واجب ہوئے تو اس کی تین ہی رکعت مقرر ہو گئیں جیسے نماز مغرب کی تین ہی رکعتیں ہیں اور وہ دو التحیات اور ایک سلام سے پڑھی جاتی ہیں، اسی پر صحابہ خود عمل کرتے ہیں اور یہی طریقہ اپنے شاگردوں کو بتاتے رہے اور اسی پر بلا تردد وانکار خیر القرون میں عمل جاری رہا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ جن احادیث میں وتر کی تعداد مختلف آئی ہے وہ اس دور کی ہیں جب وتر نفل تھے۔

آنحضرت ﷺ تین رکعت وتر میں تین سورتیں پڑھا کرتے تھے یہ حضرت عائشہ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد الرحمٰن بن انبری، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت نعمان بن بشیرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت معاویہ بن خدیجؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت ابو امامہؓ چودہ صحابہ نے روایت کیا ہے، ادھر عہد فاروقیؓ سے بیس تراویح اور تین وتر پر صحابہ کا اجماع ہو گیا۔ یہی اجماع حضرت عثمان اور

حضرت علیؓ کے زمانہ اور بعد میں بھی قائم رہا۔

لہذا تین رکعت کے علاوہ جتنی رکعات کا ذکر احادیث میں آتا ہے وہ اجماعاً متروک العمل ہیں۔

وتر پڑھنے کا طریقہ:

ابتدائے اسلام میں نماز میں سلام کلام کی بھی گنجائش تھی اور وتر نفل تھے اس لیے بعض اوقات آنحضرت ﷺ تین وتروں میں دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیتے اور ایک وتر علیحدہ پڑھ لیتے۔ دیکھنے والے اس کو دو طرح روایت کر دیتے صرف آخری رکعت کا خیال کر کے اسے ایک رکعت ہی روایت کر دیتے اور بعض یوں بیان کر دیتے کہ تین وتر دو سلاموں سے ادا فرمائے لیکن جیسے باقی نمازوں میں سلام کلام جائز نہیں رہا ایسے ہی وتر کے درمیان بھی سلام کلام جائز نہیں رہا۔

(۱) **عن عائشہؓ ان رسول اللہ ﷺ کان یسلم فی کعتی الوتر**
(موطا امام محمد ص ۱۵۱ نسائی ج ۱ ص ۲۴۸)

حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۲) اور اسی طریقے پر عمل آخر تک جاری رہا، چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کے دفن سے جب فارغ ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، میں نے ابھی وتر نہیں پڑھے پس وہ وتر کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور حاضرین نے بھی ان کے پیچھے صف باندھ لی تو حضرت مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں...... **فصلی بنا ثلاث رکعات لم یسلم الا فی آخرھن** ...... یعنی حضرت عمرؓ نے ہمیں تین رکعتیں وتر پڑھائی جن میں صرف تیسری

رکعت پر سلام پھیرا۔ (طحاوی ج ا ص ۲۰۲ عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۲۰ ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۹۳)

(۳) یہ بات پہلے بھی ذکر ہو چکی ہے۔ دور فاروقیؓ، دور عثمانیؓ، دور مرتضویؓ میں جیسے بیس رکعت تراویح پر اجماع ہوا، اسی طرح تین وتر پر بھی اجماع ہوا حضرت ابی بن کعبؓ ......**امام التراویح کان یوتر بثلاث لا یسلم الا فی الثالثة مثل المغرب** (عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۶) تین رکعت وتر پڑھا کرتے اور دوسری رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے، بلکہ مغرب کی نماز کی طرح تیسری رکعت پر ہی سلام پھیرتے تھے۔ یعنی اجماع اسی بات پر ہوا کہ وتر تین رکعت دو التحیات اور ایک سلام سے مثل مغرب کے ہیں۔

(۴) حضرت ابواسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے (ہزاروں) اصحاب (تین وتر پڑھتے تھے) اور دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۵) حضرت ابوالزناد فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے ساتوں فقہاء اس پر متفق تھے کہ وتر تین رکعتیں ہیں اور سلام صرف تیسری رکعت کے بعد ہے اور اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فیصلہ فرمایا۔ (طحاوی ج ا ص ۲۰۳ ص ۲۰۴)

(۶) حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں...... **اجمع المسلمون ان الوتر ثلاث لا یسلم الا فی آخرھن** ...... (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۴) سب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں جن کے صرف آخر میں سلام پھیرا جاتا ہے۔

ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوا کہ سب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ان ہی احادیث پر عمل جاری رہا اور دو رکعت کے بعد سلام پھیرنے پر عمل تو کیا جاری رہتا، صرف حدیث ہی روایت کی تو شاگرد سن کر کہنے لگا کہ...... **انی لا خاف ان یقول**

الناس ھی البتیراء...... میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اس طریقے کو دم کٹی نماز کہیں (طحاوی ج ا ص ۱۹۲) ظاہر ہے کہ اس وقت لوگ یا صحابہ تھے یا تابعین۔ ان کا اس طریقے کو دم کٹی نماز کہنا اس حدیث کے متروک العمل ہونے کی دلیل ہے، جیسا کوئی شخص کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا ذکر کرتا تو لوگ اعتراض کرتے۔

افسوس کہ غیر مقلدین نے احناف کی ضد میں ان احادیث پر عمل چھوڑ رکھا ہے، جن پر بلا نکیر عمل جاری رہا اور شاذ روایات کو اپنانا اپنا مشن بنا لیا ہے۔

درمیانی قعدہ:

احناف کی ضد میں یا تو غیر مقلدین دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے ہیں، یہ غلط طریقہ ہے، کیونکہ اس پر عمل باقی نہیں رہا یا احناف کی ضد میں دو رکعت پر سرے سے قعدہ ہی نہیں کرتے یہ بھی ترک واجب ہے ابوداؤد شریف میں حدیث ہے کہ ایک نماز میں آنحضرت ﷺ درمیانی قعدہ بھول گئے تو آپ ﷺ نے سجدہ سہو فرمایا اس لیے اگر کوئی بھول کر بھی یہ قعدہ نہ کرے تو سجدہ سہو واجب ہے ورنہ اعادہ نماز واجب ہے۔

(۱) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ **کان یقول فی کل رکعتین التحیة** (صحیح مسلم ج ا ص ۱۹۴) آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ہر دو رکعت پر التحیات ہے۔

(۲) حضرت فضل بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **الصلوٰة مثنٰی مثنٰی تشھد فی کل رکعتین** (ترمذی ج ا ص ۵۰) یعنی نماز دو دو رکعت ہے اور دو رکعت کے بعد التحیات ہے۔ فائدہ، لفظ کل خاص طور پر یہاں قابل توجہ ہے۔

(۳) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ظہر یا عصر کی

نماز پڑھائی اور دو رکعتوں پر کھڑے ہو گئے، لوگوں نے سبحان اللہ کہا مگر آپ ﷺ نے پرواہ نہ کی پس جب آپ ﷺ نے نماز پوری کر چکے تو دو سجدے سہو کے کئے اور پھر سلام پھیرا (رواہ البزار مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۰۲) اور کہا اسکے سب راوی ثقہ ہیں۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ......**صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ** ......رات کی نماز دو دو رکعت ہوئی ہے، جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ دو دو رکعت کا کیا مطلب ہے تو فرمایا...... **ان تسلیم فی کل رکعتین** (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۷) کہ تم ہر دو رکعت پر سلام پھیرو۔ چنانچہ تہجد کی نماز میں ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جاتا تھا، ہاں وتر کی دو رکعت بعد آخر میں یہ سلام باقی نہ رہا تو التحیات پڑھ کر بغیر سلام پھیرے تیسری رکعت میں کھڑے ہوتے تھے اس لیے وہ تمام حدیثیں بھی جن میں سلام کی نفی ہے قعدہ کی دلیل ہیں۔

(۵) وہ تمام احادیث جن میں نماز وتر کو نماز مغرب جیسا قرار دیا ہے وہ بھی درمیانی قعدہ کے لیے دلیل ہیں، کیونکہ مغرب کے تین فرضوں کی دو رکعتوں کے بعد اگر التحیات نہ پڑھے یعنی قعدہ نہ کرے تو بالاتفاق سجدہ سہو واجب ہے۔

(۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے اپنی والدہ کو (جو آنحضرت ﷺ کی محرمہ تھیں) جناب رسول اقدس ﷺ کے گھر خاص اس مقصد کے لیے بھیجا تا کہ وہ دیکھیں کہ آنحضرت ﷺ نماز وتر کس طرح ادا فرماتے ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جب وتر ادا فرمائے تو پہلی رکعت میں ......**سبح اسم ربک الاعلیٰ** ...... پڑھی، دوسری رکعت میں...... **قل یا یھا الکفرون** ...... پڑھی اس کے بعد قعدہ اولیٰ کیا اس کے بعد کھڑے ہوئے اور ان دو

رکعتوں کو سلام کے ساتھ تیسری رکعت سے جدا نہیں فرمایا اس کے بعد تیسری رکعت میں (فاتحہ کے بعد) **قل ھو اللہ احد** پڑھی، یہاں تک کہ جب اس سے فارغ ہوئے تو اللہ اکبر کہا اس کے بعد قنوت پڑھی اور پھر رکوع فرمایا۔ (رواہ ابن عبدالبر فی الاستیعاب)

(۷) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے، پھر جب دو رکعت کے بعد تو (التحیات پڑھ کر) سلام کا ارادہ کرے کھڑا ہو تو ایک رکعت ملالے وہ وتر ہو جائیں گے، حضرت قاسم بن محمد فرماتے ہیں میں نے تین وتر ہی لوگوں کو پڑھتے پایا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۵)

دیکھئے بخاری شریف کی اس حدیث سے تین رکعت وتر ایک سلام اور دو التحیات سے ثابت ہو گئے ان سب مشہور روایات کے خلاف غیر مقلدین جس روایت سے استدلال کرتے ہیں وہ یہ ہے۔

امام حاکم پہلے دو سندوں سے سعید بن ابی عروبہ عن قتادہ عن زرارہ بن ابی اوفیٰ عن سعد بن ہشام عن عائشہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری مسلم کی شرط پر صحیح ہے (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۰۴) سعید کی یہ حدیث (۱) مستدرک حاکم کے علاوہ (۲) نسائی ج ۱ ص ۲۴۸ (۳) موطا امام محمد ج ۱ ص ۱۵۱ (۴) طحاوی ج ۱ ص ۱۹۳ (۵) محلی ابن حزم ج ۲ ص ۴۸ (۶) ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۵ (۷) دارقطنی ص ۱۷۵ (۸) بیہقی ج ۳ ص ۳۱ (۹) مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۶ (۱۰) طبرانی صغیر۔

ان دس کتابوں میں حدیث کے الفاظ یہی ہیں کہ دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے...... **اخبرنا ہ ابو نصر احمد بن سھل الفقیہ ببخار اثنا**

صالح بن محمد بن حبیب الحافظ ثنا شیبان بن فروخ ابن ابی شیبہ ثنا ابان عن قتادہ عن زرارہ بن ابی اوفی عن سعد بن ہشام عن عائشہؓ قالت کان رسول اللہ ﷺ یوتر بثلاث لا یسلم (فی نسخۃ لا یقعد) الا فی آخر ہن وھذا وتر امیر المومنین عمر ابن الخطاب وعنہ اخذہ اھل المدینہ ...... (المستدرک ج ۱ ص ۳۰۴) گویا دس سندوں میں تو اتفاق ہے کہ حدیث کے الفاظ **لا یسلم** ہیں یعنی آپ ﷺ دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے اور گیارہویں سند میں دو نسخے ہیں ایک تو یہی **لا نسلم** دوسرا **لا یقعد** کہ آپ ﷺ دو رکعتوں کے بعد نہیں بیٹھے تھے اس لیے ضروری ہوا کہ یہ نسخہ جو گیارہ سندوں کے خلاف ہے اس کی سند اور متن کی تحقیق کی جائے کیونکہ اس نسخہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے متواتر آیت قرآنی کے خلاف کوئی شاذ قرأت ہو۔ یا محکم کے مقابلہ میں متشابہ آجائے۔

(۱) اس کی سند کے پہلے دو راویوں کے حالات نہ تقریب میں ملے ہیں نہ تذکرۃ الحفاظ اور نہ میزان الاعتدال اور نہ تہذیب التہذیب میں۔

(۲) تیسرے راوی شیبان بن فروخ کے بارہ میں تقریب التہذیب ص ۱۴۸ پر لکھا ہے **صدوق یھم ورمی بالقدر** ۔ یعنی سچا ہے مگر وہم کا شکار تھا اور تقدیر کے انکار کی بھی تہمت اس پر تھی۔

(۳) چوتھا راوی ابان ہے ابان کی ولدیت سند میں مذکور نہیں تقریب التہذیب میں دس ابان نامی راوی ہیں جن میں سے آٹھ ضعیف ہیں اور دو ثقہ ہیں۔ علامہ نیمویؒ فرماتے ہیں کہ ابان بن یزید گو ثقہ ہے لیکن اس کی یہ روایت ثقہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہے۔ (آثار السنن ج ۱ ص ۱۵)

---

(۴) فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے ''ابان کی بجائے سعید بن عروبہ اور چند دوسرے رواۃ نے قتادہ سے جو روایت کی ہے اس میں ''**لا یقعد**'' کی بجائے ''**لا یسلم**'' ہے (یعنی سلام نہیں پھیرا کرتے تھے) اس لیے امام بیہقی کی تصریح کے مطابق یقعد والے الفاظ کو خطاء اور غلطی تصور کرنا چاہیے۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ج ۳ ص ۱۹۹)

(۵) اس روایت کا مدار قتادہ پر ہے اور قتادہ جب عن سے روایت کرے تو غیر مقلدین کا اتفاق ہے کہ اس کی روایت حجت نہیں۔

(۶) اس کے متن پر غور کریں تو بھی جملہ **لا یقعد** صحیح نہیں کیونکہ اس کے بعد اسی روایت میں یہ بھی ہے وتر پڑھنے کا یہ طریقہ حضرت عمرؓ کا تھا اور یہی طریقہ اہل مدینہ نے ان سے اخذ کیا۔ اب دیکھنا ہے کہ حضرت عمرؓ کا طریقہ...... **لا یقعد**...... والا تھا یا...... **لا یسلم** والا، تو پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے دفن کے بعد جب حضرت عمرؓ نے سب کو نماز وتر پڑھائی تو آخر میں سلام پھیرا اس میں...... **لا یسلم** ہے...... **لا یقعد**...... نہیں۔

(۷) امام حسنؒ سے جب یہ کہا گیا کہ حضرت ابن عمرؓ دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے اور امام حسنؒ نے فرمایا کہ ان کے والد حضرت عمرؓ بڑے فقیہ تھے وہ دوسری پر سلام پھیرے بغیر تکبیر سے اٹھتے تھے (مستدرک ج ۱ ص ۳۰۴) حضرت عمرؓ سے کسی صحیح سند سے **لا یقعد** کا لفظ ثابت نہیں۔

(۸) دوسری بات اہل مدینہ کے وتر کی بابت ہے ان کے بارہ میں بھی گزر چکا ہے کہ بالاتفاق لا یسلم والا طریقہ تھا کسی ایک روایت میں بھی لا یقعد نہیں آتا۔

الغرض لا یقعد والی روایت نہ سنداً صحیح ہے نہ متناً اور اکثر احادیث کے خلاف

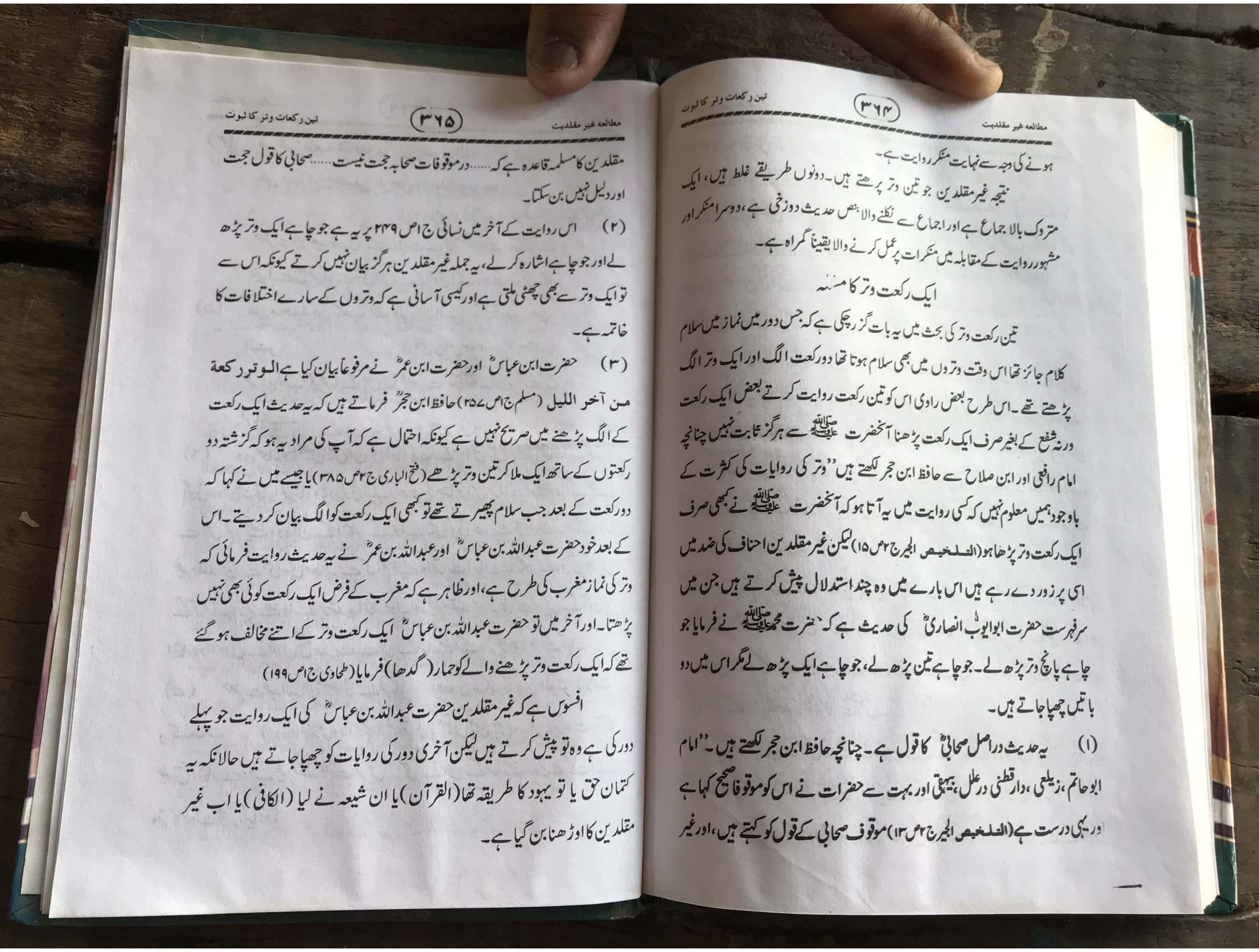

ہونے کی وجہ سے نہایت منکر روایت ہے۔

نتیجہ غیر مقلدین جو تین وتر پڑھتے ہیں۔ دونوں طریقے غلط ہیں، ایک متروک بالا جماع ہے اور اجماع سے نکلنے والا بنص حدیث دوزخی ہے، دوسرا منکر اور مشہور روایت کے مقابلہ میں منکرات پر عمل کرنے والا یقیناً گمراہ ہے۔

ایک رکعت وتر کا مسئلہ

تین رکعت وتر کی بحث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جس دور میں نماز میں سلام کلام جائز تھا اس وقت وتروں میں بھی سلام ہوتا تھا دو رکعت الگ اور ایک وتر الگ پڑھتے تھے۔ اس طرح بعض راوی اس کو تین رکعت روایت کرتے بعض ایک رکعت ورنہ شفع کے بغیر صرف ایک رکعت پڑھنا آنحضرت ﷺ سے ہرگز ثابت نہیں چنانچہ امام رافعی اور ابن صلاح سے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ''وتر کی روایات کی کثرت کے باوجود ہمیں معلوم نہیں کہ کسی روایت میں یہ آتا ہو کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی صرف ایک رکعت وتر پڑھا ہو (التلخیص الجیر ج۲ ص۱۵) لیکن غیر مقلدین احناف کی ضد میں اسی پر زور دے رہے ہیں اس بارے میں وہ چند استدلال پیش کرتے ہیں جن میں سرفہرست حضرت ابوایوب انصاریؓ کی حدیث ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا جو چاہے پانچ وتر پڑھ لے۔ جو چاہے تین پڑھ لے، جو چاہے ایک پڑھ لے مگر اس میں دو باتیں چھپا جاتے ہیں۔

(۱) یہ حدیث دراصل صحابیؓ کا قول ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ ''امام ابو حاتم، زیلعی، دار قطنی در علل، بیہقی اور بہت سے حضرات نے اس کو موقوفاً صحیح کہا ہے اور یہی درست ہے (التلخیص الجیر ج۲ ص۱۳) موقوف صحابی کے قول کو کہتے ہیں، اور غیر مقلدین کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ...... درموقوفات صحابہ حجت نیست...... صحابی کا قول حجت اور دلیل نہیں بن سکتا۔

(۲) اس روایت کے آخر میں نسائی ج ۱ ص ۲۴۹ پر یہ ہے جو چاہے ایک وتر پڑھ لے اور جو چاہے اشارہ کر لے، یہ جملہ غیر مقلدین ہرگز بیان نہیں کرتے کیونکہ اس سے تو ایک وتر سے بھی چھٹی ملتی ہے اور کیسی آسانی ہے کہ وتروں کے سارے اختلافات کا خاتمہ ہے۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے مرفوعاً بیان کیا ہے الوتر رکعة من آخر الليل (مسلم ج۱ ص۲۵۷) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ایک رکعت کے الگ پڑھنے میں صریح نہیں ہے کیونکہ احتمال ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ گزشتہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک ملا کر تین وتر پڑھے (فتح الباری ج۲ ص ۳۸۵) یا جیسے میں نے کہا کہ دو رکعت کے بعد جب سلام پھیرتے تھے تو کبھی ایک رکعت کو الگ بیان کر دیتے۔ اس کے بعد خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے یہ حدیث روایت فرمائی کہ وتر کی نماز مغرب کی طرح ہے، اور ظاہر ہے کہ مغرب کے فرض ایک رکعت کوئی بھی نہیں پڑھتا۔ اور آخر میں تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک رکعت وتر کے اتنے مخالف ہو گئے تھے کہ ایک رکعت وتر پڑھنے والے کو حمار (گدھا) فرمایا (طحاوی ج۱ ص۱۹۹)

افسوس ہے کہ غیر مقلدین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت جو پہلے دور کی ہے وہ تو پیش کرتے ہیں لیکن آخری دور کی روایات کو چھپا جاتے ہیں حالانکہ یہ کتمان حق یا تو یہود کا طریقہ تھا (القرآن) یا ان شیعہ نے لیا (الکافی) یا اب غیر مقلدین کا اوڑھنا بن گیا ہے۔

(۴) **عن ابی سعید الخدری ؓ ان رسول الله ﷺ نهی عن ابتیرا، ان یصلی الرجل واحدة یوتر بها.**
(واہ ابن عبدالبر فی التمہید بحوالہ اعلاء السنن ج۶ ص۴۰)

حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بتیر اُسے منع فرمایا ہے یعنی اس سے کہ آدمی ایک رکعت وتر پڑھے۔

(۵) **عن محمد بن کعب القرظی ان النبی ﷺ نهی عن البتیر.**
(زیلعی ج۱ ص۳۰۳ وہو مرسل معتضد)

محمد بن کعب بھی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے بتیر اُسے منع فرمایا ہے۔

(۶) دور صحابہ وتابعین میں ان ہی احادیث کے موافق عمل جاری تھا۔ ایک وتر کا کوئی رواج نہ تھا، اگر شاذ ونادر کوئی ایک رکعت پڑھتا تو اس پر انکار ہوتا اور لوگ تعجب سے اس کو دیکھتے، وہ ان کے انکار کے جواب میں کوئی حدیث پیش نہ کرسکتا۔ ہمارا غیر مقلدین سے بھی یہی مطالبہ ہے کہ ہم ایسے واقعات احادیث صحیحہ سے پیش کریں گے کہ ایک وتر پڑھنے والے پر شدید انکار ہوا۔ اور غیر مقلدین یہ ثابت کریں گے جن پر انکار ہوا انہوں نے فلاں صحیح حدیث سے ان کے سامنے ایک وتر پڑھنا ثابت کیا۔

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا...... **اهون مایکون الوتر ثلاث رکعات** ...... (موطا امام محمد ص۱۵۰) کم از کم وتر کی رکعتیں تین ہیں، یہ ایک رکعت وتر کا صریح انکار ہے، اب غیر مقلد ثابت کریں کہ کسی نے ان کے سامنے حدیث سے ایک وتر کا ثبوت پیش کیا ہو؟

(۸) پھر حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے صراحتاً کھل کر فرمایا...... **اجزأت رکعةً واحدةً قط** ...... (موطا امام محمد ص۱۵۰) کہ (وتر) کی ایک رکعت کبھی کافی نہیں ہوسکتی، اس وقت کوفہ میں سینکڑوں صحابہ اور ہزاروں تابعین موجود تھے، کسی نے ایک حدیث بھی ان کے رد میں پیش نہ کی۔

(۹) حضرت سعد ؓ نے ایک وتر پڑھا تو حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا ایک رکعت ہرگز جائز نہیں...... **وعاب ذالک علی سعد** ...... اور حضرت سعد ؓ کے اس فعل کو معیوب قرار دیا (طحاوی ج۱ ص۲۰۳)

مگر حضرت سعد ؓ ایک بھی حدیث ان کے مقابلہ میں پیش نہ کر سکے۔

(۱۰) حضرت عبداللہ بن سلمہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد ؓ نے کوفے میں ایک وتر پڑھا، میں ان کے پیچھے چلا اور ان کا بازو پکڑ لیا اور پوچھا...... **یا ابا اسحاق ماهذا الرکعة** ...... یہ رکعت کیا ہے (طحاوی ج۱ ص۲۰۳) اس سے معلوم ہوا کہ شاذ قرأتوں کی طرح ایک وتر کو لوگ اچنبھے کی طرح دیکھتے تھے حضرت سعد ؓ عبداللہ بن سلمہ کے سامنے بھی کوئی حدیث پیش نہ فرما سکے۔

(۱۱) غیر مقلدین کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ ؓ نے ایک وتر پڑھا اور حضرت عباس ؓ کا قول دلیل شرعی ہے اور ہمارے نزدیک صحابہ کا قول یا فعل دلیل شرعی ہے۔ جمہور کے خلاف کی تاویل کریں گے۔ بہرحال اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ ؓ نے ایک رکعت وتر پڑھا، یہ اس عہد میں ایک اجنبی فعل تھا ابن ابی ملیکہ نے آکر ابن عباس ؓ کو بتایا، آپ نے فرمایا **انه فقیه** یعنی ایک وتر کے باقی رہنے پر ان کے پاس کوئی صریح حدیث نہیں ہے، البتہ ان کی فقہی رائے ہے، اور فقیہ اپنی رائے میں

خطا پر بھی ہو تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔ اس لیے اصاب بھی فرمایا (بخاری) اور واقعی کوئی غیر مقلد یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ حضرت امیر معاویہؓ نے کوئی صریح حدیث پیش کر کے ثابت کیا ہو کہ یہ میری فقہی رائے نہیں بلکہ صریح حدیث پر میں عامل ہوں۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ پورے مکہ مکرمہ میں کوئی ایک وتر کو جانتا تک نہ تھا۔ جب امیر معاویہؓ آئے تو دیکھا اور حیران ہوئے۔

(۱۲) حضرت ابن ابی ملیکہ کو تو ابن عباسؓ نے مندرجہ بالا جواب دیا پھر جب عکرمہ نے بھی آ کر بتایا کہ حضرت معاویہؓ نے ایک وتر پڑھا ہے (تو شاید اس خیال سے کہ خطائے اجتہادی کا رواج نہ ہو جائے) آپ نے سخت الفاظ بھی ارشاد فرمائے۔

(طحاوی ج ۱ ص ۱۹۹)

(۱۳) غیر مقلدین کہا کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ایک وتر پڑھا اور ایک رکعت میں سارا قرآن ختم کیا (دار قطنی۔ طحاوی) ہم کہتے ہیں آپ کے مذہب میں تو حضرت عثمان کا فعل دلیل شرعی نہیں بلکہ ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کرنا آپ کے نزدیک خلاف حدیث اور بدعت ہے، پھر آپ کو اس سے کیا فائدہ؟ اور ہم کہتے ہیں کہ اس کی سند میں خلیج بن سلیمان راوی ضعیف ہے، پھر اس روایت میں یہ بھی تو ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن التیمی جو صحابی ہیں، انہوں نے جب حضرت عثمان کو ایک رکعت پڑھتے دیکھا تو یہ فرمایا ادھم الشیخ یعنی کوئی شخص وہم یا بھول کر ایک رکعت پڑھ لے تو یہ ممکن تھا مگر بغیر وہم اور بھول ایک رکعت کا پڑھنا اس دور میں کسی کے وہم میں بھی نہیں آ سکتا تھا، اور حضرت عثمانؓ بھی کوئی ایک حدیث پیش نہ فرما سکے کہ یہ وہم نہیں ہے، میں فلاں حدیث پر عمل کر رہا ہوں تمہیں خود حدیث کا علم نہیں اور احناف یہ کہتے ہیں کہ خود دور عثمانیؓ میں بیس تراویح کے ساتھ سب تین وتر پڑھتے تھے، جس پر کسی نے انکار نہیں کیا ان سب روایات سے بھی ثابت ہوا کہ ایک رکعت وتر پر عہد صحابہ میں امر منکر کی طرح انکار ہوتا تھا۔ یہ تعامل دلیل ہے کہ حدیث بیتراء ہرگز بے اصل نہیں۔

(۱۴) تمام صحاح ستہ میں یہ فرمان رسول موجود ہے...... صلوٰۃ اللیل مثنی مثنی رات کی نماز دو دو رکعت ہوتی ہے، اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوا کہ نماز کا کم از کم نصاب دو رکعت ہے اس سے کم نماز نہیں، یہی وجہ ہے کہ فرائض و نوافل میں، سفر یا حضر میں حتیٰ کہ خوف کی نماز میں بھی کوئی ایسی نہیں ملتی جہاں شریعت نے ایک رکعت کو جائز رکھا ہو۔ ظاہر ہے کہ وتر کی نماز بھی اسی ضابطہ کے تحت آئے گی اور محض ایک وتر نماز نہیں کہلائے گی۔

(۱۵) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضرت عبداللہ بن ابی قیس نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کتنے وتر پڑھتے تھے؟ فرمایا آپ ﷺ چار اور تین، چھ اور تین آٹھ اور تین رکعتیں پڑھا کرتے تھے کبھی تیرہ رکعت سے زائد اور سات رکعت سے کم نہیں پڑھتے تھے (احمد ج ۶ ص ۵۶ طحاوی ج ۱ ص ۱۹۸ ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۰)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ تین رکعت سے نہ زیادہ وتر پڑھتے تھے اور نہ تین رکعت سے کم۔

ان دلائل سے یہ باتیں نہایت وضاحت سے ثابت ہو گئیں۔

(۱) ایک رکعت وتر جائز نہیں ہے ایسی روایات بتیراء سے منع فرمانے سے پہلے کی ہیں۔

(۲) تین رکعت میں دو رکعت پر سلام پھیرنا یہ طریقہ بھی درست نہیں، اس پر عمل

جاری نہیں رہا۔

(۳) تین رکعت کے درمیان قعدہ نہ کرنا بھی غلط طریقہ ہے، کسی صحیح حدیث سے اس کا ثبوت نہیں۔

(۴) وتر کا صحیح طریقہ جس کا عمل جاری رہا یہ ہی ہے کہ تین وتر دو التحیات اور ایک سلام سے پڑھے جائیں۔

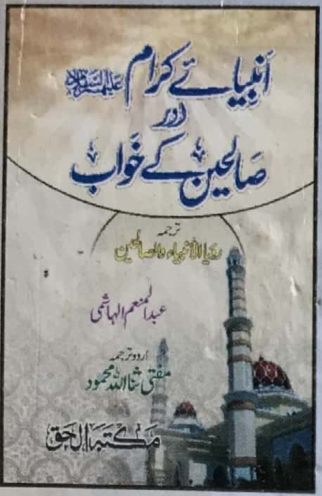

انبیائے کرام علیہم السلام اور صالحین کے خواب

ترجمہ رؤیا الأنبیاء والصالحین

عبد المنعم الہاشمی

اردو ترجمہ مفتی ثناء اللہ محمود

مکتبۃ الحق

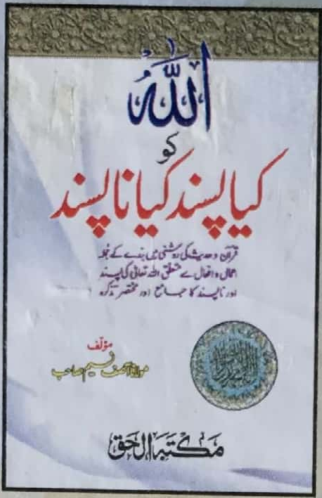

اللہ کو کیا پسند کیا ناپسند

مکتبۃ الحق

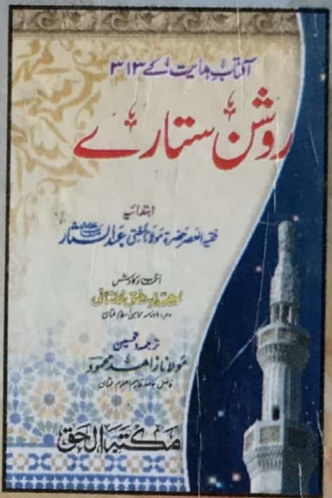

آفتاب ہدایت کے ۳۱۳ روشن ستارے

مکتبۃ الحق

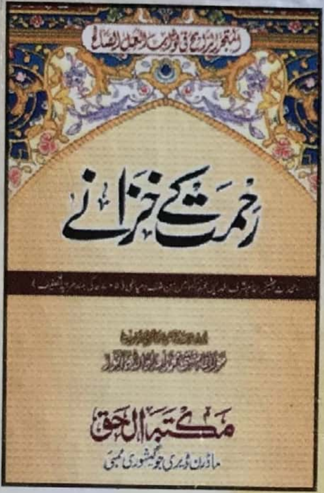

رحمت کے خزانے

مکتبۃ الحق

ماڈرن ڈیری جوگیشوری ممبئی

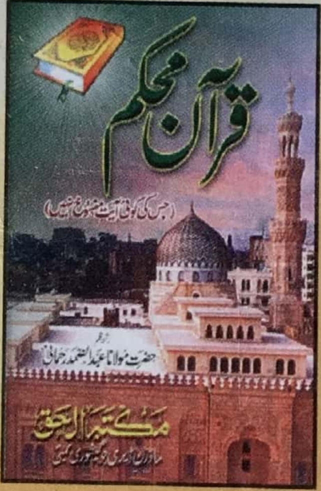

قرآن محکم

(جس کی کوئی آیت منسوخ نہیں)

حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی

مکتبۃ الحق

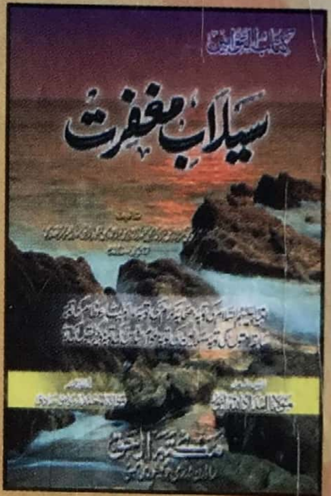

سیلاب مغفرت

مکتبۃ الحق

مکتبۃ الحق

ماڈرن ڈیری جوگیشوری ممبئی